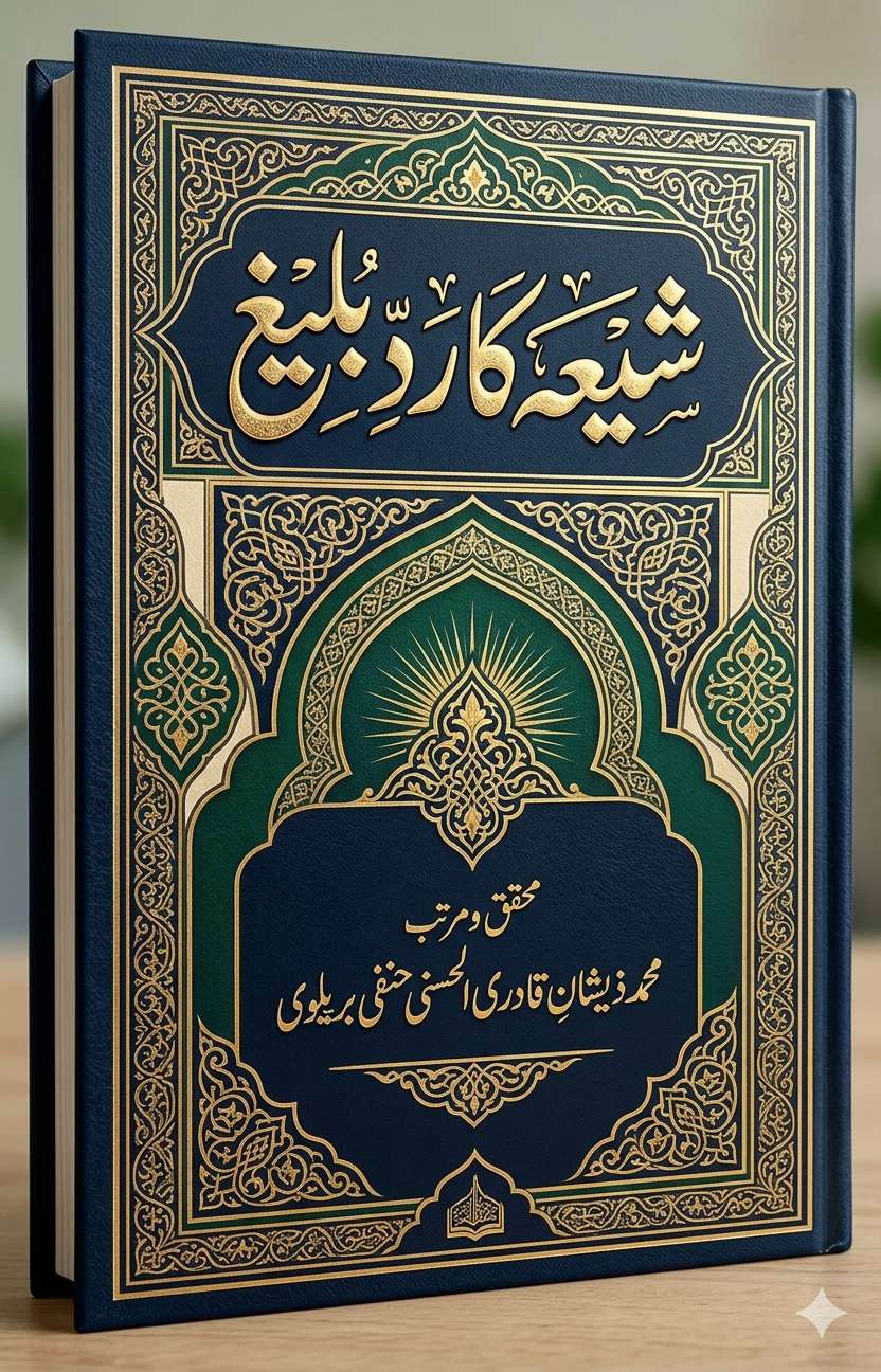
شیعہ کا ردِ بلیغ
محقق و مرتب
محمد ذیشانِ قادری الحسنی حنفی بریلوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نام کتاب: شیعہ کا ردِ بلیغ۔

محقق ومرتب: محمد ذیشان قادری الحسنی حنفی بریلوی۔

زیرِ سایہ: پیر محمد توقیر اقبال قادری حسنی نقشبندی سرکار۔

خاکِ پا: سلسلہ عالیہ قادریہ حسنیہ۔

تاریخ تحریر: ربیع الاول(1445ھ)، ستمبر(2023ء)۔

صفحات: 272

ای میل: see.zee480@gmail.com

مطالعہ آن لائن: /https://archive.org

نوٹ: اس رسالے کو بلامعاوضہ آگے شیئر کرنے کی اجازت ہے،

مگر مندرجات میں تبدیلی ممنوع ہے۔ شکریہ

خانقاہِ اولیاء قادریہ حسنیہ انٹرنیشنل لاہور پاکستان

| نمبر | فہرست | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 1 | رافضی (شیعہ) یہودی مشابہت | 6 |
| 2 | روافض (شیعہ) کا تعارف | 28 |
| 3 | روافض (شیعہ) کے فرقے | 38 |
| 4 | روافض (شیعہ) کا کتمان و تقیہ | 51 |
| 5 | شیعانِ علی بمقابلہ حضرت علی | 57 |
| 6 | روافض (شیعہ) کی تحریفِ قرآن | 73 |
| 7 | ماتم، تعزیہ سازی اور نوحہ | 84 |
| 8 | متعہ | 119 |
| 9 | لفظ مولا، حدیثِ غدیر اور عید غدیر | 159 |
| 10 | باغِ فدک | 185 |
| 11 | خطائے اجتہادی | 203 |
| 12 | حدیث قرطاس | 222 |
| 13 | شان سیدنا امیر معاویہ کتب شیعہ کی روشنی میں | 240 |
| 14 | شان سیدنا صدیق اکبر کتب شیعہ کی روشنی میں | 250 |
| 15 | روافض (شیعہ) سے چند سوالات | 255 |
| 16 | روافض (شیعہ) کا رد/ویڈیو لنکس دلائل | 259 |
| 17 | روافض (شیعہ) کے باطل عقائد | 266 |

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

## نذرِ عقیدت

اللہ کریم کے فضل و توفیق اور مصطفی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی نگاہ عنایت سے بندہ ناچیز اس کتاب کو نہایت ادب واحترام کے ساتھ اپنے دادامرشد کریم پیر طریقت رہبر شریعت خواجہ پیر سید محمد نوید الحسن شاہ جی قادری چشتی الگیلانی البغدادی سرکار اور اپنے مرشد کریم پیر طریقت رہبر شریعت خواجہ پیر محمد توقیر اقبال قادری حسنی نقشبندی سرکار (چیئر مین سنی نعت کونسل، گدپور شریف چونیاں) کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں جن کی نگاہ فیض نے بندہ ناچیز کو اس قابل کر دیا کہ دینی موضوع پر کتاب لکھنے کا شرف حاصل کیا۔اللہ رب العزت ان کے فیوض و برکات کو عام فرمائے۔آمین

اللہ کریم ہمارے سلسلہ عالیہ قادریہ حسنیہ کی ہر دم خیر فرمائے اور ہمارے باباجانی دادامرشد کریم سرکار خواجہ پیر سید محمد نوید الحسن شاہ جی قادری چشتی الگیلانی البغدادی سرکار اور میرے مرشد کریم خواجہ پیر محمد توقیر اقبال قادری حسنی نقشبندی سرکار، ان کی اولاد پاک اور آل پاک کو سدا سلامت رکھے، ان کا سایہ ہماری آنے والی نسلوں پر بھی رکھے۔آمین ثم آمین

اللہ رب العزت کا بے شمار مرتبہ شکر ادا کرتا ہوں، اللہ تعالی میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہر خاص و عام کو استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، مجھے دین حقہ پر ہمیشہ کے لیے قائم رکھے۔مزید دین متین اور مسلک حق اہل سنت و جماعت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اللہ کریم ہمارے پیارے آخری نبی حضرت محمد مصطفی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے صدقے سے ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔آمین

یاالٰہی بحقِ بنی فاطمہ

کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ

# 1

## 1۔رافضی یہودی مشابہت

رافضیوں کی اچھوتی باتیں جو کہ ان کی جہالت و گمراہی پر دلالت کرتی ہیں بہت زیادہ ہیں۔لیکن یہاں ہم رافضیوں کی یہودیوں سے مشابہت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ہمارا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اہل سنت و جماعت جو کہ رسول اللہ ﷺ کے آثار کی پیروی کرنے والے ہیں۔ان سے جتنے بھی فرقوں نے اختلاف کیا ہے رافضی ان سب سے دو قدم آگے جا رہے ہیں۔مثال کے طور پر:

یہودی نماز مغرب میں تاخیر کرتے ہیں یہاں تک کہ ستارے آپس میں مل جائیں۔رافضی بھی ایسے ہی نماز مغرب میں تاخیر کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"میری امت اس وقت تک اسلام پر رہے گی جب تک وہ نماز مغرب میں یہودیوں سے برابری کرتے ہوئے ستارے آپس میں ملنے تک تاخیر نہ کردیں۔"

رافضی باقی لوگوں سے دو روز پہلے روزہ رکھتے ہیں۔اور دو دن پہلے افطار کرتے ہیں۔اس میں ان اہل بدعت کی پیروی کرتے ہیں جو جوڑ کے دن کا روزہ رکھتے ہیں اور گنتی کے حساب سے روزے پورے کرتے ہیں۔

ان میں سے بعض روافض یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مچھلی [کی ایک خاص قسم مرماہی] کو حرام کہتے ہیں۔اور بعض دوسری پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام کہتے ہیں۔بعض مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں کافروں کی مدد کرتے ہیں۔اور کفار کو مسلمانوں کا قتل عام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

جن مائع چیزوں کو اہل سنت و جماعت کے ہاتھ لگ جائیں رافضی انہیں نجس سمجھتے ہیں۔یہ بالکل سامریوں کے دین کی جنس سے ہے۔سامری یہودیوں کے رافضی ہیں۔یہودیوں میں ان کا وہی مقام ہے جو مسلمانوں میں رافضیوں کا ہے۔رافضی کئی ایک امور میں سامریوں کے مشابہ ہیں۔

[مثال کے طور پر]:

سامری حضرت موسی علیہ السلام کے بعد حضرت ہارون اور حضرت یوشع کے علاوہ کسی نبی کو نہیں مانتے۔ایسے ہی رافضی بھی خلفاء اور صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی امامت یا فضیلت کے قائل نہیں۔

سامری ان مائع چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں انکے علاوہ کسی اور کے ہاتھ لگے ہوں۔رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔

سامری اپنے علاوہ کسی کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں کھاتے۔رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں یہ لوگ اہل کتاب کے ذبیحہ کو حرام کہتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ جمہور مسلمین کے ذبیحہ کو حرام کہتے ہیں اس لیے کہ جمہور مسلمین ان کے ہاں مرتد ہیں۔اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔

سامریوں میں بھی تکبر، رعونت، حماقت اور جھوٹے دعوے پائے جاتے ہیں۔حالانکہ وہ خود قلت اور ذلت کا شکار ہیں۔رافضیوں کا بھی یہی حال ہے۔

رافضی پانچ نمازوں کو تین بنا کر پڑھتے ہیں۔رافضی ہمیشہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے ہیں۔یہ یہودیوں کے دین سے مشابہت ہے جن کے ہاں صرف تین ہی نمازیں پائی جاتی ہیں۔

ان کے غالی عبادت گزار اپنے اصحاب پر چاشت، وتر اور قیام اللیل کو بھی واجب کرتے ہیں۔اس طرح ان کے ہاں روزانہ کی سات نمازیں ہو جاتی ہیں۔یہ عیسائیوں کا دین ہے۔

رافضی نماز باجماعت اور جمعہ کا اہتمام نہیں کرتے۔نہ ہی اپنے شیعہ کے پیچھے اور نہ ہی کسی دوسرے کے پیچھے کسی بھی طرح نماز باجماعت نہیں پڑھتے۔

رافضی نماز میں آمین نہیں کہتے۔یہ اصل میں یہودیوں کا دین ہے۔یہودی آمین کہنے پر اہل ایمان سے حسد کرتے ہیں۔

یہودی اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے۔بعض لوگوں نے بعض رافضیوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ

وہ اونٹ کے گوشت کو حرام کہتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہوئی تھیں۔یہ بھی ایک کھلا ہوا کفر ہے جو کہ اصل میں یہود کا دین ہے۔

یہودی تین طلاق کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے۔رافضی کے بہت سارے عوام بھی کہتے ہیں کہ عورت کی رضامندی کے بغیر طلاق نہیں ہوتی۔



رافضی کہتے ہیں امام منتظر پر ایمان لانا واجب ہے۔امام منتظر موجود ہے، مگر غائب ہے۔نہ ہی اس کی ذات کا کوئی پتہ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی نشانی پائی جاتی ہے اور نہ ہی حس اور خبر سے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکا۔ مگر ان کے ہاں امام منتظر پر ایمان لائے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا

رافضی کہتے ہیں دین کے چار اصول ہیں: توحید، عدل، نبوت اور امامت۔اور ان کے ہاں امامت کی انتہاء امام معصوم پر ہوتی ہے جو کہ آنکھوں سے غائب ہے۔ لیکن شہروں میں موجود ہے۔وہ دینار کو سمندر کی گہرائیوں سے نکال لائے گا۔یہ امام سن 260 ہجری میں سرداب سامرا میں چھپ گیا تھا۔اس وقت اس کی عمر دو سال یا تین سال یا پانچ سال تھی یا اس کے قریب قریب تھی۔پھر اس وقت سے لے کر اب تک اس کی کوئی خبر معلوم نہیں ہو سکی۔لوگوں کا دین اس کو تفویض کیا گیا ہے۔پس حلال وہی ہے جسے وہ امام حلال کہہ دے اور حرام وہی ہے جسے امام حرام کر دے اور دین وہی ہے جو اس امام کی مقرر کردہ شریعت ہو۔اس امام سے اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا۔

رافضی ان لوگوں کے نام پر نام رکھنا بھی ناپسند کرتے ہیں جن سے یہ بغض رکھتے ہوں

رافضی کوئی کام دس کی تعداد میں کرنے کو اور دس کی تعداد بولنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عشرہ مبشرہ کی تعداد دس ہے۔

جن لوگوں سے رافضی بغض رکھتے ہیں جیسے حضرت عمر و عائشہ ان سے تشفی اس طرح حاصل کرتے ہیں لال رنگ کی بھیڑ یا دُنبی کو پکڑ کر عذاب دیتے ہیں۔اور کہتے ہیں یہ عائشہ رضی اللہ عنہا

ہے۔اور ایسے ہی سانڈھ کو پکڑ کر مار پیٹ کرتے ہیں اور اسے عمر رضی اللہ عنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔



یہودی کہتے ہیں کہ بادشاہی صرف آل داؤ میں ہی ہو سکتی ہے۔اور رافضی کہتے ہیں کہ خلافت اور امامت صرف آل علی بن ابی طالب میں ہی ہو سکتی ہے۔

یہودی کہتے ہیں کہ جہاد اس وقت تک نہیں ہو گا جب تک مسیح منتظر نہ آجائے۔رافضی کہتے ہیں جہاد اس وقت تک نہیں ہو گا جب تک مہدی منتظر نہ آجائے اور آسمان سے اس کے اسباب نہ نازل ہو جائیں

یہودی عورتوں کی عدت کا نظریہ نہیں رکھتے۔رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔

یہودی ہر مسلمان کا خون بہانا حلال سمجھتے ہیں۔رافضی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

یہودیوں نے تورات میں تحریف کی۔رافضیوں نے قرآن میں تحریف کی۔

یہودی لوگ جبریل امین سے بغض رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ ملائکہ میں سے ہمارا دشمن ہے۔ ایسے ہی رافضہ بھی کہتے ہیں کہ جبریل امین نے غلط کیا وحی لے کر محمد ﷺ کے پاس چلا گیا اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

یہود و نصاری کو رافضیوں پر دو وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔یہودیوں سے پوچھا گیا تمہاری ملت کے سب سے بہترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھی۔اور عیسائیوں سے پوچھا گیا تمہاری ملت کے سب سے بہترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھی۔رافضیوں سے پوچھا گیا: تمہاری ملت کے سب سے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: حضرت محمد ﷺ کے ساتھی۔

یہودی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ہم پر ایک دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔رافضی بھی ایسے ہی کہتے ہیں۔

یہودی نماز فجر میں مٹی یا لکڑ کی بنی ہوئی ٹکیا پر سجدہ کرتے ہیں۔اور رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں

یہودی لوگوں کا مال حلال سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالی نے ہمیں ان کے بارے میں خبر دی ہے، فرمایا: یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں (ان پڑھوں) کے بارے میں ہم سے مواخذ نہیں ہو گا۔ (آل عمران؛75)۔ایسے رافضی بھی ہر مسلمان کا مال حلال سمجھتے ہیں۔

یہودی لوگوں کو دھوکہ دینا حلال سمجھتے ہیں۔ایسے ہی رافضی بھی کرتے ہیں۔

یہودی عورتوں کے مہر کا نظریہ نہیں رکھتے، بلکہ وہ اپنی عورتوں سے متعہ ہی کرتے ہیں۔رافضی بھی ایسے ہی متعہ کو حلال سمجھتے ہیں۔

یہودی باندیوں سے عزل کا عقیدہ نہیں رکھتے۔رافضی بھی ایسے ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

یہودیوں نے خرگوش کو اور ''تلی'' کو حرام قرار دیا۔رافضہ نے بھی ایسے ہی کیا۔

یہودی موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں سمجھتے۔رافضہ بھی ایسے ہی نظریہ رکھتے ہیں۔

یہود قبر میں لحد نہیں بناتے۔رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔جب کہ ہمارے نبی کریم سے ﷺ کے لیے لحد بنائی گئی تھی۔

یہودی اپنے مردوں کو قبر میں تازہ گیلی مٹی میں رکھتے ہیں، ایسے ہی رافضہ بھی کرتے ہیں۔

یہودیوں نے پاک دامن بی بی حضرت مریم رضی اللہ عنہما پر بہتان دھرا تھا جبکہ رافضی لوگ رسول اللہ ﷺ کی پاک دامن بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما پر بہتان دھرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان سے ایمان سلب کر لیا گیا۔

داڑھی کاٹنا یا منڈوانا اور مونچھیں بڑی بڑی رکھنا یہ یہودیوں اور انکے بھائیوں کا دین ہے۔رافضی بھی داڑھیاں کٹواتے، منڈواتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں۔

ان متشابہات میں سے ایک آپس میں سلام کا ترک کرنا ہے۔اگر وہ سلام کریں گے بھی تو سنت کے خلاف کریں گے۔

ان ہی مشابہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بیوی اور اس کی پھوپھی، بیوی اور اس کی خالہ کو اکٹھے نکاح میں رکھنا جائز سمجھتے ہیں۔اس میں بھی یہ لوگ یہودیوں سے مشابہ ہیں۔اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں سے اکھٹا نکاح جائز تھا۔



یہودی کہتے ہیں جو کوئی ان سے دشمنی رکھے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔(البقرہ:۱۱۱)

رافضی بھی کہتے ہیں کہ اہل سنت اور دیگر تمام مخالفین ابدالآباد کیلئے جہنم میں رہیں گے، چاہے وہ کتنے ہی عبادت گزار متقی اور پرہیز گار ہی کیوں نہ ہوں، ان کی عبادتیں اور اخروی محنتیں انہیں اللہ کے عذاب سے قیامت کے دن نجات نہ دلا سکیں گی، صدوق نے عقاب الاعمال میں صادق کا یہ قول نقل کیا ہے: ہمارا یعنی اہل بیت کا دشمن روزہ دار ہو، یا نمازی، زانی ہو یا چور، فکر نہ کرے وہ جہنمی ہے وہ جہنمی ہے۔

اسی طرح ایان بن تغلب کی ایک روایت اس کتاب میں مذکور ہے: ایان بن تغلب کہتا ہے کہ ابو عبداللہ نے کہا، ہر ناصبی (یعنی سنی) چاہے وہ کتنی عبادت و ریاضت کرلے اس کا انجام اس آیت کے مطابق ہوگا، مصیبت جھیلتے ہوں گے خستہ ہوں گے، جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ (ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، للصدوق:247)

کتاب المحاسن میں علی الخذمی کی یہ روایت مذکور ہے: علی القدمی کا بیان ہے کہ ابو عبداللہ نے کہا: پڑوسی اپنے پڑوسی کے حق میں اور مخلص دوست اپنے گہرے دوست کے حق میں سفارش کرینگے (ان کی سفارش کو قبول بھی کر لیا جائے گا مگر ناصبی (یعنی سنی) کے حق میں سفارش کو قبول نہیں کیا جائے گا، چاہے مقرب فرشتے اور انبیاء و مرسلین بھی ان کے لئے سفارش پیش کرنے والے ہوں۔(کتاب المحاسن:184)

ان متاشبہات میں سے ایک حیوانی مجسمے بنانا ہے۔ جیسے یہودی اور عیسائی کرتے ہیں۔ حالانکہ ذی روح چیزوں کی تصاویر بنانے پر بہت سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ بخاری شریف اور دوسری کتابوں میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تصویریں بنانے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالی مصور کو قیامت کے دن حکم دیں گے کہ اپنی تخلیق کردہ تصویر میں روح پھونکے، اور وہ ہر گز روح نہیں پھونک سکے گا۔ (بخاری شریف)

ان مشابہات میں سے ایک یہ ہے کہ یہود تورات کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔ ایسے رافضی بھی اپنے ہاتھوں سے جھوٹ لکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ پر اور اہل بیت پر جھوٹ بولتے ہیں۔

شیعہ اللہ تعالی کے متعلق بداء کا کہتے ہیں اور یہودی بھی ایسے ہی کہتے ہیں۔

یہود اپنے علماء اور درویشوں کی شان میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ عبادت کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ انہیں الہ معبود بنالیتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے؛ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنالیا۔ (التوبہ؛ 31)

ایسے ہی رافضی بھی اپنے آئمہ کی شان میں غلو کرتے ہوئے انہیں معبود بنالیتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ان کی اتنی تقدیس کرتے ہیں کہ انہیں بشریت اور مخلوق کے مرتبہ سے اوپر کا مقام دیتے ہیں۔

ایک مشابہت یہ ہے کہ یہود تقیہ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حق بات کو چھپاتے اور باطل کی موافقت کرتے ہیں۔ رافضی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور اس میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ اور تقیہ کے بارے میں ان کے ہاں عجیب وغریب قسم کی روایات ہیں۔

یہودیوں اور شیعوں کی مشابہت والے چند عقائد کو تفصیل سے بطورِ نمونہ بیان کرتا ہوں تاکہ ہر عام وخاص کے سامنے ساری حقیقت واضح ہو جائے۔

## یہودیوں کاعقیدہ تکفیر:

یہودی اپنے علاوہ دوسرے تمام لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ ایماندار صرف وہی ہیں، ان کے علاوہ باقی تمام لوگ مشرک، بت پرست اور اللہ تعالی کی معرفت سے کلی طور پر محروم ہیں، ان کی کتاب (تلمور) میں لکھا ہے: تمام غیر یہودی اقوام بت پرست ہیں، یہ عقیدہ حاخاموں کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔(تلمود:100)

مسیح جادو گر اور بت پرست تھا۔(تلمود:99)

جنت یہودیوں کا ٹھکانا ہے کہ جنت میں صرف یہودی ہی داخل ہوں گے۔ جو ہے جہنم، تو یہ کافروں یعنی مسیحیوں اور مسلمانوں کا ٹھکانہ ہے۔اس تاریک اور بدبودار مقام میں ان کے لیے رونے کے علاوہ اور کچھ مقدر نہ ہو گا۔(تلمود:67)

## شیعوں کاعقیدہ تکفیر:

شیعوں کی اہم ترین اور انتہائی معتمد کتابوں کے اندر ایسی روایات کثرت سے وارد ہوئی ہیں جن میں ان کا اپنے علاوہ دیگر مسلمان فرقوں کی تکفیر کا عقیدہ پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

برقی نے ابو عبداللہ (جہاں بھی ابو عبداللہ کا نام وارد ہوا ہے اس سے شیعہ جناب جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو مراد لیتے ہیں) سے درج ذیل روایت نقل کی ہے:

ابو عبداللہ نے فرمایا: ہمارے اور ہمارے شیعوں کے علاوہ کوئی بھی ملت ابراہیمی پر قائم نہیں ہے باقی تمام لوگ اس سے لاتعلق ہیں۔(کتاب المحاسن:148)

اسی طرح کلینی نے (الکافی) کی الروضہ میں روایت درج کی ہے۔ علی بن الحسین کہتے ہیں کہ ہم اہل بیت اور ہمارے شیعوں کے علاوہ کوئی بھی فطرت اسلام پر نہیں ہے، باقی تمام لوگ اس سے محروم ہیں(الکافی/الروضہ:145/8)

جی ہاں! شیعہ صرف اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں، اپنے علاوہ باقی تمام اسلامی فرقوں کو کافر قرار دیتے ہیں، اس سلسلے میں یہ لوگ اہل بیت کی طرف جھوٹی روایات اور من گھڑت اقوال منسوب کرتے ہیں جن سے یہ عالی قدر لوگ قطعی طور پر بری الذمہ ہیں۔ شیعہ جب اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کی تکفیر کا عقیدہ رکھتے ہیں، تو یہ ان کے ساتھ سلوک اور برتاؤ بھی کفار اور مشرکین والا ہی کرتے ہیں۔



شیعوں کے نزدیک مسلمانوں، خاص طور پر اہل سنت کے مال وجان مباح ہیں، ان کی معتمد کتابوں کے اندر ایسی روایات موجود ہیں جن میں اہل سنت کو قتل کرنے اور ان کے مال ومتاع کو چھین لینے کی کھلی تلقین اور ترغیب دی گئی ہے۔ ان کے امام مجلسی نے اپنی کتاب (بحار الانوار) میں اپنی سند کے ساتھ ابن فرقد کی روایت نقل کی ہے۔ ابن فرقد کا بیان ہے کہتا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے ناصبی کے قتل کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ناصبی کا خون حلال ہے مگر سخت احتیاط کی ضرورت ہے لہذا اگر ہو سکے تو ایسے انداز سے اس پر دیوار کو گرادے یا اسے پانی میں ڈبودے کہ تیرے اس فعل پر اس کی نگاہ نہ پڑے کہیں وہ تیرے خلاف گواہی نہ دے ڈالے اب ممکن ہو سکے تو اسے ضرور قتل کردے۔ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ شیعہ اہل سنت کی جانوں اور ان کے مال واسباب کو بالکل اپنے یہودی آقاؤں کی طرح اپنے لئے مباح قرار دیتے ہیں، دور حاضر کے شیعوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جیسا کہ عصر حاضر کے شیعی امام اور ان کے الحجتہ العظمی، آیت اللہ الخمینی نے اپنی کتاب (تحریر الوسیلہ) میں خمس کے بیان کے تحت لکھا ہے۔

راجح بات یہ ہے کہ ناصبی (یعنی سنی) کو مال غنیمت اور اس سے خمس کے مسئلہ میں اہل حرب کافروں کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔ بلکہ ناصبی کے مال کو جہاں بھی ملے اور جس بھی طریقہ سے ممکن ہو سکے چھین لیا جائے اور اس سے خمس کو نکالا جائے۔

مذکورہ بالا قول میں خمینی نے اپنے پیروکاروں کو اہل سنت کے مال ومتاع کو جہاں بھی ملے اور جیسے

بھی ممکن ہو سکے چھین لینے کی اباحت کا فتوی دیا ہے، اہل سنت کے متعلق خمینی کے اس کھلے اور واضح موقف پر اس کے معاصر علماء میں سے کسی نے بھی رد نہیں کیا، اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس موقف پر خمینی کے تمام معاصر شیعی علماء کا اتفاق ہے۔ اسی طرح شیعی علماء اپنے یہودی آقاؤں کی طرح اپنے مخالفین سے سودی لین دین کو مباح سمجھتے ہیں، جیسا کہ ان کی معتمد کتابوں (کافی، من لا یحضرہ الفقیہ اور الاستبصار) میں رسول کریم ﷺ کی طرف یہ جھوٹی من گھڑت اور خود ساختہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ آپ کا ارشاد ہے: ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے مابین سود ممنوع نہیں ہے، ہم ان سے ایک درہم کے عوض ہزار درہم وصول کر سکتے ہیں، تاہم ہمیں ان سے سود لینے کی اجازت ہے، انہیں دینے کی نہیں۔

ایسا ایک قول کتاب (من لا یحضرہ الفقیہ) میں صادق سے مروی ہے: مسلمان اور ذمی کے مابین سود ممنوع نہیں ہے، اسی طرح خاوند اور بیوی کے درمیان بھی سود کی ممانعت نہیں ہے۔

## یہودیوں کا عقیدہ وصی:

یہودی اس بات کے قائل ہیں کہ نبی موسی علیہ السلام کے بعد لازما ایک وصی ہونا چاہئے جو ان کا قائم مقام بن کر ان کے بعد لوگوں کی رہنمائی کرے، اس بارے میں تورات اور یہودیوں کی دیگر کتابوں میں متعدد نصوص موجود ہیں، جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان سے مطالبہ کیا تھا کہ یوشع بن نون کو اپنا وصی مقرر کر دیں تا کہ تمہارے بعد وہ بنو اسرائیل کی رہنمائی کرتے رہیں، جس کے الفاظ کا یہ ترجمہ ہے:

رب تعالی نے موسی علیہ السلام سے کہا! یوشع بن نون ایسے آدمی ہیں جن میں روح ہے، انہیں ساتھ لو اور ان پر ہاتھ رکھو اور انہیں عازر کاہن اور بنو اسرائیل کی جماعت کے سامنے کھڑا کر و اور ان کے سامنے انہیں وصیت کرو تو موسی علیہ السلام نے اس طرح کیا تھا جس طرح ان کے رب نے حکم دیا تھا، یوشع کو ساتھ لیا ان کے سامنے کھڑا کیا اور جسطرح رب نے کلام کیا تھا، یوشع پر

ہاتھ رکھا اور انہیں وصیت کی۔(سفر الاصحاح: 27)

چند وجوہ کی بناءپر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ یوشع حضرت موسی علیہ السلام کے بعد وصی (جسے وصیت کی گئی ہو) مقرر کئے گئے تھے۔ یہ کہنا کہ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اپنی موت سے پہلے وصیت کر جائیں۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے وصی مقرر کرنے کا اختیار نہ تو موسی علیہ السلام پر چھوڑا ہے، نہ ہی بنو اسرائیل پر، بلکہ خود واضح حکم دیا ہے اور جسے وصی مقرر کیا ہے بقول ان کے وہ یوشع علیہ السلام ہیں۔

یہودیوں کے ان بیانات سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ یہودیوں کا منظر یہ ہے کہ:

(1)وصی کا تعین کرنا واجب ہے۔

(2)اللہ تعالی بذات خود وصی مقرر کرتا ہے۔

(3)یہودیوں کے نزدیک وصی کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ نبی کے مرتبہ کے برابر ہے۔

(4)وصی کی طرف وحی اس طرح ممکن ہے جسطرح نبی کی طرف ممکن ہے۔

## شیعوں کا عقیدہ وصی:

عقیدہ وصیت کے بارے میں بات کرنے سے پہلے، ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ شیعوں کے نزدیک امامت کا کیا رتبہ ہے؟ شیعوں کے نزدیک امامت ایک بڑا رابطہ ہے ان کے نزدیک امامت ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے جو امامت نہیں مانتا اس کا ایمان ہی ناقص ہے۔

(اصول کافی) میں حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور ولایت پر اور کسی بھی چیز پر اتنا زور دار انداز نہیں اپنایا گیا جتنا ولایت وامامت پر اختیار کیا گیا ہے۔(اصول کافی: 18/2)

اس سے بڑھ کر یہاں تک شیعہ کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی تمام ارکان اسلام ادا کرتا ہے مگر ولایت وامامت کا حق ادا نہیں کرتا تو نہ تو اس کا کوئی عمل قبول ہوتا ہے۔ نہ اسے عذاب الہی سے نجات ملے

گی اور شیعہ اس بارے میں یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ امامت بغیر روئے زمین باقی نہیں رہ سکتی اگر دنیا ایک گھڑی بھی بغیر امام کے گزارے گی تو زمین میں پھنس جائے گی۔ صفار نے با قاعدہ باب باندھا ہے اور اس کے تحت روایات بیان کی ہیں۔ ایک روایت حضرت ابو جعفر رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتا ہے: اگر زمین سے امام کو ایک گھڑی کے لیے اٹھا دیا جائے تو یہ اس طرح اپنے باسیوں کو لے کر دھنس جائے گی جس طرح سمندر کی موجیں چیزوں کو لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ (بصائر الدرجات: 558)



**شیعہ کا عقیدہ وصیت: درج ذیل نکات میں بیان ہوتا ہے:**

ان کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وصی ہیں۔ اللہ نے انہیں وصی کے طور پر پسند کیا ہے۔ انہیں نبی کریم ﷺ نے اس منصب پر نہیں بٹھایا بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے بن کر آئے ہیں۔ صفار نے ابو عبد اللہ سے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو 120 مرتبہ آسمان پر لے جایا گیا جب بھی اوپر لے جایا گیا تو اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کو یہ وصیت کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد ائمہ کی ولایت ہے۔ یہ حکم دیگر فرائض سے بڑھ کر دیا۔ (بصائر الدرجات)

شیعہ امامیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی، ان کا شیخ مفید لکھتا ہے کہ عمران بن اعین نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ سے کہا: اس بات کا مجھے پتہ چلا ہے کہ رب تبارک و تعالی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی میں بات کی تھی، انہوں نے کہا: ہاں! اللہ تعالی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان طائف میں سرگوشی ہوئی تھی، درمیان میں جبریل علیہ السلام اترے تھے۔ (کتاب الاختصاص: 328)

اور یہ بات انہوں نے خود نبی اکرم ﷺ سے بیان کی ہے کہ طائف عقبہ کے دن تبوک اور خیبر کے دن اللہ تعالی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی۔ (کتاب الاختصاص: 328)

یہ کتنا بڑا جھوٹ اور بہتان ہے نبی ﷺ پر۔

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ جو وصی ہوتا ہے اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ صفار لکھتا ہے: سماعہ بن مہران کہتا ہے: میں نے ابو عبداللہ سے سنا: وہ کہتے ہیں روح، یعنی وحی ایک ایسی مخلوق ہے جو جبریل اور میکائیل علیہ السلام سے بڑی ہے یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی جو آپ ﷺ کو درست رکھتی تھی اور رہنمائی کرتی تھی اور آپ ﷺ کے بعد یہ وصی کے ساتھ رہتی ہے۔

(کتاب بصائر الدرجات: 476)

محمد باقر مجلسی بیان کرتا ہے کہ ابو عبداللہ نے کہا: ہم میں سے بعض ایسے ہیں جن کے کان میں بات کی جاتی ہے اور بعض ایسے ہیں جو اپنے خواب میں دیکھتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اس طرح کی آواز سنتے ہیں جس طرح زنجیر کو جب تالا پر پھینکا جائے تو آواز سنی جاتی ہے۔

(بحار الانوار: 26/55)

یعنی جس طرح فرشتے آنے پر نبی ﷺ سنتے تھے۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ائمہ، رسول اکرم ﷺ کے مرتبہ کے برابر ہیں۔ محمد بن مسلم کہتا ہے، میں نے ابو عبداللہ سے سنا: ائمہ رسول اکرم ﷺ کے مرتبہ پر ہیں مگر وہ انبیاء نہیں اور جس طرح نبی اکرم ﷺ کے لیے عورتیں حلال تھیں۔ ان کے لیے اس طرح حلال نہیں اس کے علاوہ ہر چیز میں رسول اکرم ﷺ جیسا رتبہ رکھتے ہیں۔ (کتاب الکافی: 275/1)

## یہودیوں کے نزدیک مسیح کا ظہور:

یہودی منتظر ہیں کہ آل داود علیہ السلام سے ایک آدمی نمودار ہو گا جو دنیا پر حکمرانی کرے گا اور یہود کا عزو شرف دوبارہ بحال کرے گا۔ تمام قبائل کو غلام بنائے گا اور انہیں یہودیوں کی خدمت پر معمور کرے گا۔ ان کے بقول یہ آدمی جو آنے والا ہے یہ آخر زمانہ میں آئے گا اور اس کا نام مسیح منتظر ہے، تلمود میں ہے کہ مسیح ملک کی باگ ڈور دوبارہ بنی اسرائیل کے ہاتھ میں دیگا، قبیلے اس کی

خدمت گاری کریں گے، بادشاہ اس کے سامنے سر نگوں ہوں گے اس وقت ہر یہودی 2800 غلاموں کا مالک ہو گا اور 310 بہادر اس کی امارت کے تحت کھڑے ہوں گے۔

## شیعہ کا عقیدہ منتظر مہدی کے بارے میں:

اثنا عشری شیعوں کا سب سے اہم عقیدہ ہے جس سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں مہدی منتظر کا عقیدہ ہے۔ مہدی منتظر سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس کا نام محمد بن حسن عسکری ہے۔ یہ ان کے بارہویں امام ہیں۔ اسے حجت کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اسے قائم بھی کہتے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق یہ 255ھ میں پیدا ہوئے اور 'سُر' کے غار میں چھپ گئے ہیں، یہ 265ھ میں اس غار میں چھپے تھے۔ یہ لوگ ان کے نمودار ہونے کے منتظر ہیں کہ آخر زمانہ میں آئیں گے اور دشمنوں سے انتقام لیں گے، شیعہ کی حمایت کریں گے۔ یہی وجہ ہے یہ اس وقت سے لے کر آج تک ''سُر'' غار کی زیارت کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں "کہ اب نکل آؤ"

مجلسی لکھتا ہے کہ ابوالحسن کے ایک مولی نے بیان کیا ہے میں نے ابوالحسن علیہ السلام سے سوال کیا، کہ قرآن پاک میں آتا ہے "تم جہاں بھی ہو گے اللہ تمہیں اکٹھا کرے گا" اس کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہمارا قائم، یعنی مہدی منتظر آئے گا تو تمام شیعہ کو اللہ تعالیٰ اس کے پاس جمع کر دے گا ہر شہر اور علاقہ سے یہ جمع ہو جائیں گے۔

(بحار الانوار: 291/25)

یہی عقیدہ یہودیوں کا ہے کہ تمام یہودی مسیح منتظر کے پاس جمع ہو جائیں گے، یہی عقیدہ شیعہ ہے کہ ہر گوشہ زمین کا شیعہ مکمل طور پر قائم مہدی منتظر کے پاس جمع ہوں گے۔ مجلسی کہتا ہے:

ابوعبداللہ نے کہا: جب ''قائم'' یعنی منتظر مہدی نمودار ہو گا تو پھر عرب اور قریش اور اس کے درمیان تلوار چلتی ہی رہے گی۔ (بحار الانوار: 355/52)

ابوجعفر سے روایت ہے کہ اگر لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ یہ قائم کیا کارنامے سرانجام

دے گا تو ان میں سے اکثر کی یہ تمنا ہو کہ اس سے نہ ہی واسطہ پڑے، یہ لوگوں کو قتل کرے گا اور اس قتل عام کا آغاز وہ قریش سے کرے گا اور لینا دینا صرف تلوار ہو گی، تو یہ دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مہدی آل محمد سے ہے اگر یہ آل محمد سے ہوتا تو اتنی بے دردی کا مظاہرہ نہ کرتا۔(بحار الانوار:254/52)



اس مہدی سے فوت شدگان بھی نہیں بچ سکیں گے انہیں قبروں سے نکال نکال کر ان کی گردنیں اڑا دے گا، جیسا کہ شیخ مفید اور مجلسی نے بیان کیا ہے کہ ابو عبداللہ کہتے ہیں: جب یہ مہدی منتظر آئے گا، 500 قریش کے آدمیوں کو (قبروں) سے نکالے گا ان کی گردنیں اڑائے گا اسی طرح چھ مرتبہ کرے گا۔(ارشاد: 364، بحار الانوار:338/52)

یہ شیعوں کا مہدی دنیا کے دو تہائی حصہ کو مار ڈالے گا، ایسا ہی یہودیوں کا مسیح کرے گا صرف تیسرا حصہ دنیا کا باقی رہے گا۔احسائی بیان کرتا ہے کہ ابو عبداللہ نے بیان کیا ہے: مہدی کا کام تب پورا ہو گا جب وہ لوگوں کا دو تہائی حصہ دنیا سے ملیا میٹ کر دے گا۔کسی نے پوچھا: پھر باقی کیا رہے گا؟ کہا: وہ تہائی حصہ تم ہو گے جو باقی بچیں گے اب تم خوش ہو۔(کتاب الرجعتہ: 51)

میں نے جعفر بن محمد صادق سے مہدی منتظر کے حالات کے متعلق چند سوال کیے، میں نے پوچھا: آقا یہ بتائیں، مہدی منتظر کعبہ سے کیسا سلوک کرے گا؟ انہوں نے کہا: وہ کعبہ پہلا گھر ہے مکہ میں آدم علیہ السلام کے عہد میں جس کی بنیاد رکھی گئی تھی اور اس کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسے انہی بنیادوں سے اٹھایا تھا۔اس کی صرف بنیادیں باقی چھوڑے گا دوسرا سارا گرا دے گا۔(کتاب الرجعتہ:184)

امام مفید کہتا ہے: ابو جعفر نے کہا: جب شیعوں کا مہدی منتظر اٹھے گا تو کوفہ جائے گا وہاں چار مساجد کا انہدام کرے گا اور روئے زمین پر کوئی بھی بلند مسجد ہو گی تو اسے گرا دے گا اور سب برابر کر دے گا۔(الارشاد: 365)

اور شیعوں کے اس مہدی منتظر کے لیے پانی اور دودھ کے دو چشمے پھوٹیں گے اور یہ مہدی اپنے ساتھ حضرت موسی علیہ السلام والا پتھر اٹھائے ہو گا جس سے ب 12 چشمے نکلیں گے اور جب بھی کھانا پینا ہو گا اسے گاڑ لیں گے اور کھانے پینے کی چیزیں حاصل کر لیں گے کیونکہ مہدی اپنے شیعوں سے کہہ دے گا کوئی شخص اپنے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر نہ جائے، نہر کوفہ کی طرف جانے والا جس منزل پر رکے گا اس پتھر سے 12 چشمیں جاری ہو جائیں گے جو پیاسا ہو گا وہ سیراب ہو جائے گا جو بھوکا ہو گا وہ سیر ہو جائے گا۔ اور جب "نجف مقدس" میں پہنچیں گے تو وہاں پانی اور دودھ کے ہمیشہ بہنے والے چشمے پھوٹ پڑیں گے۔ (بحار الانوار: 335/52)

کلینی لکھتا ہے: ہمارا "قائم" مہدی منتظر جب ظاہر ہو گا تو اللہ عزوجل ہمارے شیعوں کے کانوں اور آنکھوں میں بڑی طاقت پیدا کر دیں گے، اس مہدی اور شیعہ کے درمیان ایک برید، یعنی چار میل کا فاصلہ ہو گا تو ہمارا شیعہ امام کو دیکھ بھی رہا ہو گا اور اس کی بات سن بھی رہا ہو گا۔ (الکافی: 241/8)

## یہودیوں کا ائمہ اور علماء کے بارے میں نظریہ؛

یہودیوں کا اپنے علماء کے بارے میں جو غلو ہے، ان کی کتابوں سے صراحت کے ساتھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لکھا ہے: اے بیٹو! علمائے یہود کی باتوں کی طرف توجہ دو، اس سے بھی بڑھ کر ان پر توجہ دو جو موسی علیہ السلام کی شریعت پر توجہ دیتے ہو۔ (تلمود: 45)

ثابت ہوا ان کے نزدیک علمائے یہود کی بات تورات سے بھی افضل ہے، حالانکہ تورات اللہ نے نازل کی ہے اور تلمود ان کی خود ساختہ کتاب ہے۔ تلمود ہی میں دوسری جگہ ہے کہ علمائے یہود کے اقوال انبیاء کرام عالم کے اقوال سے افضل ہیں بلکہ انبیائے کرام ان کے اقوال سے بھی زیادہ معتبر ہیں تلمود ہی میں ہے کہ جو ہمارے ان علماء کے اقوال سے تکرار کرتا ہے گویا کہ وہ الٰہی عزت کے خلاف تکرار کرتا ہے۔ بلکہ ان کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالی (نعوذ باللہ) ہمارے علماء سے مشورہ

کرتا ہے۔اور تلمود میں ہے کہ اللہ تعالی جب کوئی زمین پر مشکل پیدا ہوتی ہے جس کا آسان پر حل نہیں ہوتا تو علمائے یہود سے مشورہ لیتا ہے۔ نیز یہودیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ علمائے یہود معصوم عن الخطا ہیں۔



## شیعوں کا ائمہ اور علماء کے بارے میں نظریہ؛

اثنا عشری شیعہ بھی اپنے اماموں کے بارے میں غلو میں انتہا کر دیتے ہیں۔انہیں انسان سے اعلی صفات سے متصف کرتے ہیں اللہ سبحانہ و تعالی والی صفات ان میں بیان کرتے ہیں۔ یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کے امام غیب دان ہیں۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز ان پر خفی نہیں۔ جو ہو چکا ہے وہ بھی اور جو قیامت تک ہونے والا ہے وہ بھی جانتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) اللہ اس کفر سے بچائے۔

مجلسی لکھتا ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے کہا:

واللہ ! ہمیں پہلوں اور پچھلوں کا علم دیا گیا ہے۔(بحار الانوار: 26/27)

ایک آدمی نے سوال کیا: حضرت میں قربان جاؤں۔آپ کے پاس علم غیب ہے ؟ جواب دیا: افسوس ! تم یہ بات کرتے ہو، ہم مردوں کے نطفے اور عورتوں کے رحموں کا بھی علم رکھتے ہیں، آنکھیں کھول کر دیکھ لو اور دل کے دریچے کھول کر یہ بات محفوظ کر لو کہ ہم اللہ کی مخلوق پر حجت ہیں۔

عبداللہ بن بشر کے حوالہ سے مجلسی اور کلینی لکھتا ہے کہ ابو عبداللہ نے کہا: میں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ جنت اور دوزخ میں ہے اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے میں سب جانتا ہوں۔ نعوذ باللہ (الکافی: 1/261، بحار الانوار: 28/26)

ائمہ کے بارے میں شیعوں کا یہ غلو بھی ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ معصوم ہیں اس بات پر تمام شیعوں کا اجماع ہے۔ شیخ مفید شیعہ لکھتا ہے کہ ائمہ کرام، احکام کے نفاذ میں اور حدود قائم کرنے میں انبیاء کرام کے قائم مقام ہیں۔ شریعتوں کی حفاظت میں اور مخلوق کو ادب سکھانے میں یہ ائمہ

انبیاء کی مانند معصوم ہیں۔(اوائل المقالات: 71)

ان کے دور حاضر کا عظیم امام آیت اللہ خمینی کا خیال ہے کہ ائمہ شیعہ اتنے زیادہ معصوم ہیں کہ مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی ان کے پائے کے نہیں۔ وہ کہتا ہے: ہمارے امام مقام محمود پر فائز ہیں۔ ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ ان کی خلافت پوری کائنات پر ہے، کائنات کا ہر ذرہ اس کی زیر ولایت ہے۔ مزید کہتا ہے کہ یہ چیز ہمارے مذہب کا لازمہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ہمارے امام ایسے بلند مقام پر فائز ہیں کہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ ہی کوئی مرسل نبی ان تک پہنچ سکتا ہے۔(حکومت اسلامی: 52)

## یہودیوں کی انبیاء پر تنقید:

انبیائے کرام علیہ السلام پر تنقید کرنا اور ان کی تنقیص کرنا یہودیوں کی نمایاں نشانی ہے۔ جو یہودیوں کی کتابوں کو پڑھے گا وہ ان میں پائے گا کہ یہودیوں نے انبیائے کرام علیہ السلام کی ذوات گرامی پر طعن و تشنیع کی ہے۔ یہیں تک ہی معاملہ بس نہیں نہایت ہی بدترین جرائم کی ان پاکیزہ ہستیوں پر الزام تراشی کی ہے حالانکہ یہ عظیم لوگ ان الزامات سے بالکل بری ہیں۔ انہی تہمتوں میں سے ایک بدترین اور ظالمانہ تہمت یہ ہے کہ یہ یہودی حضرت لوط علیہ السلام پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی دو بیٹیوں سے برائی کی تھی۔ نعوذ باللہ (سفر تکوین صحاح: 19)

حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ پر ہر جرم کا الزام لگا دیا ہے اور ان کی افتراء پردازیوں اور جرائم کیشیوں میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام زنا سے پیدا ہوئے تھے (نعوذ باللہ)۔ بلکہ یہودیوں کو یہاں تک جرات ہوئی ہے کہ انہوں نے تمام انبیائے کرام پر ہر نجاست کی تہمت لگائی ہے۔ ان کا کہنا ہے، رب کہتا ہے: تمام انبیاء اور کاہنوں نے نجاست اختیار کی ہے بلکہ ان کی شر میرے گھر میں پائی گئی ہے۔(سفر ار میا صحاح: 23)

## شیعوں کا صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تنقید کرنا:

محمد بن باقر مجلسی لکھتا ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم چار بتوں، یعنی ابو بکر، عمر، عثمان، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور چار عورتوں، عائشہ، حفصہ، ہند اور ام حکم رضی اللہ عنہما سے اور ان کے تمام پیروکاروں اور گروہوں سے اعلان بیزاری کریں یہ تمام روئے زمین میں سے ساری مخلوق سے برے ہیں، ان سے بیزاری اختیار کیے بغیر نہ تو اللہ تعالی پر اور نہ اس کے رسول پر اور نہ ہی ائمہ پر ایمان پورا ہوتا ہے۔ (حق الیقین: 519)

شیعوں کا امام عیاشی اپنے دل میں چھپے بغض کے بادل یوں چھوڑتا ہے، جعفر بن محمد سے بیان کرتا ہے: جہنم کو جب لایا جائے گا اس کے 7 دروازے ہوں گے۔ پہلا دروازہ ظالم زریق، یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ہو گا اور دوسرا دروازہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے ہو گا اور تیسرا دروازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اور چوتھا دروازہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ہو گا اور پانچواں دروازہ عبد الملک کے لیے ہو گا اور چھٹا دروازہ عسکر بن ہوسر کے لیے ہو گا اور ساتواں دروازہ ابو سلامہ کے لیے ہو گا۔ (تفسیر عیاشی: 243/2)

صدوق ابی جارود سے بیان کرتا ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے کہا: مجھے بتاؤ! دوزخ میں سب سے پہلے کون داخل ہو گا؟ کہا: ابلیس، اور ایک آدمی اس کی دائیں جانب والا اور ایک آدمی اس کی بائیں جانب والا، ان سے مراد ابو بکر و عمر ہیں۔ (کتاب ثواب الاعمال: 255)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پر اور امہات المومنین رضی اللہ عنہما پر طعن و تشنیع کے یہ چند نمونے ہم نے بیان کیے ہیں، و گرنہ اس امت کے بہترین افراد صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف ان کی زبان درازی اور ان کے بغض اور دلی کینہ کی بھڑاس سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں جس میں یہ اپنے اماموں کی زبان کو ذریعہ بنا کر ان نیک ہستیوں کی توہین کرتے ہیں۔

## یہودیوں کا خود کو پاکیزہ قرار دینا:

یہودیوں کا یہ دعوی ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں دوسرے سب لوگوں سے زیادہ پسند کیا ہے اور برتری دی ہے زمین میں جتنے بھی قبائل ہیں ان میں سے ممتاز قبیلہ یہود کو ہی قرار دیا ہے۔ انکی کتاب میں اس پسندیدگی کی وجہ بیان ہوئی ہے۔

چونکہ یہودیوں کا قبیلہ اپنے رب کے ہاں جو کہ تیرا اللہ ہے مقدس ہے۔(سفر التثنیہ)

دوسری کتاب میں ہے: یہودیوں کی ارواح باقی لوگوں کی ارواح سے ممتاز حیثیت رکھتی ہیں، کیونکہ یہ اللہ کا اس طرح جزء ہیں جس طرح بیٹا اپنے باپ کا جزو ہوتا ہے۔(التلمود)

اگر اللہ تعالی یہودیوں کو پیدا نہ کرتے تو زمین سے برکت اٹھ جاتی اور نہ آفتاب کا وجود ہوتا نہ ہی بارشوں کا سلسلہ ہوتا۔(تلمود)

## شیعوں کا خود کو پاکیزہ قرار دینا:

جو آپ یہودیوں کے نظریات اپنی خود ستائی پڑھ چکے ہیں یہی چیز شیعوں میں موجود ملتی ہے یہ اپنی پاکیزگی کا دعوی کرتے ہیں کہ یہ بھی اس زمین پر اللہ کے خاص بندے اور منتخب افراد ہیں، اللہ تعالی نے انہیں ممتاز بنایا ہے دیگر لوگوں پر انہیں زیادہ خوبیوں سے نوازا ہے، اور یہ امتیازات شروع سے اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں، یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان کی روحیں اپنے نور عظمت سے پیدا کی ہیں اور یہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہونگے، ان کی تخلیق کا خمیر جس مٹی سے بنایا گیا ہے وہ دوسرے انسانوں کی مٹی سے منفرد تھی جو کہ اللہ کے نور اور عرش کے نیچے والی مٹی سے یہ پیدا ہوئے ہیں۔

ایک شیعہ ابو عبداللہ کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ: اللہ تعالی نے ہمارے شیعوں کو اپنے نور سے تیار کیا ہے اور انہیں اپنی رحمت کے رنگ سے رنگا ہے۔(بصائر الدرجات: 70)

کلینی لکھتا ہے: اللہ تعالی نے ہمیں اپنے نور عظمت سے پیدا کیا ہے ہم اس مٹی سے پیدا ہوئے ہیں

جسے عرش کے نیچے خزانہ سے لیا گیا ہے۔ (الکافی: 389/1)
ان کا امام مفید لکھتا ہے کہ امام صادق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ہمیں اپنے نور عظمت سے بنایا اور اپنی رحمت سے تیار کیا اور تمہیں پھر آگے شیعوں کے اماموں سے پیدا کیا۔ (الاختصاص: 216)
شیعوں کا امام عیاشی کہتا ہے کہ عبد الرحمن بن کثیر نے بیان کیا کہ ابو عبد اللہ نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! ہمارے شیعہ کے گناہوں اور خطاؤں کو لکھا نہیں جاتا یہ اللہ کے وہ چنے ہوئے لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنے دین کے لئے پسند کر لیا ہے۔ (تفسیر عیاشی: 105/2)
طوسی نے اپنی کتاب (امالی) میں جعفر بن محمد علی سے بھی ایسے ہی تاثرات بیان کئے ہیں، گناہوں کے متعلق شیعوں کا یہ نظریہ ہے کہ ان کے گناہ کتنے ہی بڑے ہوں اور کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ کے فرشتے انہیں مٹا دیتے ہیں، یہ بات امالی کتاب میں ان کے امام نے لکھی ہے۔ اور ایسا ہی بہتان (بحار الانوار) میں مجلسی نے نبی اکرم ﷺ پر لگایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے علی رضی اللہ عنہ تمہارے شیعہ بخش دیئے گئے ہیں خواہ ان میں کتنے ہی زیادہ گناہ اور عیب ہوں، بلکہ شیعہ کا یہ خیال بھی ہے کہ آگ انہیں نہ تو دنیا میں جلائے گی نہ ہی آخرت میں جلائے گی، اگرچہ یہ کتنے ہی قبیح اور کبیرہ گناہ کریں آگ انہیں کچھ نہ کہے گی۔
(عیون معجزات) کا مؤلف لکھتا ہے: ایک شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں چاہتا ہوں دنیا سے جانے سے پہلے پاکیزہ ہو جاؤں انہوں نے دریافت کیا، تو کیا گناہ کرتا ہے؟ کہا: میں لواطت کرتا ہوں، دو مرتبہ اس نے یہ بات دہرائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، درے کھانے پسند کرتے ہو یا دیوار گرانے کو پسند کرتا ہے یا آگ میں جلنا چاہتا ہے، اس جرم کی یہ سزائیں ہیں تم کو اختیار ہے، اس نے کہا: آقا! آگ میں جلا دو، اس پر ہزار گٹھے ایندھن کے رکھ دیئے گئے اور اسے دیا سلائی سے آگ لگانے کا حکم دیا اور کہا: اگر تو شیعان علی سے ہوگا تو آگ نہ جلائے گی اگر تو مخالف ہوگا اور اس دعوی شیعیت میں جھوٹا ہوگا تو آگ تجھے توڑ کر رکھ دے گی

آدمی نے السی کے کپڑوں کا لباس پہنا تھا جسے آگ جلدی چھوتی ہے، اس کے باوجود آگ تو در کنار دھواں تک نہ اس تک پہنچا تھا۔

باقی رہی جنت کی بات تو شیعہ کا یہ اعلان ہے کہ جنت پیدا ہی ان کے لئے کی گئی ہے یہ بغیر حساب جنت میں داخل ہونگے، فرات کوفی کہتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک منادی رب العزت کے قریب سے صدا لگائے گا، اے علی رضی اللہ عنہ! تم اور تمہارے شیعہ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ داخل ہو کر جنت میں داد عیش پائیں گے۔

# 2۔روافض کا تعارف

## شیعہ کے معنی:

شیعہ کے لغوی معنی گروہ کے ہیں۔قرآن مجید نے مسلمانوں کے درمیان گرو(فرقہ بازی) کو شرک و کفر قرار دیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے کہ:

اور مشرکوں میں سے نہ ہونا ان لوگوں میں سے (نہ ہونا) جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور خود گروہ گروہ بن گئے۔ہر گروہ اس بات پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔

(سورۃ الروم آیت 30،31)

## رافضی کے معنی اور رافضی کون ہیں:

کتاب ناسخ التواریخ جلد 2۔احوال زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ صفحہ 591 سطر 11 تا 17 کا بھی مطالعہ فرمالیں۔اور "الولد سر لابیہ" کی تصدیق فرمادیں۔

(حاصل یہ کہ جب ان عراقیوں نے حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید کی زبان فیض ترجمان سے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی تعریف سنی تو کہنے لگے کہ یقینا آپ ہمارے امام نہیں ہیں اور امام (بھی آج کے دن سے) ہمارے ہاتھ سے گیا ان کا مقصود تھا۔ امام محمد باقر علیہ السلام اس وقت زید کی طرف داری سے اور ان کی حاضری سے الگ ہوگئے جس پر حضرت زید نے فرمایا کہ آج سے یہ لوگ رافضی بن گئے ہیں یعنی ہمیں آج کے دن سے ان لوگوں نے چھوڑ دیا اور چلے گئے اس وقت سے اس جماعت کو رافضی کہتے ہیں۔رَفَض اور رَفُض کا معنی ہے کسی چیز کا رہ جانا اور رِفُض کا معنی ہے سواری کو وا گزار کرنا۔اور رفیض اور مرفوض کا معنی ہے متروک ہونا۔روافض اس گروہ کو کہتے ہیں جس نے اپنے امام اور رہبر کو چھوڑ دیا اور اس سے منہ پھیر لیا اور شیعوں کی جماعت سے ہوگیا۔اور (مجمع البحرین) میں ہے کہ رافضہ اور روافض جو حدیث شریف میں آیا ہے اس سے مراد شیعوں کا فرقہ ہے کیونکہ یہ رافضی بن گئے اور انہوں

نے امام زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ کے صاحبزادے حضرت زید کا انکار کر دیا اور ان کو چھوڑ دیا کیونکہ آپ نے ان کو صحابہ کرام کی شان میں طعن کرنے سے منع فرمایا تھا۔ جب ان لوگوں نے اپنے امام کا ارشاد سمجھ لیا اور معلوم کر لیا کہ وہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر (رضی اللہ تعالی عنہما) کے بارے میں تبرا برداشت نہیں کرتے تو ان لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور نکل گئے اس کے بعد لفظ رافضی اس شخص کے حق میں استعمال ہونے لگا کہ جو اس مذہب میں غلو کرتا ہے اور صحابہ کرام کے حق میں طعن کرنا جائز سمجھتا ہے۔

بھائیو! جب حضرت امام عالی مقام زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ نے صحابہ کرام کے حق میں طعن کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور دفعہ کیا اور فرمایا کہ نکل جاؤ اللہ تعالی تمہیں ہلاک کرے تو ان کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کی سنت کو کیوں نہ اپناتے اور کیوں نہ سختی کے ساتھ اس پر عمل فرماتے الولد سر لابیہ کا یہی معنی ہے۔ یوں رفض اور تشیع کا ہم معنی ہونا، مصداقا متحد ہونا تو اہل تشیع کی اس معتبر ترین کتاب نے پوری اور مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جو کسی تبصرہ کا محتاج نہیں۔

رہا یہ امر کہ جس حدیث کی طرف اہل تشیع کی معتبر کتاب (مجمع البحرین) نے اشارہ کیا اور صاحب (ناسخ التواریخ) نے اس کا ذکر کیا وہ کون سی حدیث ہے تو یہ وہی حدیث ہے جس حدیث کے متعلق کافی (کتاب الروضہ صفحہ 16) میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم ان لوگوں نے تو تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ تمہارا نام اللہ تعالی نے رافضی رکھا ہے۔ کافی کی بعینہ عبارت پیش کرتا ہوں۔

(کافی شیعہ کی معتبر ترین کتاب ہے جس کے متعلق کئی دفعہ حوالے گزر چکے ہیں)

یعنی ابو بصیر نے (جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا خاص الخاص شیعہ ہے) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں ہمیں ایک ایسا

لقب دیا گیا ہے جس لقب کی وجہ سے ہماری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے اور جس لقب کی وجہ سے ہمارے دل مردہ ہو چکے ہیں اور اس کی وجہ سے حاکموں نے ہمیں قتل کرنا مباح اور جائز قرار دیا ہے وہ لقب ایک حدیث میں ہے جس حدیث کو ان کے فقہاء نے روایت کیا ہے ابو بصیر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رافضہ کے متعلق حدیث؟ ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ خدا کی قسم ان لوگوں نے تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالی نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے۔

## مذھب شیعہ کا بانی:

اہل تشیع کی نہایت معتبر کتاب (ناسخ التواریخ جلد 2 حصہ 3 ص 524) مطبوعہ ایران (اصفہان) 1395ھ مطالعہ کی سفارش کرتا ہوں تاکہ آپ کو حق الیقین ہو جائے کہ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں مذہب تعصب کی بنا پر نہیں بلکہ واقعات کی روشنی میں اور حق وصداقت پر مبنی یہ معروضات ہیں۔ سب سے پہلے جس شخص نے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق غصب خلافت کا قول کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ایک یہودی تھا جس کا نام عبداللہ بن سبا ہے جو امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تقیہ کر کے مدینہ انور میں آیا۔ اور اسلام ظاہر کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علی الخصوص خلفائے راشدین سابقین کے خلاف خفیہ طور پر سب بکنا شروع کیا۔ پھر مدینہ اقدس سے نکالا گیا تو مصر میں جا کر ایک گروہ بنالیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور آخر ایسا فتنہ برپا کیا جس میں امیر المومنین شہید ہوئے۔ صاحب (ناسخ التواریخ) کی بعینہ عبارت: ترجمہ: عبداللہ بن سباء ایک یہودی تھا۔ جس نے حضرت امیر عثمان (رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام ظاہر کیا اور وہ پہلی کتابوں اور صحیفوں کا اچھا عالم تھا۔ جب مسلمان ہوا تو امیر عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت اس کے دل کو پسند نہ آئی تو مجلسوں

اور محفلوں میں بیٹھ کر حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بد گوئیاں شروع کرنے لگا اور برے اعمال وغیرہ جو کچھ بھی اس کے امکان میں تھا حضرت امیر عثمان کی طرف منسوب کرنے لگا۔امیر عثمان کی خدمت میں یہ خبر پہنچائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ یہودی ہے کون ؟اور حکم دیا گیا تو اس یہودی (عبداللہ بن سبا) کو مدینہ شریف سے نکال دیا گیا۔عبداللہ مصر پہنچا اور چونکہ آدمی عالم اور دانا تھا۔ تو لوگوں کا اس پر جمگھٹا ہونے لگا اور لوگوں نے اس کو تقریروں پر یقین کرنا شروع کر دیا۔ تو ایک دن اس نے کہا۔ ہاں اے لوگو! تم لوگوں نے شاید سنا ہو گا کہ عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام اس جہان میں رجعت کریں گے (دوبارہ آئیں گے جیسا کہ ہماری شریعت میں یہ بات محقق ہے۔جب عیسی علیہ السلام دوبارہ آسکتے ہیں تو حضرت محمد ﷺ جوان سے مرتبہ میں بہت زیادہ ہیں کس طرح دوبارہ تشریف نہ لائیں گے۔اور اللہ تعالی بھی قرآن میں فرماتا ہے کہ جس ذات نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے۔یقیناً آپ کو آپ کے اصلی وطن سے لوٹائے گا۔جب اس عقیدہ کو لوگوں کے دلوں میں پختہ کر چکا تو کہنے لگا کہ اللہ تعالی نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں بھیجے ہیں ہر ایک پیغمبر کا ایک وزیر اور ایک خلیفہ تھا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک پیغمبر دنیا سے رحلت فرمائے علی الخصوص جبکہ وہ صاحب شریعت بھی ہو اور کوئی اپنا نائب اور خلیفہ مقرر نہ فرماوے اور امت کا معاملہ یونہی چھوڑ دے تو اس بنا پر حضور ﷺ کے وصی اور خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے۔ یعنی تو میرے نزدیک ایسا ہے جیسے ہارون موسی (علیہم السلام) کے نزدیک تھے۔اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور محمد ﷺ کے خلیفہ ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس منصب کو غصب کر لیا ہے اور اپنی ذات کے ساتھ لگالیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ناحق منصب خلافت کو مجلس شوری کے سپرد کر دیا۔

**یہ عبارت نقل کرنے سے چند گزارشات مقصود ہیں:۔**

1۔رجعی مذہب دنیا میں سب سے پہلے جس شخص نے پیدا کیا وہ عبداللہ بن سبا ہے۔

2۔خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے متعلق غاصب کہنا اور ان کی خلافت کو ناحق بیان کرنے کی ابتدا اسی عبداللہ بن سبا سے ہوئی۔

3۔خلافت بلا فصل علی رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلے علمبردار بھی عبداللہ بن سبا ہے۔عبداللہ بن سبا کے متعلق ائمہ ہدی کی تصریحات سے آئندہ سطور میں کسی قدر تبصرہ ہوگا۔

4۔سردست اتنا عرض کرنا ہے کہ شیعوں کے مذہب کی بنیاد اسی عبداللہ بن سباء نے رکھی شیعوں کے مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب (حق الیقین صفحہ 150 مطبوعہ ایران) میں مقصد نہم کو اس مسئلہ رجعت کے ثبوت میں انتہائی زور و شور کے ساتھ لکھا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتا ہے: یعنی جاننا چاہئے کہ من جملہ ان اعتقادات کے جن پر تمام شیعوں کا اجماع ہے بلکہ ان کے مذہب کی ضروریات میں سے ہے۔ وہ رجعت کے مسئلہ کو حق جانتا ہے۔ اب اہل دانش و بینش کے نزدیک یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہوگئی کہ مسئلہ رجعت کو ظاہر کرنے والا اور خلافت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بلا فصل کہنے والا اور خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے متعلق غصب اور ظلم منسوب کرنے والا سب سے پہلے عبداللہ ابن سبا ہے اور باقر مجلسی کی تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ یہی عبداللہ ابن سبا کے عقیدے، شیعوں کے ضروریات دین میں سے ہیں اور شیعوں کے مجمع علیہ عقائد میں سے ہیں ۔ اور کتاب (من لا یحضرہ الفقیہ) میں ہے کہ جو شخص رجعت کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ وہ ہم (شیعہ فرقہ) سے نہیں۔

## شیعہ علماء میں وجود ابن سباء کو ثابت کرنے والے:

### 1۔الناشیءالاکبر(293ہجری):

ناشی اکبر نے عبداللہ بن سباء کاذکر فرقہ سبائیہ کے ضمن میں کیا ہے۔وہ کہتا ہے:ایسا فرقہ ہے جن کا گمان یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زندہ ہیں،ابھی تک مرے نہیں۔اوران کی موت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک وہ عربوں کو اپنی لاٹھی سے ہانک نہ لیں۔یہی لوگ سبائی ہیں جو عبد اللہ بن سباء کے ساتھی ہیں عبداللہ بن سباء یمن سے اہل صنعاء کا یہودی انسان تھا۔

(اصول النحل نقلا عن عبدالرحمن بدوی:مذاہب اسلامیین 2/43)

### 2۔الاشعری امی(301ہجری):

اپنی کتاب(المقالات والفرق)میں سبائیت اورابن سباء کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:یہ فرقہ جس کا نام سبائیت پڑ گیا ہے عبداللہ بن سباء کے ساتھی ہیں۔یہ شخص ''عبداللہ بن وہب الراسی الہمدانی'' ہے۔اوراس کے ساتھ اس مسئلہ میں عبداللہ بن حرسی اورابن سوداء نے مدد کی۔یہ دونوں اجلہ صحابہ میں سے ہیں۔یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کیا،اور صحابہ سے برات کا اظہار کیا۔(المقالات والفرق:20)

### 3۔النوبختی(تیسری صدی ہجری کابڑاعالم):

جو فتنے ابن سباء نے ایجاد کیے،ان کے بارے میں بیان کرتا ہے،جیسا کہ علی بن ابی طالب کی امت فرض ہونے کا قول۔ پھر وہ کہتا ہے : علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک جماعت سے حکایت نقل کی گئی ہے کہ عبداللہ بن سباء یہودی تھا،پھراس نے اسلام قبول کیا۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی کرلی۔جب یہودی تھا تو کہا کرتا تھا کہ یوشع بن نون علیہ السلام کے بعدان کے وصی ہیں۔رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسی ہی بات کہنے لگا۔(فرق الشیعت،ص22)

## 4۔ الکشی (369 ہجری):

اس نے عبداللہ بن سباء کا ذکر کیا ہے۔ اور 5 روایات اپنے آئمہ تک سند کے ساتھ روایت کی ہیں جن میں ابن سباء سے برائت، لعنت اور اس کی مذمت ہے۔ ان میں سے ابی جعفر سے جو روایت کیا گیا ہے: بے شک انہوں نے فرمایا: عبداللہ بن سباء نبوت کا دعویدار تھا۔ اور وہ گمان رکھتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بارے میں اس کا الہ و معبود برحق ہے۔ یہ بات امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو اسے بلا کر پوچھا اس نے اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہا: ہاں! آپ وہی الہ ہیں۔ اور یہ بات مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ بے شک آپ ہی اللہ، معبود برحق ہیں اور بے شک میں نبی ہوں۔ تو امیر المؤمنین نے اس سے کہا: تمہارے لیے بربادی ہو تمہیں شیطان نے مسخر کر لیا ہے۔ تیری ماں تجھ پر روئے، اپنے اس قول سے رجوع کر لے اور توبہ کر۔ مگر اس نے انکار کیا تو اسے قید کر دیا۔ اور اسے توبہ کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دی مگر اس نے توبہ نہ کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے آگ سے جلوایا۔ اور فرمانے لگے: شیطان نے اسے گمراہ کر دیا ہے، اس کے پاس آکر یہ باتیں سکھاتا ہے، اور اس کے دل میں یہ باتیں ڈالتا ہے۔

ابو عبداللہ سے روایت ہے: اللہ تعالی عبداللہ بن سباء پر لعنت کرے اس نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ میں ربوبیت کا دعوی کیا۔ اور اللہ کی قسم! امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اللہ تعالی کے فرمابردار بندے تھے۔ اس انسان کے لیے ہلاکت ہو جس نے ہم پر جھوٹ باندھا۔ بے شک لوگ ہمارے متعلق وہ باتیں کہتے ہیں جو ہم خود اپنے متعلق نہیں کہتے۔ ہم اللہ تعالی کی بارگاہ میں ان سے برات کا اظہار کرتے ہیں، ہم اللہ تعالی کی بارگاہ میں ان سے برات کا اظہار کرتے ہیں۔

(رجال الکشی، ص 71-70)

## 5۔ الصدوق (381 ہجری):

اس نے دعاء کی کیفیت کے بارے میں ایک حدیث لائی ہے، جس میں ابن سباء کا ذکر ہے۔ وہ

باب (التعقیب) میں کتاب (من لا یحضرہ الفقیہ، روایت نمبر 955) میں کہتا ہے:

اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تم میں سے کوئی ایک اپنی نماز سے فارغ ہو، تو وہ اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے، تو عبداللہ بن سباء نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا اللہ تعالی ہر جگہ پر موجود نہیں ہے۔ کہا: کیوں نہیں۔ تو (ابن سباء) کہنے لگا: پھر آسمانوں کی طرف ہاتھ کیوں اٹھائے جائیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم یہ آیات نہیں پڑھتے، ترجمہ: اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔ (الذاریات: 22)

تو رزق کہاں سے طلب کیا جاتا ہے، سوائے اس کی جگہ کے۔ اور رزق کی جگہ آسمانوں میں ہے جیسے کہ اللہ تعالی نے وعدہ کیا ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ 129/1)

اس روایت کو طویل روایات کے ضمن میں کتاب (الخصال) میں بھی ذکر کی ہے۔

(الخصال: ص628)

### 6۔ ابن ابی الحدید (656 ہجری):

اس نے ذکر کیا ہے کہ ابن سباء وہ پہلا آدمی تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غلو کیا۔ وہ کہتا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں سب سے پہلے جس نے غلو کا اظہار کیا وہ عبد اللہ بن سباء ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ یہ ان کے سامنے کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا: تو ہی ہے تو ہی ہے۔ اور اسے بار بار دہرانے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تیرے لیے بربادی ہو! میں کون ہوں؟ کہنے لگا: تو ہی معبود برحق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑنے کا حکم دیا۔ سوا سے کچھ لوگوں نے گرفتار کیا اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گرفتار کیا گیا جو اس کے مذہب وعقیدہ پر تھے۔ (شرح نہج البلاغہ 5/5)

### 7۔ نعمت اللہ الجزائری (1112 ہجری):

نعمت اللہ الجزائری اپنی کتاب (انوار نعمانیہ) میں کہتا ہے: عبد اللہ بن سباء نے علی رضی اللہ عنہ

سے کہا: آپ ہی معبود برحق ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے مدائن کی طرف ملک بدر کر دیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہودی تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا۔ وہ اپنی یہودیت کی زندگی میں یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے ایسے ہی کہا کرتا تھا جیسے اس نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا۔ (الأنوار النعمانیہ 2/234)



## 8-الماماقانی (1351 ہجری):

مقامانی نے اپنی کتاب (تنقیح المقال) میں عبداللہ بن سباء کے حالات زندگی بیان کیے ہیں۔ اور اس نے کہا ہے کہ: اس کے حالات کتاب (من لایحضرہ الفقیہ) کے باب التعقیب میں اور باب: "أصحاب أمیر المؤمنین" میں بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ اور اس کے بارے میں صدوق کا قول بھی نقل کیا ہے کہ: عبداللہ بن سباء وہ آدمی ہے جو کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کرنے لگا۔ اور کہا ہے: وہ لعنتی بڑا غالی تھا۔ امیر المؤمنین نے اسے آگ سے جلایا تھا۔ وہ یہ گمان کرتا تھا کہ علی ہی الہ ہے، اور علی ہی نبی ہے۔ (تنقیح المقال فی علم الرجال 2/183-184)

پھر اس کے بعد اس نے (کشی) کی روایات عبداللہ بن سباء کے بارے میں نقل کی ہیں۔

## 9۔ محمد حسین المظفری (1369 ہجری):

محمد حسین المظفری ان معاصرین شیعہ میں سے ہے جو ابن سباء کے وجود کا انکار نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ ابن سباء کیساتھ شیعہ کسی بھی قسم کے تعلق کی نفی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

رہی بعض کاتبین کی رائے کہ شیعہ مذہب کی اصل عبداللہ بن سباء، المعروف ابن سودا کی ایجاد کردہ بدعت ہے، یہ ایک وہم ہے۔ اور ان کی اس مذہب کے بارے میں کم معرفت کی وجہ سے ہے۔ جس نے شیعہ کے ہاں اس انسان کی منزلت اور ان کی اس سے، اور اس کے اقوال وافعال سے برات کو جانا ہو اور بغیر کسی اختلاف کے اس کی شخصیت میں شیعہ علماء کے طعن کو جانا ہو، تو وہ اس قول کی صحت اور علمی منزلت کو سمجھ سکتا ہے۔ (تاریخ الشیعت، ص10)

Hi-res JPG file download - Resolution 5000x3750px - www.psdgraphics.com

## 3۔روافض کے فرقے:

شیعہ کے 4 بڑے فرقے درج ذیل ہیں:

امامیہ: اس کے آگے فرقے درج ذیل ہیں:

اثناء عشریہ، کاملیہ، محمدیہ، باقریہ، جعفریہ، ناؤوسیہ، شمیطیہ، عماریہ، اسماعیلیہ، موسویہ، مبارکیہ، واقفیہ، قطعیہ، ہشامیہ، زراریہ، یونسیہ، شیطانیہ، صوفیہ امامیہ نور بخشیہ۔

زیدیہ: اس کے آگے فرقے درج ذیل ہیں:

جارودیہ، جریریہ، بتریہ، نعیمیہ، یعقوبیہ، ناصریہ، ہادویہ، عقبیہ، قاسمیہ۔

کیسانیہ: اس کے آگے فرقے درج ذیل ہیں:

سبائیہ، کاملیہ، بیانیہ، مغیریہ، منصوریہ، خطابیہ، غرابیہ، شریفیہ، ہشامیہ، یونسیہ، مفضلیہ، زراریہ، اصحاب اسحاق بن غالب، ہشمیہ، مفوضہ، نصیریہ، سلمیہ۔

غالی: اس کے آگے فرقے درج ذیل ہیں:

صباحیہ، اسماعیلیہ خالصہ، اسماعیلیہ مبارکیہ، ناصریہ، فاطمیان، دروزیہ، نزاریہ، مستعلویہ، مجیدیہ، آمریہ، بہرہ، داودیہ، سلیمانیہ، آغاخانیہ، برقعیہ، قرامطہ، بابکیہ۔

## شیعہ کی مشہورترین شخصیات اور مؤلفات:

شیعہ امامیہ کی مشہور ترین شخصیات ، ان کے بارہ امام ہیں، جنہیں شیعہ امامیہ اپنے امام تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ یہ آئمہ کرام اللہ تعالی کے نزدیک شیعی عقائد سے لاتعلق ہیں۔ وہ ان تمام خلاف حقیقت، باطل اور جھوٹے اقوال واعمال سے بری الذمہ ہیں ، جن کو شیعہ امامیہ ان آئمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شیعوں کے نزدیک ان بارہ اماموں کی ترتیب درج ذیل ہے۔

**پہلا امام:**

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ، لقب مرتضی کنیت ابوالحسن ، چوتھے خلیفہ راشد اور داماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔انہیں گمراہ اور گمراہ کن عبدالرحمن بن عجم نے مسجد کوفہ میں قاتلانہ حملے کے ذریعے شہید کر دیا۔

**دوسرا امام:**

حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، شیعہ انہیں مجتبی اور ایک قول کے مطابق زکی کالقب دیتے ہیں،ان کی کنیت ابو محمد ہے۔

**تیسرا امام:**

حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ، شیعہ انہیں شہید کا لقب دیتے ہیں، واقعتا آپ شہادت کے درجہ عالیہ پر فائز ہیں ، ایک قول کے مطابق انہیں سید الشہداء کہا جا تا ہے ، جب کہ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔

**چوتھا امام:**

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، شیعہ انہیں سجاد اور ایک قول کی رو سے زین العابدین کا لقب دیتے ہیں، ان کی کنیت ابو محمد ہے۔

**پانچواں امام:**

محمد بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ ،انہیں باقر کالقب اور ابو جعفر کی کنیت دی جاتی ہے۔

**چھٹاامام:**

جعفر بن محمد بن علی رضی اللہ عنہ ،انہیں صادق کالقب اور ابو عبد اللہ کی کنیت دیتے ہیں۔

**ساتواں امام:**

موسی بن جعفر الصادق رضی اللہ عنہ ،لقب کاظم اور کنیت ابو ابراہیم سے ان کے نزدیک معروف ہے۔

**آٹھواں امام:**

علی بن موسی بن جعفر رضی اللہ عنہ، شیعہ انہیں مرضی کالقب اور ابوالحسن کی کنیت دیتے ہیں۔

**نواں امام:**

محمد بن علی بن موسی رضی اللہ عنہ، انہیں تقی کا اور دوسرے قول کے مطابق جواد کالقب اور ابو جعفر کی کنیت دیتے ہیں۔

**دسواں امام:**

علی بن محمد بن علی رضی اللہ عنہ، شیعہ انہیں نقی یا ہادی کالقب اور ابوالحسن کی کنیت دیتے ہیں۔

**گیارہواں امام:**

حسن بن علی بن محمد رضی اللہ عنہ، انہیں زکی یا عسکری کالقب دیا جاتا ہے۔ان کی کنیت ابو محمد ہے۔

**بارہواں اور آخری امام:**

محمد بن الحسن العسکری رضی اللہ عنہ، انہیں شیعہ مہدی اور ایک قول کے مطابق ''حجۃ القائم المنتظر'' کا لقب دیتے ہیں، ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔شیعہ کے نزدیک آپ ''حجۃ الغائب'' ہیں۔کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت 256ھ میں ہوئی، ان کی غیبت صغری 260ھ اور غیبت کبری 329ھ کو وقوع پذیر ہوئی۔شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کا یہ بارہواں امام سامرہ میں اپنے باپ کے گھر میں واقع غار 'مر من رای'' میں داخل ہوا اور تا حال ان کا خروج نہیں ہوا۔

## شخصیات:

### 1۔علی بن ابراہیم امی ابوالحسن، ہلاکت 307:

یہ اپنی کتاب (تفسیر القمی) کے ساتھ مشہور ہے، اس اللہ کے دشمن نے اپنی اس تفسیر میں قرآن کریم کے محرف ہونے کی صراحت کی ہے۔(تفسیر قمی ) کے علاوہ (التاریخ، الشرائع ، الحیض، التوحید والشرک، فضائل امیر المومنین اور المغازی) نامی کتب بھی اس کی مولفات ہیں۔

## 2۔ محمد بن یعقوب الکلینی ابو جعفر، ہلاکت 328:

یہ کتاب (الکافی) کا مؤلف ہے، اس نے اپنی اس کتاب کے صرف پہلے اور دوسرے جزء کے 22 صفحات میں قرآن کریم کی تحریف کو ثابت کیا ہے۔ یہ بہت بڑی کتاب ہے اور اصول و فروع اور تہذیب و اخلاق کی تین اقسام پر مشتمل ہے۔

## 3۔ محمد بن علی بن حسین بن بابویہ القمی، ہلاکت 381ھ:

صدوق کے لقب سے معروف اور (من لایحضرہ الفقیہ) نامی کتاب کا مؤلف ہے۔

## 4۔ محمد بن الحسن القوی، ہلاکت 460ھ

یہ (تہذیب الاحکام، الاستبصار، التبیان، الغیبہ امالی الطوسی، الفہرست اور رجال الطوسی) ایسی معروف کتب کا مؤلف ہے۔

## 5۔ الحاج مرزا حسین محمد النوري الطبري،

یہ کتاب (فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب) کا مؤلف ہے۔ اس زندیق نے اپنی اس کتاب کے اندر یہ دعوی کیا ہے کہ قرآن کریم میں کمی، زیادتی اور تحریف وقوع پذیر ہوئی ہے۔ یہ کتاب ایران میں 1289ھ کو طبع ہوئی ہے۔ صاحب کتاب نے 1320ھ میں نجف میں ہلاکت پائی۔

## 6۔ آیت اللہ المامقانی:

یہ کتاب (تنقیح المقال فی اصول الرجال) کا مؤلف ہے اور شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کا امام الجرح والتعدیل میں، اس نے اپنی مذکورہ کتاب میں ابو بکر الصدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے "الجبت والطاغوت" کے القاب استعمال کیے ہیں۔ یہ کتاب مطبعۃ المرتضویہ نجف کے زیر اہتمام 1352ھ میں شائع ہوئی ہے۔

**7۔ محمد باقر مجلسی:**

صفوی حکومت کا مذہبی قائد اور مؤلف کتاب (بحار الانوار) ہلاکت 1111ھ

**8۔ نعمۃ اللہ الجزائری:**

مؤلف کتاب (الانوار النعمانیہ) ہلاکت 1112

**9۔ ابو منصور الطبرسی:**

مؤلف کتاب (الاحتجاج) ہلاکت 620ھ

**10۔ ابو عبداللہ المفید:**

مؤلف کتاب (الارشاد) اور کتاب (الامالی المفید) متوفی ھ 413

**11۔ محمد بن الحسن العاملی:**

مؤلف کتاب (الایقاظ من المحبہ فی اثبات الرد) ہلاکت 1104

**12۔ آیت اللہ الخمینی:**

مکمل نام: (روح اللہ المصطفی احمد الموسوی خمینی) اس کے والد احمد نے 1885ء میں ہندوستان کی سکونت ترک کر کے مستقل طور پر ایران میں رہائش اختیار کر لی، خمینی کی پیدائش قم شہر کے نواحی قصبہ خمین میں 1320ھ میں ہوئی، ولادت کے ایک سال بعد اس کے باپ کو قتل کر دیا گیا، سن بلوغ تک عمر پہنچی تو اس کی ماں بھی وفات پا گئی، چنانچہ اس کے بڑے بھائی نے اس کی مکمل پرورش و کفالت کی ذمہ داری کو نبھایا۔ یہ شیعہ کے ممتاز ترین مذہبی راہنماؤں میں شمار ہوتا ہے۔

خمینی کی متعدد تالیفات میں سے ایک کتاب (کشف الاسرار) بھی ہے۔ اپنی اس کتاب میں خمینی نے فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:

عمر کے جملہ اعمال کفر، زندیقیت اور (کتاب اللہ) قرآن میں وارد شدہ آیات کی مخالفت پر مبنی ہے۔ (کشف الاسرار، ص:116)

اس کے علاوہ خمینی نے ہی (تحریر الوسیلہ) اور (الحکومۃ الاسلامیہ) نامی کتب بھی تحریر کی ہیں۔
(مؤخر الذکر) کتاب میں خمینی نے لکھا ہے:
یقیناً ائمہ کی تعلیمات کا درجہ قرآن کی تعلیمات کے مساوی ہے۔ ان کا نفاذ اور ان کی پیروی دونوں لازم ہیں۔ (الحکومتہ الاسلامیہ، ص 13)



خمینی تقریباً 89 سال کی عمر میں فوت ہوا، خمینی کے حاشیہ نشینوں نے اس کے برہنہ چہرہ میت کو شیشہ کے تابوت میں بند کر کے تہران کے سب سے بڑے اور کشادہ میدان میں رکھ دیا۔ اس خمینی کے مریدوں اور عقیدت مندوں نے اس تابوت کے گرد طواف کیا، جنازہ چلا تو اس کے پیچھے 10 ملین رافضیوں کا جمع غفیر بھی رواں دواں تھا۔ سخت ازدہام کی وجہ سے کندھوں سے کندھے ٹکرا رہے تھے، یہ لوگ اپنے رخسار پیٹ رہے اور سینہ کوبی کر رہے تھے۔ اس موقع پر خمینی کی میت پر تجارت کرنے والوں نے اس کی قبر پر بہت بڑی عمارت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا جسے ایران کے بلند ترین گولڈن گنبد کی حیثیت حاصل ہو جائے گی، چنانچہ جس علاقے میں یہ گنبد تعمیر کیا گیا اس کے نام کے چناؤ کا شرف خمینی کے بیٹے احمد کو نصیب ہوا، جس نے اس مرکز کو "روح الاسلام" کا نام دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس گنبد کے تعمیراتی اخراجات کی مد میں 7 ارب ڈالر خرچ کر دیئے گئے۔ یہ ایک ایسے ملک میں ہوا جہاں 5 ملین انسان بے روزگاری کی اذیت میں مبتلا ہیں۔

## شیعہ کے اصول مذہب میں سے ایک بڑا اصول:

امامت کا حصر 12 اماموں میں ہے اور ب 12 وہ عدد ہے جس کو اللہ تعالی نے پسند فرمایا۔ تمام اعداد پر اس کو فضیلت دی اور اسی کو اسلام کے فرقہ ناجیہ (یعنی شیعہ) نے اختیار کیا۔ صاحب حبیب السیر، مؤلف کشف الغمہ اور کمال الدین محمد بن طلحہ اکابر علماے شیعہ نے اس دعوی پر فی الجملہ سات مضبوط دلیلیں پیش کی ہیں۔

## دلیل اول:

دین اسلام کی بنیاد فقط دو کلموں پر ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ان دو کلمات میں سے ہر کلمہ میں بارہ بارہ حروف ہیں، پس چاہیے کہ امر امامت بھی جو فروع ایمان سے ہے بارہ اماموں میں منحصر ہو۔

## دوسری دلیل:

حضرت موسی علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل میں بارہ سردار تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ: بے شک اللہ نے بنی اسرائیل کا عہد لیا اور ان میں سے بارہ سردار اٹھائے۔

(سورہ مائدہ: 5،12)

## تیسری دلیل:

یعقوب علیہ السلام کی اولاد بارہ تھی جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں اور انھیں میں سے حضرت موسی پیغمبر ہوئے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ ترجمہ: اور جب موسی نے اپنی قوم کے لیے پانی کی درخواست کی تو ہم نے فرمایا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، لاٹھی پتھر پر مارنا تھا کہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ (سورۂ بقرہ: 2،60)

## چوتھی دلیل:

رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ العقبہ میں بارہ انصار کو نقابت پر متعین فرمایا تھا پس ضرور ہے کہ اماموں کی عدد بھی اتنی ہی ہو۔

## پانچویں دلیل:

جس طرح آفتاب و ماہتاب ابصار خلائق کے رہنما ہیں اسی طرح طریقہ محسوسہ کے راستے پر امام قلوب و عقول کا رہنما ہوتا ہے، پس جس طرح چاند سورج کے انوار کے مقامات بارہ بروج ہیں اسی طرح نور امامت کا ظہور بھی بارہ اماموں میں چاہیے۔

**چھٹی دلیل:**

دنیا کے بعض مصالح زمانہ کے محتاج ہیں۔ زمانہ عبارت ہے دن اور رات کی گھڑیوں سے اور دن ورات جب اعتدال پر ہوں تو ہر ایک بارہ بارہ گھنٹوں کا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ انتظام عالم بغیر امام عادل کے نہیں ہو سکتا، پس اماموں کا بارہ عدد میں محصور ہونا بھی لازم آیا۔

**ساتویں دلیل:**

ترجمہ: جس دن خدا نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں، تب ہی سے خدا کے یہاں مہینوں کی گنتی کتاب اللہ میں بارہ مہینے لکھی چلی آتی ہے۔ (سورہ توبہ 9، 36)

**الجواب:**

اکابر علمائے شیعہ بے انتہا کوششیں کرنے کے بعد صرف 7 دلیلیں بارہ کی فضیلت پر پیش کر سکے۔ شیعوں کے اس اصول کی بنا پر ہم ایسے براہین قاطعہ پیش کرتے ہیں جو رد ہو ہی نہیں سکتا! پس اگر شیعوں کے وہ سات دلائل صحیح ہیں اور ان حضرات کے اعتقاد میں انھیں دلیلوں سے امامت کا بارہ اماموں میں منحصر ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو ہمارے ان براہین کو انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں، پھر اگر ان کے سات دلائل سے بہتر یہی ہوں تو اپنے اعتقادات رد میں سے باز آجائیں اور ہمارے دعوی کو تسلیم کر لیں کہ بے شک چار بارہ سے افضل ہے، اور چاروں خلفائے اسلام رضوان اللہ علیہم اجمعین برحق اور قابل اتباع تھے، ان کو برائی کے ساتھ یاد کرنا فسق عظیم ہے۔

**دلیل 1:**

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں سوائے دو لفظ اللہ اور محمد کے کل الفاظ زائد ہیں۔ نجات اخروی اور فلاح دنیوی دو ہی ذاتوں کے ماننے پر موقوف، وہ دونوں ذات اللہ اور محمد ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک میں چار چار حرف ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی کے ننانوے نام ہیں جن میں سے

72 نام چار حرفی ہیں۔

**دلیل 2:**

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کا نام محمد بتایا گیا ہے اور انجیل و توریت میں احمد کے نام سے پیشین گوئی کی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت عیسی علیہ السلام کا قول منقول ہے: احمد اور محمد دونوں میں چار ہی حروف ہیں۔(سورۂ صف: 6،61)



**دلیل 3:**

قرآن مجید جو آخری کتاب آسمانی اور تمام دوسری آسمانی کتابوں اور صحیفوں اور ملتوں کا ناسخ ہے اس میں بھی چار ہی حروف ہیں۔

**دلیل 4:**

دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا مبعوث ہوئے جن میں چار نبی سریانی تھے۔

(۱) حضرت آدم (۲) حضرت شیث (۳) حضرت ادریس (۴) حضرت نوح۔

**دلیل 5:**

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں چار ہی پیغمبر عربی النسل تھے۔

(۱) حضرت ہود (۲) حضرت صالح (۳) حضرت شعیب (۴) حضرت محمد ﷺ۔

**دلیل 6:**

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں صاحب کتاب اور صاحب شریعت رسول چار ہی ہیں۔

(۱) حضرت داؤد (۲) حضرت موسی (۳) حضرت عیسی (۴) حضرت محمد ﷺ۔

**دلیل 7:**

آسمانی کتابیں چار ہی ہیں: (۱) زبور جو حضرت داؤد کو عطا کی گئی (۲) توریت جو حضرت موسی کو ملی (۳) انجیل جو حضرت عیسی نے پائی (۴) قرآن جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

**دلیل 8:**

بارہ کا عدد اس لیے مبارک سمجھا گیا ہے کہ اس میں بارہ اماموں کی امامت محصور ہے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عدد اور بھی مبارک ہوں گے کیوں کہ اس میں انبیا علیہم السلام کی نبوت محصور ہے لیکن بڑے لطف کی بات ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کا مبارک عدد بارہ پر تقسیم نہیں ہوتا اور چار پر ٹھیک تقسیم ہو جاتا ہے؛ پس چار کا عدد بارہ کے عدد سے بہتر و افضل ٹھہرا، اس لیے اہل سنت و جماعت کا مقبول مذہب ہے کہ خلفائے اربعہ کی خلافت اور امامت بر حق اور قابل فخر ہے۔

**دلیل 9:**

قرآن میں ہے: ترجمہ: تو تم اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ (سورہ نساء: 4،3)

**دلیل 10:**

امن عام کے چار مہینے ملک میں چلو پھرو۔ (سورۃ توبہ: 9،2)

سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں مگر اللہ تعالی نے چار ہی مہینوں کو پسند فرمایا۔

**دلیل 11:**

جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا ہے یعنی انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔ (سورۂ نساء: 4،69)

خدا نے بھی اپنے بندوں میں سے چار ہی قسم کے لوگوں کو منتخب فرمایا اور عجب لطف کی بات یہ ہے کہ رسول، صدیق، شہید اور صالح چاروں الفاظ میں چار ہی حروف ہیں۔

**دلیل 12:**

اور جو لوگ پاک دامن بیبیوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کو 80 کوڑے مارو۔ (سورۂ نور: 4،24)

دلیل 13:

سب مسلمان اللہ اور اس کے فرشتے اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

(سورۂ بقرہ:2،285)

دلیل 14:

مسلمانو! جب نماز کے لیے آمادہ ہو تو اپنے منہ دھولیا کرو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھولیا کرو۔(سورۂ مائدہ:5،6)

وضو میں اللہ تعالی نے چار ہی چیزیں فرض کر دی ہیں: اول منہ دھونا، دوسرا کہنیوں تک ہاتھ دھونا، تیسرا سر کا مسح کرنا، چوتھا ٹخنے تک پاؤں دھونا۔

دلیل 15:

پس بہشت کا وعدہ پرہیز گاروں سے کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں (ایسے) پانی کی نہریں ہیں جس میں بو نہیں اور (ایسے) دودھ کی نہریں میں جس کا ذائقہ نہیں بدلا اور (ایسے) شراب کی نہر میں جو پینے والوں کو بہت ہی خوش ذائقہ معلوم ہو گی اور صاف شفاف شہد کی نہر میں ہیں۔(سورۃ شمر:15،47)

جنت میں بھی چار ہی نہریں جاری ہیں: (ایک) نہر عمدہ پانی کی (دوسری) نہر دودھ کی (تیسری) نہر خوش مزہ شراب کی (چوتھی) نہر شہد کی۔

دلیل 16:

اللہ نے زمین پر چار ہی قسم کی مخلوقات پیدا کیں انسان، حیوان، نبات، جماد۔

دلیل 17:

انسان کے چہرہ پر آنکھ، ناک، کان، اور منہ چار ہی چیزیں ہیں۔

**دلیل 18:**

سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن یہ قصر چار ہی رکعت والی نماز میں ہے، دو یا تین رکعت میں قصر نہیں ہے۔

**دلیل 19:**

چار ہی پیغمبروں کا زندہ رہنا بتایا جاتا ہے۔ حضرت ادریس و حضرت عیسی آسمان پر اور حضرت خضر و الیاس زمین پر۔

**دلیل 20:**

اسلام میں شریعت، طریقت، معرفت، اور حقیقت چار ہی منزلیں طے کرنی ہوتی ہیں۔

**دلیل 21:**

دنیا بھر نے مان لیا ہے کہ سمت چار ہی ہیں: (۱) مشرق (۲) مغرب (۳) جنوب (۴) شمال۔ اور ان چاروں الفاظ میں سے ہر ایک لفظ میں چار ہی چار حروف ہیں۔

**دلیل 22:**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی نائب اور خلفاء جن کی خلافت راشدہ ہے چار ہی ہیں۔

**دلیل 23:**

اہل سنت وجماعت کے حق میں اور مقبول مذہب میں بھی چار ہی مجتہد مقبول ہیں:

اول: امام ابو حنیفہ امام اعظم رحمتہ اللہ تعالی

دوسرے: امام محمد بن ادریس شافعی رحمتہ اللہ تعالی

تیسرے: امام مالک بن انس رحمتہ اللہ تعالی

چوتھے: امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ تعالی

## دلیل24:

دنیا کی چار قومیں چار طوفان میں تباہ ہوئیں:

(۱)حضرت نوح کی قوم پانی کے طوفان سے

(۲)حضرت ہود کی قوم ہوا کے طوفان سے

(۳)حضرت لوط کی قوم آگ کے طوفان سے

(۴)حضرت صالح کی قوم خاک کے طوفان سے۔

## 4۔روافض کا کتمان و تقیہ

مذہب شیعہ کی اصولی تعلیمات میں (کتمان) اور (تقیہ) بھی شامل ہیں... آیئے سب سے پہلے ان دونوں لفظوں کا مفہوم آسان الفاظ میں جان لیتے ہیں۔

### 1۔کتمان:

اپنے عقیدہ اور مسلک و مذہب کو چھپانا اور دوسروں پر ظاہر نہ کرنا۔

### 2۔تقیہ:

اپنے قول و عمل سے واقعہ یا حقیقت کے خلاف یا اپنے عقیدہ و ضمیر کے خلاف ظاہر کرنا اور اس طرح دوسروں کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کرنا۔

شیعوں کا تقیہ! وہ یہ ہے کہ اپنے عقائد کو چھپایا جائے اور عقائد و اعمال میں بظاہر اہل سنت کی موافقت کی جائے۔ چنانچہ بقول شیعہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ 30 برس تک اہل سنت کے دین پر عمل کرتے رہے اور انہوں نے شیعہ دین کے کسی مسئلہ پر بھی کبھی عمل نہیں فرمایا! یہی حال ان باقی حضرات کا رہا جن کو شیعہ ائمہ معصومین مانتے ہیں۔

تقیہ کی ایجاد کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ شیعوں پر یہ بھاری الزام تھا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد کے وہ حضرات جن کو شیعہ ائمہ معصومین کہتے ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان کے عقائد وہی تھے جو شیعہ پیش کرتے تھے تو یہ حضرات، مسلمانوں کے ساتھ شیر و شکر کیوں رہے؟ اور سوادِ اعظم اہل سنت کے عقائد و اعمال کی موافقت کیوں کرتے رہے؟

شیعوں نے اس الزام کو اپنے سر سے اتارنے کے لئے ''تقیہ'' اور ''کتمان'' کا نظریہ ایجاد کیا۔ مطلب یہ کہ یہ حضرات اگرچہ ظاہر میں سوادِ اعظم (صحابہ و تابعین اور تبع تابعین رحمہ اللہ) کے ساتھ تھے، لیکن یہ سب کچھ "تقیہ" کے طور پر تھا، ورنہ درپردہ ان کے عقائد عام مسلمانوں کے نہیں تھے، بلکہ وہ شیعی عقائد رکھتے تھے اور خفیہ خفیہ ان کی تعلیم بھی دیتے تھے، مگر اہل سنت

کے خوف سے وہ ان عقائد کا برملا اظہار نہیں کرتے تھے۔ ظاہر میں ان کی نمازیں خلفائے راشدین (اور بعد کے ائمہ) کی اقتدا میں ہوتی تھیں، لیکن تنہائی میں جا کر ان پر تبرا بولتے تھے، ان پر لعنت کرتے تھے، اور ان کو ظالم و غاصب اور کافر و مرتد کہتے تھے، پس کافروں اور مرتدوں کے پیچھے نماز پڑھنا برائے نام "تقیہ" تھا، جس پر یہ اکابرین عمل پیرا تھے۔ یہ ہے شیعوں کے "تقیہ" اور "کتمان" کا خلاصہ۔ ہم اس طرزِ عمل کو نفاق سمجھتے ہیں، جس کا نام شیعہ نے تقیہ رکھ چھوڑا ہے، ہم ان اکابر کو "تقیہ" کی تہمت سے بری سمجھتے ہیں اور ہمیں فخر ہے کہ ان اکابر کی پوری زندگی اہل سنت کے مطابق تھی، وہ اسی کے داعی بھی تھے، شیعہ مذہب پر ان اکابر نے ایک دن بھی عمل نہیں کیا۔

**بیسویں صدی کے شیعہ جیّد عالم امام خمینی:**

تقیہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی حقیقت کے خلاف کچھ کہے یا قوانین شریعت کے خلاف عمل کرے۔ (کشف الاسرار، ص128)

**چوتھی صدی کا شیعہ جیّد عالم شیخ مفید:**

تقیہ: حق کو چھپانا اور اعتقاد پر پردہ ڈالنا، مخالفین سے چھپانا، اور اس انداز میں اپنے مذہب کا اظہار ترک کرنا جس کے انجام کار دنیا یا آخرت میں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔
(تصحیح الاعتقاد، ص137)

غور کریں! شیخ مفید کے مطابق مخالفین سے کسی خطرے کے پیش نظر اپنے عقائد چھپانا تقیہ ہے۔ مخالفین یعنی اہل سنت کیونکہ شیعہ اہل سنت کو ہی اپنا مخالف تصور کرتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں اہل سنت عقائد کا اظہار اور شیعہ عقائد کا اخفاء (جسے وہ حق سمجھتے ہیں) تقیہ ہے۔

اہل تشیع کی انتہائی معتبر کتاب (کافی، مصنف اہل تشیع کے مجتہد اعظم ابو جعفر یعقوب کلینی) میں مستقل باب تقیہ کے لئے مخصوص ہے اور اس کو اصول دین میں شمار کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر

ایک دو روایتیں جو امام ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں پیش کرتا ہوں ۔یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شیعہ ابن ابی عمیر الا عجمی سے فرمایا کہ دین میں 90 فیصد تقیہ اور جھوٹ بولنا ضروری ہے اور فرمایا کہ جو تقیہ (جھوٹ نہیں کرتا وہ بے دین ہے (باقی دس کی کسر بھی نہ رہی)۔

(اصول کافی ص 482 اور ص 483) پر بھی کثرت کے ساتھ روایات ہیں جن میں سے دو تین نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

یعنی ابو بصیر جو امام عالی مقام امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا وزیر و مشیر تھا اور روایت میں اہل تشیع کا مرکز ہے کہتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ کا دین ہے ؟ تو امام صاحب نے فرمایا۔ اللہ کی قسم ہاں تقیہ (جھوٹ) اللہ کا دین ہے۔

یعنی ابن ابی یعفور جو امام عالی مقام صادق علیہ السلام کا ہر وقت حاضر باش خادم تھا۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنے مذہب پر خوف رکھو اور اس کو ہمیشہ جھوٹ اور تقیہ کے ساتھ چھپائے رکھو۔ کیونکہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں۔

اور (صفحہ 484) کی روایات میں سے بھی ایک روایتیں پیش کرتا ہوں۔

یعنی حضرت امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ کا خاص شیعہ معمر بن خلاد کہتا ہے کہ میں نے امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ان امیروں اور حاکموں کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ تقیہ کرنا میرا مذہب ہے اور میرے آباواجداد کا دین ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ اسی طرح اس صفحہ پر محمد بن مروان اور ابن شہاب زہری کی روایتیں بھی قابل دید ہیں۔

علی ہذا القیاس (صفحہ 485، 486 اور 487) تمام کے تمام یہ صفحات تقیہ مکر و فریب اور کذب

بیانی پر مشتمل روایات سے بھرے ہوئے ہیں۔(صفحہ 486)پر علی بن الخنیس کی ایک روایت بھی یاد رکھیں کہتے ہیں: یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا خاص شیعہ اور امام صاحب موصوف سے کثرت سے روایت کرنے والا معلی بن خنیس کہتا ہے کہ امام صاحب نے مجھے فرمایا کہ ہماری باتوں کو چھپاؤان کو ظاہر مت کرو کیونکہ جو شخص ہمارے دین کو چھپاتا ہے اوراس کو ظاہر نہیں کرتا تواللہ تعالی چھپانے کے سبب سے اس کو دنیا میں عزت دے گااور قیامت کے دن اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور پیدا کرے گا۔ جو سیدھا جنت کی طرف اس کو لے جائے گا۔اے معلی! جو شخص بھی ہماری باتوں کو ظاہر کرے گااوران کو نہ چھپائے گاتو دنیا میں اللہ تعالی اس سبب سے اس کو ذلیل کرے گااور آخرت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں سے نور سلب کرلے گا اور اس کی بجائے ظلمت اور اندھیرا بھر دے گا جو اس کو جہنم کی طرف لے جائے گا۔اے معلی تقیہ کرنا میرادین ہے اور میرے آباؤاجداد کا دین ہے اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ غرض یہ کہ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر روایتیں ہیں۔ کس کس کو لکھیں۔اہل تشیع کی تو جس کتاب کو بھی دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ صادقین معصومین کی طرف حق کو چھپانے اور تقیہ اور کذب بیانی پر مشتمل روایات منسوب کرنے کی غرض سے یہ کتاب تصنیف فرمائی گئی ہے۔ چونکہ کتاب (کافی کلینی)اہل تشیع کی تمام کتابوں کا منبع اور ماخذ ہے اور تمام کتابوں کی نسبت ان کے نزدیک زیادہ معتبر ہے حتی کہ اس کتاب کے شروع میں اس کی وجہ تسمیہ میں جلی قلم سے یہ لکھاہوا ہے۔

یعنی اس کتاب کے متعلق امام حجۃ اللہ المنظر مہدی علیہ السلام نے فرمایاہے کہ ہمارے شیعوں کے لئے یہی کتاب کافی ہے۔تواس لئے اس ضروری مسئلہ تقیہ وکتمان حق کے ثبوت میں اس کافی کی روایات کو کافی سمجھتاہوں۔

## عمدہ استدلال

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جن اصحاب سے یہ روایتیں کرنا اہل تشیع جائز سمجھتے ہیں یا بتاتے ہیں۔ان کے متعلق کہتے ہیں کہ تقیہ اور کتمان حق ان کا عقیدہ تھا۔اب اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ایک انتہا درجہ محبت اور علمبردار تشیع جو نہی ان حضرات سے کوئی حدیث سنے گا اور کسی امر کا اظہار معلوم کرے گا تو اس کے لئے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ صحیح اور حق بات تو قطعاً انہوں نے فرمائی ہی نہیں۔جو بھی ان سے روایت کی گئی ہے سراسر بے حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے اور نفس الامر کے برعکس ہے وہ بھلا اپنا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین کیسے چھوڑ سکتے ہیں یا ان کے وہ حاضر باش اور رات دن ان کے خدمت گزار جنت کو چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔اس مقدمہ کو اہل فکر کے غور وخوض کے سپرد کرتا ہوں اور گذارش یہ کرتا ہوں کہ بانیان مذہب تشیع نے اصل اور حقیقت پر مبنی دین اسلام کو ختم کر دینے اور شریعت مقدسہ کو کلیۂ فنا کر دینے کے لئے یہ سیاسی چال چلی کون شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ حضور اقدس ﷺ ہی اللہ تعالی اور اس کی مخلوق کے مابین جس طرح واسطہ ہیں اسی طرح رسول ﷺ اور حضور ﷺ کی قیامت تک آنے والی ساری امت کے درمیان حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی واسطہ ہیں۔ انہی مقدس لوگوں نے اللہ انتعالی کی کلام کی تفسیر اللہ کے رسول ﷺ سے پڑھی اور ان ہی مقدس لوگوں نے صاحب اسوۂ حسنہ ﷺ کے ارشادات گرامیہ اور اعمال عالیہ اور سیرت مقدسہ کی دولت کو براہ راست حضور ﷺ کی ذات سے حاصل کیا۔ جس کو ان کے شاگردوں یعنی تابعین نے ان سے حاصل کیا علی ہذا القیاس وہ مقدس شریعت ہم تک پہنچی۔اب جبکہ ابتدائی واسطہ یعنی صحابہ کرام ہی کی ذات قدسی صفات کو قابل اعتماد تسلیم نہ کیا جائے یعنی تین چار کے بغیر باقی ظاہری مخالفت کی بناء پر قابل اعتبار نہ رہیں اور یہ تین چار باوجود انتہائی دعوی محبت و تولی کے سخت نا قابل اعتماد ثابت کیے جائیں۔ کہ جو بھی ان کی روایات ہوں گی، یقینا غلط اور خلاف

واقعہ امر کی طرف راہنمائی کریں گی۔ یا تو خود ان ہستیوں نے ہی تقیہ و کتمانا للحق غلط اور خلاف واقعہ فرمایا اور یا ان کے محبان خدمت گاران شیعوں نے بہ تعمیل ائمہ کذب، جھوٹ اور خلاف واقعہ روایت فرمائی۔ بہر صورت ان روایات کو صحیح کہنا اپنی بے دینی اور بے ایمانی پر واضح دلیل پیش کرتا ہے۔

# 5۔شیعانِ علی بمقابلہ حضرت علی:



آپ نے دیکھا ہو گا شیعہ کیسے اپنے آپ کو شیعان علی کہلواتے ہیں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیعہ کہتے ہیں، اور امت مسلمہ کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم (شیعہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ پیروکار ہیں آیئے دیکھتے ہیں (شیعہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کون سی بات مانتے ہیں اور کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور شیعہ کے عقائد ایک تھے یا مختلف۔

## 1۔یا علی مدد:

اہل تشیع کہتے ہیں: آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور تا قیامت ہر زمانے میں انبیاء، صلحاء، رُسل، مؤمنین، جس نے پکارا علی کو پکارا۔ چونکہ خدا اللہ کا ذاتی نام ہے۔ باقی صفاتی نام معصومین کے ہیں۔ لہذا رب کے معنیٰ علی ابن طالب ہیں۔ لہٰذا قرآن میں آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، اور محمد ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدد کے لئے پکارا۔ بلکہ قرآن میں جہاں بھی لفظ رب استعمال ہوا ہے اس سے مراد علی ہی لیا جائے گا۔ (نعوذ باللہ) (جلاء العیون، ج2ص63تا66 خلاصہ)

## جواب:

قارئین کرام اس سے گمراہ کن عقیدہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس باطل عقیدے کے رد میں ہزاروں محکم دلائل لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن کیوں نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے حقیقت حال دریافت کر لی جائے۔ چنانچہ آپ اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور یقین رکھنا کہ مدد اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ (نہج البلاغہ، ص128)

پھر فرماتے ہیں۔ ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اسی سے مدد چاہتا ہوں۔

(ایضا، ص241)

پھر فرماتے ہیں۔ ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ مجھ میں کسی چیز کو حاصل کرنے کی

قوت نہیں سوائے اس کے جو اللہ مجھے عطا کر دے (ایضاً، ص 603)

تم میں سے کوئی شخص اللہ کے سوا کسی سے آس نہ لگائے۔ الخ (ایضاً، ص 833)

ترجمہ: اور زیادہ سے زیادہ اللہ سے مدد مانگو کہ وہ تمہاری مہمات میں کفایت کرے گا اور جو مصیبتوں میں مدد کرے گا۔ انشاء اللہ (ایضاً، ص 725)

جب اللہ سے کوئی حاجت طلب کرو تو پہلے رسول ﷺ پر درود بھیجو پھر اپنی حاجت مانگو کیونکہ خداوند عالم اس سے برتر ہے کہ اس سے دو حاجتیں طلب کی جائیں تو وہ ایک کو پوری کر دے اور ایک کو رد کر دیں۔ (ایضاً، ص 923)

خود اندازہ کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جہاں بھی مدد طلب کی یا طلب کرنے کی نصیحت فرمائی ہے وہ لفظ اللہ اسم خاص استعمال کر کے فرمایا ہے تا کہ تعفن زدہ عقیدہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے اور کسی غلیظ دماغ میں رب کے معنیٰ علی ہوں بھی تو اسے پتہ چل جائے کی مدد صرف اللہ ہی سے مانگنی چاہیے۔ چنانچہ شیعانِ علی کا یہ عقیدہ ریت کی دیوار سے بھی کمزور ثابت ہوا اور شیر خدا کی ایک ہی ضرب نے اسے مسمار کر کے رکھ دیا۔

2۔ بارہ اماموں پر وحی آتی ہے:

سورہ *انا انزلنا* سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ ملائکہ شب قدر میں ہوتا رہتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ نزولِ ملائکہ انبیاء اور اوصیاء پر ہی ہوا کرتا ہے۔ امام مہدی کو اس لیے موجود اور باقی رکھا گیا ہے تا کہ نزولِ ملائکہ کی بنیادی غرض پوری ہو سکے اور شبِ قدر میں ان پر نزولِ ملائکہ ہو سکے۔

(چودہ ستارے، ص 569)

جواب:

یہ ہے اہل تشیع کا عقیدہ جو کہ مرزائیوں سے قطعاً مختلف نہیں۔ اس عقیدے کا بطلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کس انداز سے فرماتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے

رسول اللہ ﷺ کو غسل و کفن دیتے وقت فرمایا:

یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کے رحلت فرما جانے سے نبوت خدائی کام اور آسمانی خبروں کا سلسلہ ختم ہو گیا جو کسی اور نبی ﷺ کے انتقال سے قطع نہیں ہوا تھا۔(نہج البلاغہ، ص640)

اسے کہتے ہیں ذوالفقار حیدری جس نے نہ صرف جسمانی محاذ پر جوہر دکھائے بلکہ فکری محاذ پر بھی دشمنان اسلام کے باطل عقائد کے کشتوں کے پشتے لگادیے۔

3۔امام اپنے سے بعد والے امام کو نص سے مقرر کرتا ہے:

شیعہ کہتے ہیں رسول خدا ﷺ نے علی ابن ابی طالب کو اپنی خلافت کے لیے اختیار کر لیا اور جناب امیر نے مجھے خلافت کے لئے اختیار کر لیا اور میں حسین کو امامت اور خلافت کے لئے اختیار کرتا ہوں۔(جلاء العیون، جلد دوم صفحہ 120)

جواب

چنانچہ اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے کہ بارہ امام کے بعد دیگرے نص سے مقرر کیے گئے۔اس عقیدے کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خطاب سے نتیجہ ہوتا ہے۔

صفین کے موقع پر جب آپ نے اپنے فرزند حسن کو جنگ کی طرف تیزی سے لپکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: میری طرف سے اس جوان کو روکو کہیں اس کی موت مجھے بے حال نہ کردے۔کیونکہ میں ان دونوجوانوں حسن و حسین کو موت کے منہ میں دینے سے بخل کرتا ہوں کہ کہیں ان کے مرنے سے رسول ﷺ کی نسل قطع نہ ہو جائے۔(نہج البلاغہ، ص583)

اب اس عقیدے کا انہدام کس شاندار انداز میں ہوا کے امام اپنے سے بعد والے امام کو خود مقرر کر کے جاتا ہے، امام حسن امام ثانی من اللہ تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہونا چاہیے تھا۔پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر کیوں لاحق ہو گئی کہ امام حسن رضی اللہ

عنہ جنگ میں لقمہ اجل بن جائیں۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے بعد انہیں امام مقرر کرنا تھا۔ اسی طرح امام حسن رضی اللہ عنہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کرنا تھا اور بقول اہل تشیع حضرت محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ (یعنی بارہ امام) قبل از آفرینش سے ہیں اس عہدہ جلیلہ پر فائز چلے آرہے ہیں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے اندازہ ہوا کہ یہ ساری کہانی فرضی ہے نبی ﷺ کے بعد منصوص من اللہ کوئی عہدہ ہی نہیں اللہ انہیں عقل نصیب فرمائے۔

**4۔امام ازل سے ابد تک تمام امور کا عالم ہوتا ہے:**

روافض شیعہ کا کہنا ہے:

ترجمہ: آئمہ گزشتہ اور آئندہ تمام امور کو جانتے ہیں۔ اور ان پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

(الاصول من الکافی، ج1ص260)

**جواب**

یوں تو اس عقیدے کا رد حیات القلوب کی اس روایت سے ہی ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم نے پہچانا یہ کون تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔ رسول ﷺ نے فرمایا وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ (جلد دوم، ص 923)

یعنی اپنے سامنے بیٹھے ہوئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو تو نہ پہچان سکے۔ حالانکہ بقول شیعہ باقر مجلسی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرشتوں کے وزیر اعظم ہیں۔ ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ ماکان مایکون کا علم رکھتے ہیں کتنا غلط ہے۔ اس سلسلے میں عقیدہ نمبر تین میں درج خطبہ ہی کافی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اگر علم ہوتا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے میرے بعد بھی زندہ رہنا ہے اور امامت کرنی ہے تو ہرگز ان کی موت کی طرف سے فکر مند نہ ہوتے۔

بہر حال کچھ خطبات ملاحظہ فرمائیے جن میں زیادہ تفصیل سے اس عقیدے کا رد کیا گیا ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت فرماتے ہیں جو چیز جانتے نہیں ہو اس کے متعلق بات نہ کرو۔ میں نے وصیت کرنے میں جلدی کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت میری طرف سبقت کر جائے اور دل کی بات دل میں رہ جائے۔ اور جو چیز تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اسے اپنی لاعلمی پر محمول کرو کیونکہ جب تم پیدا ہوئے تو کچھ نہ جانتے تھے بعد میں تمہیں سکھایا گیا اور ابھی کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جس سے تم بے خبر ہو اور تم کوشش کے باوجود اپنے سود وبہبود پر اتنی نظر نہیں رکھ سکتے جتنی کہ میں۔ (نہج البلاغہ، 704، 705، 709)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مالک اشتر کو محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی جگہ والی مقرر کیا لیکن راستے ہی میں فوت ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ بلاشبہ جس کو میں نے مصر کا والی بنایا تھا وہ ہمارا خیر خواہ اور دشمنوں کے لیے سخت گیر تھا۔ خدا اس پر رحم کرے اس نے زندگی کے دن پورے کر دیے اور موت سے ہمکنار ہو گیا۔

(نہج البلاغہ، ص724)

درج بالا خطبات اور خطوط سے ہر ذی عقل اندازہ لگا سکتا ہے کہ خدا کے سامنے ہر انسان کتنا بے بس ہے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے اور آئندہ کے تمام امور کا علم رکھتے تھے تو ایسے شخص کو والی کیوں بنایا تھا جس نے جائے تعیناتی پر پہنچنے سے قبل ہی رحلت کر جانا تھا۔

**5۔ امام معصوم عن الخطا ہوتے ہیں:**

شیعہ کہتے ہیں: نیز معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح نبی علیہ السلام کے لئے اس کا معصوم ہونا ضروری ہے اسی طرح امام کا بھی معصوم ہونا ضروری ہے۔ تو امام کا بھی حفظ احکام کے لیے امین اور خطا اور نسیان سے محفوظ ہونا بھی واجب ہے (تحفہ جعفریہ جدید، ص28)

**جواب:**

اس عقیدے کے رد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ یا یہ کہ محمد ﷺ کے لائے ہوئے احکام سے انکار کر دوں لیکن آخرت کی سختیاں جھیلنے سے مجھے جنگ کی سختیاں جھیلنا سہل نظر آیا۔(نہج البلاغہ، ص209)



2۔ اگر میں گناہ کی طرف پلٹوں تو تُو اپنی مغفرت کے ساتھ پلٹ، بارِالٰہی! جس عمل خیر کے بجا لانے کا میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا مگر تو نے اسے پورا ہوتے ہوئے نہ پایا، اسے بھی بخش دے۔ میرے اللہ! زبان سے نکلے ہوئے وہ کلمے جن سے تیرا تقرّب چاہا تھا مگر دل ان سے ہمنوا نہ ہو سکا اسے بھی در گزر کر۔ پروردگار! تو آنکھ کے اشاروں اور ناشائستہ کلموں اور دل کی بری خواہشوں اور زبان کی ہرزہ سرائیوں کو معاف کر دے۔(نہج البلاغہ، ص235)

3۔ اے اللہ! میں تجھ سے پناہ کا خواستگار ہوں۔ تیری ثروت کے باوجود فقیر و تہی دست رہوں۔ یا تیری رہنمائی کے ہوتے ہوئے بھٹک جاؤں۔ اے اللہ! ہم تجھ سے پناہ کے طلبگار ہیں۔ اس بات سے کہ تیرے دین سے پھر جائیں یا تیری طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول کرنے کے بجائے نفسانی خواہشات ہمیں برائی کی طرف لے جائیں۔(نہج البلاغہ، ص603)

4۔ کیونکہ میں اپنے آپ کو اس سے بالاتر نہیں سمجھتا کہ خطا کروں اور نہ اپنے کسی کام کو لغزش سے محفوظ سمجھتا ہوں۔(نہج البلاغہ، ص607)

5۔ کچھ لوگوں نے آپ کے روبرو آپ کی مدح و ستائش کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے خدا جو ان لوگوں کا خیال ہے ہمیں اس سے بہتر قرار دے اور ان لغزشوں کو بخش دے جن کا انہیں علم نہیں۔(نہج البلاغہ، ص838)

6۔ اب تو مجھے ڈر ہے کہ میں ان کو مدد دینے سے کہیں گنہگار نہ ہو جاؤں۔(ایضاً، ص646)

7۔ لیکن مجھے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ چیزیں جن میں لوگوں کے عقائد اور مذہبی خیالات میں اختلاف ہے تم پر اس طرح مشتبہ نہ ہو جائیں جس طرح ان پر مشتبہ ہو گئی ہیں۔ باوجود ان غلط عقائد کا تذکرہ تم سے مجھے ناپسند تھا مگر اس پہلو کو مضبوط کر دینا تمہارے لئے مجھے بہتر معلوم ہوا۔

اس سے کہا تمہیں ایسی صورتحال کے سپرد کردوں جس میں تمہارے لئے ہلاکت وتباہی کا خطرہ ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کی توفیق دے گا اور صحیح راستے کی رہنمائی کرے گا۔ (وصیت نامہ امام حسن، نہج البلاغہ، ص 707)

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ معصوم ہیں تو پھر انہیں اس قسم کی وصیت کرنے کا کیا محل جب کہ معصوم کی سیرت کی حفاظت رب العزت کے ذمہ ہوتی ہے اور بار بار اپنے بارے میں کہنا کہ میں گمراہ نہ ہو جاؤں، گناہگار نہ ہو جاؤں، اے اللہ میری خطاؤں کو معاف فرما۔ آخر کس لیے؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ امام نہیں تھے؟ کیا وہ معصوم نہیں تھے اگرچہ تو پھر یہ ساری گفتگو عبث ہے اور اگر نہیں تھے (یہی حقیقت ہے) تو ہر انسان کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا طلبگار رہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سارے الفاظ نہ صرف برمحل ہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہیں۔

6۔ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد سوائے چار اصحاب کے باقی سب مرتد ہو گئے تھے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے کفر کا اظہار (نعوذ باللہ):

شیعہ مفسر عیاشی نے بسند معتبر حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب جناب رسول خدا ﷺ کی رحلت ہوئی چار اشخاص علیؓ، مقدادؓ، سلمانؓ اور ابو ذرؓ کے علاوہ سب مرتد ہو گئے (نعوذ باللہ)۔ (حیات القلوب ص 923، اسرار آل محمد، ص 23)

جواب:

قارئین کرام! اس گمراہ کن نظریے کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بغور پڑھیئے اور اہل تشیع کی اسلام دشمنی پر ماتم کیجئیے۔

فارس میں شرکت کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم سے اللہ کا ایک وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدے کو پورا کرے گا اور

اپنے لشکر کی خود ہی مدد کرے گا۔ کل اگر آج عجم والے تمہیں دیکھیں گے تو کہیں گے یہ ہے سردار عرب اگر تم نے اس کا قلع قمع کر دیا تو آسودہ ہو جاؤ گے۔ (نہج البلاغہ، ص396)

فلاں شخص کی کارکردگیوں کی جزا اللہ اسے دے انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا، مرض کا چارہ کیا، فتنہ و فساد کو پیچھے چھوڑ گئے، سنت کو قائم کیا، صاف ستھرے دامن اور کم عیبوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے، بھلائیوں کو پالیا اور اس کی شر انگیزیوں سے آگے بڑھ گئے۔ اللہ کی اطاعت بھی کی اور اس کا پورا خوف بھی کھایا۔

ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ لفظ فلاں سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور کلمات انہی کی مدح اور توصیف میں کیے گئے ہیں۔ (نہج البلاغہ، ص629)

ہر ذی عقل اندازہ کر سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی بپا کی ہوئی وہ بے مثل تحریک جس کے بے پناہ ثمرات کے کفار بھی معترف ہیں کو یہ فرقہ جو اپنے آپ کو مسلمان بلکہ مومن کہلانے پر مصر ہے کیسے ناکام قرار دے رہا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جن اصحاب کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں یہ گروہ (شیعہ) انہیں کیا کچھ نہیں کہہ رہا۔ اللہ رب العزت انسان کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

## 7۔ سقیفہ بنی سعد کی کارروائی ایک ڈھونگ تھا:

شیعہ کہتے ہیں کہ: پھر وہ فرصت کو غنیمت سمجھ کر کہ امیر المومنین آنحضرت ﷺ کے کفن میں مشغول ہیں اور بنی ہاشم حضرت محمد ﷺ کے غم میں گرفتار ہیں سقیفہ میں چلے گئے اور آپس میں اتفاق کیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ قرار دیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ایسی ہی سازش تیار کی گئی تھی۔

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت تمام ہو گئی تو ایک شخص امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ منافقوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے۔ اس لیے کہ آپ رضی اللہ

عنہ فارغ ہو جائیں تو آپ کا حق غصب نہ کر سکیں گے۔(حیات القلوب، ج2ص 1027)

جواب:

یوں تو اس بے بنیاد الزام کا ذکر شیعانِ علی کی ہر کتاب، ہر تفسیر، اور ہر محفل میں ہوتا ہے لیکن یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف ایک ہی حوالہ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔



اب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں کیا فرماتے ہیں:

اپنی جان کی قسم! اگر خلافت کا انعقاد تمام افرادِ امت کے ایک جگہ اکٹھا ہونے سے ہو تو اس کی کوئی سبیل ہی نہیں۔ بلکہ اس کی صورت انہوں (اصحابِ سقیفہ) نے رکھی تھی کہ اس کے کرتا دھرتا لوگ اپنے فیصلے کا ان لوگوں کو بھی پابند بنائیں گے جو بیعت کے وقت موجود نہ ہوں گے پھر موجود کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ وہ بیعت سے انحراف کرے اور نہ غیر موجود کو یہ حق ہو گا کہ وہ کسی اور کو منتخب کرے۔(نہج البلاغہ، 463)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

جن لوگوں نے ابو بکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی انہوں نے میرے ہاتھ پر اسی اصول کے مطابق بیعت کی جس اصول پر وہ ان (ثلاثہ) کے ہاتھ بیعت کر چکے تھے اور اس کی بنا پر جو حاضر ہیں انہیں نظر ثانی کا حق نہیں اور جو بروقت موجود نہ ہو اسے رد کرنے کا اختیار نہیں اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین اور انصار کو ہے۔ وہ اگر کسی پر ایکا کریں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا اور خوشنودی سمجھی جائے گی۔ اب جو کوئی اس شخصیت پر اعتراض یا نیا نظریہ اختیار کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے وہ سب اسی طرف واپس لائیں گے جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر انکار کرے تو اس سے لڑیں۔ کیونکہ وہ مؤمنوں (ثلاثہ) کے طریقے سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہو لیا ہے اور جدھر وہ پھر گیا ہے اللہ تعالی بھی اسے ادھر ہی پھیر دے گا۔

(نہج البلاغہ، ص657)

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

کیونکہ یہ بیعت ایک دفعہ ہوتی ہے نہ پھر اس میں نظرثانی کی گنجائش ہوتی ہے، اور نہ پھر سے چناؤ ہو سکتا ہے۔اس سے منحرف ہونے والا نظامِ اسلامی پر منحرف قرار پاتا ہے اور غور اور تامل کرنے والا منافق سمجھا جاتا ہے۔(نہج البلاغہ، ص659)



8۔ علی رضی اللہ عنہ دنیا کے تمام امور انجام دیتے ہیں:

شیعہ کہتے: میں درختوں کے پتوں کو لباس دینے والا ہوں، میں نہروں کو بہانے والا ہوں، میں علم کا خزانہ ہوں، میں چشموں کو جاری کرنے والا ہوں۔(نہج البلاغہ، ج2ص60)

جواب: شیعہ مصنفین کا یہ کمال ہے کہ جتنی بھی من گھڑت کہانیاں بنائی ہوئی ہیں ان کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں بسند معتبر "یا" فی بعض خطبہ" کبھی کوئی حوالہ نہیں دیتے۔ کوئی حوالہ ہو تو دیں۔ بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ یہ سارے کام خود کرتے ہیں یا یہ آپ رضی اللہ عنہ پر بہتان ہے۔ دیکھیں آپ کیا جواب دیتے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اے اللہ میں سفر کی مشقت اور واپسی کا اندوہ اور اہل ومال کی بدحالی کے منظر سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ تو ہی سفر میں رفیق اور بال بچوں کا محافظ ہے۔ سفر و حضر کو تیرے علاوہ کوئی یکجا نہیں کر سکتا۔(نہج البلاغہ، ص203)

بارِ الٰہی! ہر ثناء گستر کے لیے اپنے ممدوح پر انعام و اکرام اور عطا و بخشش پانے کا حق ہوتا ہے اور میں تجھ سے امید لگائے بیٹھا ہوں یہ کہ تو رحمت کے ذخیروں اور مغفرت کے خزانوں کا پتہ دینے والا ہے۔ خدایا یہ تیرے سامنے وہ شخص کھڑا ہے جس نے تیری توحید و یکتائی میں تجھے منفرد مانا اور ان ستائشوں اور تعریفوں کے تیرے علاوہ کسی کو اہل نہیں سمجھا۔ میری احتیاج تجھ سے وابستہ ہے تیری ہی بخششوں اور عنایتوں سے اس کی بے نوائی کا علاج ہو سکتا ہے اور اس کے فقر و فاقہ کو

تیرا ہی جود و احسان سہارا دے سکتا ہے۔ ہمیں تو اسی جگہ پر اپنی خوشنودیاں بخش دے اور دوسروں کی طرف سے دستِ طلب بڑھانے سے بے نیاز کر دے، تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔(نہج البلاغہ، ص285)

خدایا جب ہمیں سخت تنگیوں نے بے چین اور مضطرب کر دیا اور قحط سالیوں نے بے بس بنا دیا اور شدید حاجت مندیوں نے لاچار بنا ڈالا اور منہ زور فتنوں کا ہم پر تانتا بندھ گیا ہے۔اے اللہ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہمیں محروم نہ پلٹا اور نہ اس طرح کہ ہم اپنے نفسوں پر پیچ و تاب کھا رہے ہوں۔اے اللہ تو ہم پر باران و برکت اور رزق و رحمت کا دامن پھیلا دے اور ایسی سیرابی سے ہمیں نہال کر دے جو فائدہ بخشنے والی اور سیراب کرنے والی اور گھاس پات اگانے والی ہو کہ جس سے تو گئی گزری کھیتیوں میں پھر سے روائیدگی لے آئے اور مردہ زمینوں میں حیات کی لہریں دوڑا دے اور ایسی سیرابی ہو کہ جس کی تروتازگی فائدہ مند اور پھلوں کے انبار لیے ہو۔ جس سے تو ہموار زمینوں کو جل تھل بنا دے اور ندی نالے بہا دے اور درختوں کو برگ و بار سے سرسبز کر دے اور نرخوں کو سستا کر دے بلاشبہ تو جو چاہے اس پر قادر ہے۔(نہج البلاغہ 392،93)

یہ وصیت ہے اس بات کی جو فنا ہونے والا ہے۔جو زمانے کی سختیوں سے لاچار ہے۔

(نہج البلاغہ، 703،702)

اور یقین رکھو جس کے ہاتھ میں موت ہے اسی کے ہاتھ میں زندگی بھی ہے۔جو پیدا کرنے والا ہے وہی مارنے والا بھی ہے۔اور جو نیست و نابود کرنے والا ہے۔وہی دوبارہ پلٹانے والا بھی ہے اور جو بیماری ڈالنے والا ہے وہی صحت عطا کرنے والا بھی ہے۔ بہر حال دنیا کا نظام یہی رہے گا جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ نعمتوں کا دینا اور ابتلاء و آزمائش میں ڈالنا اور آخرت میں جزا دینا یا وہ جو اس کی مشیت میں گزر چکا ہے اور ہم اسے نہیں جانتے۔الخ(نہج البلاغہ، 708،709)

یقین رکھو جس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان کے خزانے ہیں اس نے تمہیں سوال کرنے کی

اجازت دے رکھی ہیں اور قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تم مانگو تا کہ وہ دے۔ رحم کی درخواست کرو تا کہ وہ رحم کرے۔ اس نے اپنے اور تمہارے درمیان دربان کھڑے نہیں کیے جو تمہیں روکتے ہوں نہ تمہیں اس پر مجبور کیا ہے کہ تم کسی کو اس کے یہاں سفارش کے لیے لاؤ تب ہی کام ہو اور تم نے گناہ کیے ہوں تو اس نے تمہارے لئے توبہ کی گنجائش ختم نہیں کی ہے نہ سزا دینے میں جلدی کی ہے۔ اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے جب بھی اسے پکارو وہ تمہاری سنتا ہے جب بھی راز و نیاز کرتے ہوئے اس سے کچھ کہو تو وہ سن لیتا ہے، تم اس سے مرادیں مانگتے ہو اور اس کے سامنے دل کے بھید کھولتے ہو اسی سے اپنے دکھ درد کا رونا روتے ہو اور مصیبتوں سے نکالنے کی التجا کرتے ہو اور اپنے کاموں میں مدد مانگتے ہو اور اس کی رحمت کے خزانوں سے وہ چیزیں طلب کرتے ہو جن کے دینے پر کوئی اور قدرت نہیں رکھتا جیسے عمروں میں درازی، جسمانی صحت و توانائی، اور رزق میں وسعت اور اس پر اس نے تمہارے ہاتھوں میں اپنے خزانے کھولنے کی کُنجیاں دے دی ہیں اس طرح کہ تمہیں اپنی بارگاہ میں سوال کرنے کا طریقہ بتایا، اس طرح تم چاہو دعا کے ذریعے اس کی نعمت کے دروازوں کو کھلوالو۔ (نہج البلاغہ 714،713)

اے فرزند میں تمہارے لئے فقر و تنگدستی سے ڈرتا ہوں لہذا فقر و ناداری سے اللہ کی پناہ مانگو۔ (نہج البلاغہ، ص 913)

یوں تو نہج البلاغہ میں درجنوں مقامات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالی کی قدرت اور اپنی بے بسی کا اظہار بڑے واضح انداز میں فرمایا ہے اور قرآن و حدیث سے بھی یہی سبق ملتا ہے انسان سب بے بس ہیں کامل قدرت والا صرف اللہ تعالی ہے۔

لیکن موضوع کو اختصار دینے کے لیے صرف چند حوالے درج کرنے پر اکتفاء کیا ہے جس کی قسمت میں ہدایت ہوئی اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور جو ازلی بد قسمت ہے اس کے مقدر میں رونا بیکار ہے۔

## 9۔قرآن تبدیل اور حدیث جھوٹ کا پلندہ ہے:(نعوذ باللہ)

شیعہ کہتے ہیں: قرآن میں جو کچھ نکالا گیا ہے یہ اس میں تحریف یا ردوبدل کیا گیا ہے اگر میں ان سب کو بیان کر دوں تو بات لمبی ہو جائے اور وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کے اظہار کا تقیہ اجازت نہیں دیتا۔(احتجاج طبرسی، مطبوعہ ایران، ص128)

**جواب:**

شیعان علی کے اس عقیدے کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اور قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے اور اس پر غور و فکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو کہ سینوں کے اندر چھپی ہوئی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔ اور اس کو خوبی کے ساتھ تلاوت کرو کہ اس کے واقعات سب سے زیادہ فائدہ رساں ہیں۔

(نہج البلاغہ، ص329)

اللہ تعالی کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور حضور ﷺ کی سنت کو برباد نہ کرو اور ان دونوں ستونوں کو قائم اور برقرار رکھو اور ان دونوں چراغوں کو روشن کیے رہو۔(نہج البلاغہ، ص402)

حضرت محمد ﷺ تم میں دو چیزیں چھوڑ گئے ہیں جو انبیاء علیہ السلام اپنی امتوں میں چھوڑتے آئے تھے۔ اس لیے کہ وہ طریق واضح نشان محکم قائم کئے بغیر انہیں نہیں چھوڑتے تھے۔ پیغمبر ﷺ نے تمہارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے اس حالت میں کہ انہوں نے کتاب کے حلال و حرام اور واجبات و مستحبات، ناسخ منسوخ، رخص و عزائم، خاص و عام عیر و امثال، مفید و مطلق، مستحکم و متشابہ کو واضح کر دیا، مجمل آیتوں کی تفصیل کر دی، اس کی گتھیوں کو سلجھا دیا اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں جن کے جاننے کی پابندی عائد کی گئی اور کچھ وہ کہ اگر اس کے بندے اس سے ناواقف رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں، کچھ احکام ایسے ہیں کہ جن کا وجود کتاب سے ثابت ہے اور حدیث سے ان کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔(نہج البلاغہ، ص91)

چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں قرآن اپنی اصلی حالت میں حرف بہ حرف موجود ہے اور سیرت پاک جو قرآن کی عملی تفسیر ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرما دیا ہے۔ لٰہذا جو راہ حق کا متلاشی ہے اس کے لئے راہ حق پر چلنا، اسے پانا چنداں مشکل نہیں۔ راہ حق وہی ہے جو کتاب و سنت اور اصحاب رسول ﷺ کی سیرت و میں موجود ہے۔ اسی راہ حق کی طرف رہنمائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں کر رہے ہیں۔



**10۔ بارش علی علیہ السلام برساتے ہیں (معاذاللہ):**

شیعہ کہتے ہیں: جناب علی علیہ السلام فرمائیں میں نے بارش برسائی، ہواؤں کو چلایا۔ بیماروں کو صحت دی تو درست، یا فرمادیں میں دینے والا ہوں تو درست ہے، کوئی گناہ نہیں ہے یہ کہنا کہ ہر چیز اللہ ہی کرتا ہے غلط ہے۔ (جلاء العیون، ص 79)

**جواب:**

اب اس عقیدے کے بارے میں ان ہی کی ایک کتاب (اصل و اصول) شیعہ کا ایک اقتباس پڑھ لیں۔ اور اگر رزق و خلق یا موت و حیات کو کوئی شخص خُدا کے علاوہ کسی اور سے منسوب کرے تو اسے کافر اور مشرک اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ (اصل و اصول شیعہ، ص 128)

آیت اللہ محمد حسین آل کاشف الفطاء مصنف کتاب، اصل و اصول شیعہ نے خود ہی مسئلہ حل کر دیا۔ ملا باقر مجلسی جیسے سینکڑوں مصنفین اور لاکھوں اہلِ تشیع کو کافر اور مشرک قرار دے دیا۔ اب ہمیں اپنے قلم اور زبان کو تکلیف دینے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ گھر کا کام گھر میں ہی ہو گیا۔ لیکن میں نے ان کے عقائد کا رد نہج البلاغہ سے کرنا ہے۔ لٰہذا دیکھتے ہیں کہ نہج البلاغہ ان عقائد کے بارے میں کیا حکم صادر کرتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تُو ہم پر باران و برکت اور رزق رحمت کا دامن پھیلا دے اور ایسی سیرابی سے ہمیں نہال کر دے

جو فائدہ بخشنے والی اور گھاس پات اگانے والی ہو۔اور زمینوں کو جل تھل کر دے اور ندی نالے بہا دے اور درختوں کو برگ و بار سے سر سبز کر دے اور نرخوں کو سستا کر دے بلاشبہ تُو جو چاہے اس پر قادر ہے۔(نہج البلاغہ، ص 393)



## حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق شیعہ کے باطل عقائد:

سیّدنا علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہ جبرئیل امین علیہ السلام علیحدہ قُرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

(بحارالانوار، ج9 ص439)

سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیّدنا علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہ ہم مرتبہ تھے۔

(بحارالانوار، ج1 ص443)

آسمان پر فرشتوں کے جھگڑے مِٹانے کے لیے اللہ تعالٰی نے سیّدنا علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ (بحارالانوار، ج2 ص243)

سیّدنا علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہ کی ولایت کے بغیر توحید بھی درست و جائز نہیں۔

(بحارالانوار، ج9 ص444)

حشر کے روز بہشت و دوزخ کی چابیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیّدنا علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہ کے سپرد کریں گے۔ (بحارالانوار، ج9 ص454)

ابو جعفر کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہی اللہ تعالٰی کا منہ ہوں اور میں ہی اللہ تعالٰی کا پہلو ہوں اور میں ہی اوّل ہوں اور میں ہی ظاہر ہوں اور میں ہی باطن ہوں اور میں ہی ساری دُنیا کا وارث ہوں۔ میں ہی سبیل اللہ ہوں۔

(بحارالانوار، ج9 ص492)

سیّدنا علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہ کے فضائل شمار میں آنے ناممکن ہیں۔

(بحارالانوار، ج9 ص506)

90,000فرشتے سیّدنا علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہ کی عبادت کرتے ہیں۔

(بحارالانوار، ص518)

صاحبانِ عقل! کیا شیعانِ علی اس نام کے مصداق ہیں؟ کیا وہ شیعانِ علی کہلانے کے مستحق ہیں؟ قطعاً نہیں۔ بلکہ اپنے نظریات و عقائد کے مطابق تو وہ دُشمنانِ علی رضی اللہ عنہ اور دُشمنانِ اِسلام جیسے نام رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور حقیقی محب علی اور محب محمد ﷺ کہلانے کے مستحق صِرف ہم ہیں کیونکہ محمد ﷺ و علی رضی اللہ عنہ کے اقوال و سیرت کی پیروی کرنے والے ہم اُن سے دلی محبت کرنے والے ہم، اُن کا حقیقی احترام کرنے والے ہم، اُن کے مشن کو جاری رکھنے والے ہم، اُن کے منشور کو اس دُنیا پر نافذ کرنے کے لئے جان و مال کی قُربانی دینے والے ہم

ستم یہ کہ طعنہ ہمیں دیا جاتا ہے کہ ہم بُغض علی رضی اللہ عنہ رکھتے ہیں۔ یعنی "چور پُکارے چور چور"۔

## 6۔روافض کا عقیدہ تحریف قرآن

آج کل کے اہل تشیع حضرات یا تو اپنی مذہبی کتابوں سے مکمل ناواقفی کی وجہ سے یا کسی ماحول کے باعث بطور تقیہ قرآن کریم کو خدا کا کلام کہتے ہیں مگر بانیان مذہب تشیع اور رازداران مذہب تشیع کا ایمان قرآن کریم پر نہیں۔اس قرآن کریم کو اسی وجہ سے ہر صریح جھوٹ بولتے وقت پھٹ سے سر پر رکھ دیتے ہیں اور ایسی حالت میں جھوٹ بولنے میں ذرہ برابر تامل نہیں کرتے۔ جیسے کوئی مسلمان جھوٹ بولتے ہوئے ہندوؤں کی پوتھی وغیرہ سر پر رکھ لے۔شیعوں کے مذہبی پیشوا مطلقاقرآن کا انکار ظاہر کرتے ہیں بلکہ جو قرآن کریم حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تمام حفاظ صحابہ کو طلب فرما کر جمع فرمایا جو آج ہمارے سینوں میں ہے اور مسلمانوں کی ہر مسجد میں جس کو بچے سے لے کر بوڑھے تک پڑھتے ہیں اور جو مسلمانوں کے سات سات سال عمر کے بچوں کو یاد ہے جس کو رمضان المبارک میں نماز تراویح میں ختم کیا جاتا ہے جس کے تیس پارے ہیں جو سورۂ فاتحہ سے شروع ہوتا اور سورۂ ناس پر ختم ہوتا ہے۔ بانیان مذہب شیعہ نے اس کا انکار کیا اور جب بھی اپنا ایمان قرآن پر ثابت کرتے ہیں تو اپنا موہوم قرآن (ستر گزوالا جس نے قیامت سے پہلے لوگوں کو ہدایت کیلئے منہ نہیں دکھانا، حلال وحرام کی تعلیم صرف قیامت کو دے گا) ہی مراد لیتے ہیں تو پھر جس قرآن پر ان کا ایمان نہیں اس کو ہزار دفعہ جھوٹ بولتے وقت سر پر رکھیں۔ان کے مذہب کو کیا نقصان ہو سکتا ہے؟قرآن کریم پر مدعیان تولی کے ایمان کا نمونہ اصل عبارت میں پیش کرتا ہوں۔تاکہ اہل علم لوگ تصدیق کر سکیں۔

(اصول کافی، ص نمبر 671)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے جمع کرنے اور اس کی کتابت سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے کہا کہ یہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔جیسا کہ اللہ تعالی نے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل

فرمایاہے اور میں نے دو لوحوں سے اس کو اکٹھا کیا ہے۔ جس پر لوگوں نے کہا کہ یہ ملاحظہ فرمالو کہ ہمارے پاس مصحف مبارک جامع موجود ہے جس میں قرآن ہی ہے۔ ہمیں آپ کے لائے ہوئے قرآن کی ضرورت نہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کی قسم آج کے بعد تم اس کو بھی نہ دیکھو گے میرے لئے ضروری تھا کہ جب میں نے اس کو جمع کیا ہے تو تمہیں اس کی خبر دوں تا کہ تم اس کو پڑھتے۔اب حسب روایت (اصول کافی) امام عالی مقام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث اور امام عالی مقام سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قسم اٹھانا کہ آج کے دن کے بعد بھی تم اس کو نہ دیکھو گے۔ تو اس کے باوجود جو قرآن اہل تشیع دیکھتے ہیں اور اہل سنت سے سنتے ہیں جس کو اہل سنت یاد کرتے ہیں۔ تراویح میں مکمل کرتے ہیں جس کو امیر المومنین عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے۔ یہ تو بہر صورت وہ قرآن نہیں ہو سکتا جو قیامت سے پہلے آہی نہیں سکتا۔ اسی (اصول کافی ص670) پر امام عالی مقام موسی کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کہ آپ کے ایک شیعہ صاحب بنام "احمد بن محمد" کہتے ہیں کہ مجھے امام موسی کاظم رضی اللہ عنہ نے مصحف مبارک عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس کو کھول کر مت دیکھنا۔ میں نے کھولا اور دیکھا اور سورۃ (لم یکن الذین الخ) پڑھی تو میں نے اس سورت میں قریش کے 70 آدمیوں کے نام بمعدان کے آباء کے نام لکھے ہوئے موجود پائے تو امام صاحب نے میری یہ شان تعمیل حکم دیکھ کر میری طرف آدمی بھیجا کہ میرا قرآن مجھے واپس کر دو۔ یہ واپسی کا قصہ تو اس ضرورت کے ماتحت گھڑنا پڑا کہ کوئی کہہ دے کہ امام صاحب کا لکھا ہوا قرآن ہمیں بھی دکھاؤ تو فصاحت و بلاغت قرآن سے ملتی جلتی عبارت کہاں سے پیدا کی جاتی بہر حال وہ قرآن جس کی سورۃ (لم یکن الذین )میں قریش کے 70 آدمیوں کے نام ہوں اور ان کے آباء کے نام ہوں وہ کوئی اور ہی ہے جس پر اہل تشیع کا ایمان ہے۔ یہ قرآن نہیں۔اہل تشیع کے مجتہد اعظم نے اپنی کتاب (فصل الخطاب

)میں تو ایمان بالقرآن کا قصہ ہی ختم کر دیا ہے۔(اصول کافی صفحہ 671)کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کریں جس کے لفظ بلفظ ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔اہل علم حضرات منطبق فرمالیں "امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ جو قرآن حضور اکرم ﷺ کی طرف جبریل علیہ السلام لائے تھے۔اس کی 17000 آیتیں تھیں اور اہل سنت وجماعت غریبوں کے پاس تو صرف 6666 آیات پر مشتمل قرآن حکیم ہے اگر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اہل تشیع کا قرآن کریم سے انکار دیکھنا چاہیں تو(اصول کافی ص 261 تا ص 268 ص 670،671)کا مطالعہ فرمائیں اور ایمان بالقرآن کی داد دیں کہ ایک سے دوسری روایت بڑھ چڑھ کر انکار قرآن میں وارد ہے اور کتاب(تاریخ التواریخ جلد 2 ص 494،493)پر تو اس قرآن کریم کے انکار پر شیعوں کا اجماع ثابت ہے اور اس قرآن کریم میں ردوبدل اور اس کی تنقیص میں تو ایک سے بڑھ کر ایک روایتوں کے انبار لگائے گئے ہیں۔(تفسیر صافی جلد اول ص 14)میں قرآن کی تحریف اور اس میں ردوبدل ثابت کرنے کے کمال دکھائے گئے ہیں اور مصنف(کافی یعقوب کلینی)اور ان کے استاد علی بن ابراہیم قمی کا اس بارے میں غلو ثابت کیا گیا۔ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

شیعوں کے بڑے بڑے علماء جو پہلی صدی سے تیرہویں صدی کے طویل ادوار میں پیدا ہوتے رہے کا اجتماعی طور پر اس عقیدہ پر اتفاق ہے کہ قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل واقع ہوا ہے۔ ماسوا چار اشخاص کے کہ انہوں نے اس عقیدہ کی صراحت نہیں کی ہے،ان کے علاوہ ان کے باقی محدثین اور مفسرین قرآن میں تحریف کی صراحت کرتے ہیں۔میں یہاں ان بڑے شیعی علماء کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اپنی معتمد مؤلفات میں قرآن میں تحریف کے عقیدہ و دعوی کو کھل کر بیان کیا ہے۔جس سے قرآن میں تحریف کا دعوی ثابت ہوتا ہے۔میں کوشش کروں گا کہ ان علماء کے تذکرہ کے دوران ان کے زمانہ کی ترتیب کو ملحوظ رکھوں اور ان کی وفات کی تاریخ کو بھی بیان کروں۔

**ان کا پہلا عالم:**

سلیم بن قیس الھلالی متوفی 90ھ ہے اس نے اپنی کتاب (سلیم بن قیس) میں ایسی متعدد روایات درج کی ہیں جن کا لب لباب یہ ہے کہ قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے۔انہی روایات میں سے ایک روایت علی بن ابی طالب سے اس کی اپنی سند کے ساتھ موجود ہے۔

(کتاب سلیم بن قیس،122)اس میں ہے:

سورۃ الاحزاب سورۃ البقرہ کے مساوی تھی اور سورۃ نور کی 160 آیات تھیں، حجرات کی 60 آیات اور سورۃ الحجر کی 190 آیات تھیں (یہ تحریف نہیں) تو پھر کیا ہے؟

شیعی امام سلیم بن قیس کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ الاحزاب جس کی آیات کی تعداد 73 ہے اصل میں اور تحریف کے بغیر 280 آیات پر مشتمل سورۃ البقرہ کے مساوی تھی۔ سورۃ النور سلیم بن قیس کے موقف کے مطابق 160 آیات پر مشتمل تھی جب کہ موجودہ مصحف میں یہ سورۃ مبارکہ کل 64 آیات پر مشتمل ہے۔سورۃ الحجرات کی سلیم بن قیس کے نزدیک 60 آیات تھیں جبکہ موجود مصحف میں یہ سورۃ کل 18 آیات پر مشتمل ہے۔ سورۃ الحجرات ان کے مذہبی قائد سلیم بن قیس کے نزدیک 190 آیات کی تھی لیکن مسلمانوں کے پاس موجود محفوظ قرآن کریم میں یہ کل 99 آیات پر مشتمل ہے۔شیعہ امامیہ کے علماء کا اور ان کے انتہائی سر کردہ اولین عالم سلیم بن قیس کا یہی عقیدہ ہے کہ قرآن کریم میں سے ایسی آیات کو بڑی مقدار میں نکال دیا گیا ہے جو اہل بیت کی فضیلت پر اور خاص طور پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب پر مشتمل تھیں۔

**ان کا دوسرا عالم:**

محمد بن حسن الصفار المتوفی (290ھ) ہے اس نے اپنی کتاب (بصائر الدرجات) میں ابو جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: لوگوں میں سے جو شخص بھی یہ دعوی

کرتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کو اس کے نزول کے مطابق جمع کیا ہے تو وہ کذاب ہے۔اس لیے کہ نزول کے مطابق قرآن کو صرف علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اور ان کے بعد آنے والے ائمہ نے ہی محفوظ اور جمع کیا ہے۔(بصائر الدرجات للصفار، 213)



ان سے ایک دوسری روایت یوں بیان کرتا ہے: ائمہ کے علاوہ کوئی شخص یہ دعوی کرنے میں حق بجانب نہیں ہے کہ اس نے قرآن اس کے ظاہر و باطن سمیت مکمل طور پر جمع کیا ہے۔

**ان کا تیسرا عالم:**

علی بن ابراہیم القمی المتوفی 307ھ ہے اس نے اپنی تفسیر کے پہلے جزء میں مقدمہ کے اندر یہ لکھا قرآن میں ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی ہے،اس میں محکم بھی ہے اور تشابہ بھی،اس میں عام بھی ہے اور خاص بھی۔اس میں تقدم بھی ہے اور تاخر بھی اس میں مستقل بھی اور معطوف بھی،اس میں ایک کلمہ کی بجائے دوسرا کلمہ بھی ہے اور اللہ کے اتارے گئے کلام کے مخالف بھی۔
(تفسیر القمی:1/8)

پھر اس نے حدود پامال کرتے ہوئے اور بہتان طرازی کرتے ہوئے قرآن کریم سے اپنے مزعومہ موقف کی صداقت کے لیے کئی مثالیں بھی درج کی ہیں، وہ اپنی بیان کردہ مثالوں میں تغیر و تبدل کرتا ہے اور آیات کو آگے پیچھے کرتا ہے وہ یہ سب کچھ کتاب اللہ میں اپنے یہودی استازوں کی مکمل موافقت میں کرتا ہے جو آیات کو ایک جگہ سے ہٹا کر اپنی مقدس کتاب میں تحریف کیا کرتے تھے۔(العیاذ باللہ)

**ان کا چوتھا عالم:**

قمی کے بعد اس کا شاگرد محمد بن یعقوب الکلینی المتوفی 338 ہے جسے شیعوں کے بہت بڑے محدث ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔اس نے ان کے لیے (الکافی) لکھی ہے جسے شیعہ کے نزدیک وہی مرتبہ دیا جاتا ہے جو صحیح البخاری کو اہل سنت کے نزدیک دیا جاتا ہے۔ذرا دیکھیے تو شیعی کلینی

نے اپنی کتاب الکافی میں کیا لکھا ہے؟ کلینی نے علی بن محمد سے اس کے بعض شاگردوں کے واسطہ سے محمد بن محمد بن ابی نصر سے یہ روایت نقل کی ہے:(اصول الکافی ج2ص 631)

احمد بن محمد بن ابی نصر کا بیان ہے کہ ابوالحسن نے ایک مصحف میرے سپرد کیا اور کہا:

اس میں دیکھنا نہیں ہے۔ میں نے اسے کھولا اور اس میں میں نے (لم یکن الذین کفرو)(یعنی سورہ البینہ) کی تلاوت کی میں نے اس میں قریش کے 70اشخاص کے نام اور ان کے آباء کے نام لکھے دیکھے۔ احمد بن محمد بن نصر کہتا ہے کہ پھر ابوالحسن نے میری طرف پیغام بھیجا کہ یہ صحف ان کی طرف بھیج دوں، چنانچہ میں نے یہ صحف ان کی طرف بھیج دیا۔

کلینی نے ابوعبداللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: وہ قرآن جسے جبریل علیہ السلام محمد ﷺ کی طرف لائے تھے وہ 70000آیات پر مشتمل تھا۔ اس قول کی رو سے تو یہ لازم آتا ہے کہ قرآن کریم کے دو تہائی حصے غائب ہو گئے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ شیعوں کے امام کلینی نے ایک روایت کے مطابق یہ کہا ہے کہ ان کے پاس ایک دوسرا قرآن ہے جو مسلمانوں کے پاس موجود قرآن کریم سے تین گنا زائد ہے۔

کافی کی کتاب (الحجتہ) میں ہے: ابو بصیر ابو عبداللہ سے بیان کرتا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ہمارے پاس فاطمہ سلام اللہ علیہا کا مصحف موجود ہے۔ لوگوں کو کہا: معلوم کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا مصحف کیا ہے؟ راوی کہتا ہے: میں نے کہا: فاطمہ سلام اللہ علیہا کا مصحف کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ جو مصحف تمہارے اس قرآن سے تین گنا زائد ہے۔ اللہ کی قسم! اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی موجود نہیں ہے۔

## ان کا پانچواں عالم:

یہ ان کا امام محمد بن مسعود بن لیاش المعروف بالعیاش ہے اس کا شمار ان کے مشہور شیعی علماء میں ہوتا ہے جن کو خصوصی طور پر قرآن کریم میں تحریف کے عقیدہ کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی

ہے۔ان میں امام عیاشی بھی ہے۔ یہ (تفسیر العیاشی) کا مولف ہے اس تفسیر کو شیعوں میں اہم ترین اور قدیم ترین تفسیر کا مرتبہ حاصل ہے۔ عیاشی نے اپنی اس تفسیر کے پہلے جزو میں یہ روایت درج کی ہے: اگر قرآن کو اس کے نزول کے مطابق پڑھا جائے تو تمہیں اس کے اندر ہمارے نام لکھے ہوئے مل جائیں گے۔(تفسیر العیاش ج 13/1)

یعنی اگر قرآن میں تحریف کا ارتکاب نہ ہو چکا ہوتا تو آپ کو قراءت کے دوران اہل بیت کے نام لکھے ہوئے ملتے۔ لیکن اس میں صحابہ نے (بقول عیاشی بموجب عقیدہ شیعہ) تحریف کر دی ہے اور انہیں بدل ڈالا ہے۔

اس تفسیر میں ابو جعفر سے ان کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے:

قرآن میں سے بہت ساری آیات کو نکال دیا گیا ہے۔اس میں صرف ایک حرف کا اضافہ کیا گیا ہے جو کاتبوں کی غلطی اور وہم کا نتیجہ ہے۔(تفسیر عیاشی 1/180)

**ان کا چھٹا عالم:**

امام المفید المتوفی 413ھ ہے جسے شیعی عقائد کا موس اور بانی قرار دیا جاتا ہے،اس نے تحریف کے عقیدہ کے متعلق باقی تمام اسلامی فرقوں کے مقابلہ میں اپنے علماء کا اجماع نقل کیا ہے،اس شیعی عالم مفید نے اپنی کتاب (اوائل المقالات) میں لکھا ہے: شیعوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گمراہ اماموں (یعنی صحابہ) نے قرآن کی بہت ساری تراکیب میں مخالفت کی ہے۔اور انہوں نے قرآن کے اور سنت نبی ﷺ کے تقاضوں سے انحراف کیا ہے۔ جبکہ معتزلہ، خوارج، مرجہ اور محدثین امامیہ کی بیان کردہ تمام باتوں کی مخالفت پر متفق ہیں (اوائل المقالات، 48)

**ان کا ساتواں عالم:**

ابو منصور الطبرسی المتوفی 620ھ ہے۔اسی طبرسی نے ان کی کتاب (الاحتجاج) میں سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے:

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق مہاجرین وانصار کی طرف لائے۔ اور اسے ان پر پیش کیا۔ جب اسے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھولا تو کھولتے ہی پہلے ہی صفحہ پر انہیں قوم یعنی صحابہ کی برائیوں کے تذکرے نظر آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے اٹھے اور کہنے گئے، علی! تم اسے واپس لے جاؤ، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ اسے اٹھا کر واپس چلے گئے۔ پھر انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو قرآن کے قاری تھے بلایا۔ اس سے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ علی قرآن لایا ہے لیکن اس میں مہاجرین وانصار کے عیوب مذکور ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ ایک قرآن کو جمع کریں اور اس میں سے مہاجرین وانصار کے عیوب و نقائص کو خارج کر دیں، تو زید رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق تعمیل کر دی۔ (کتاب الاحتجاج للطبرسی، 156)

بلکہ طبرسی کا تو یہ دعوی ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن میں جہاں جرائم کا ذکر کیا ہے وہیں اس نے ان جرائم کے مرتکبین کے ناموں کی بھی صراحت کر دی تھی لیکن صحابہ نے ان ناموں کو حذف کر دیا۔ اس طرح یہ واقعات اور قصے وضاحت کے بغیر ادھورے رہ گئے۔ اس نے اپنی کتاب (الاحتجاج) میں لکھا ہے: قرآن کریم میں بڑے بڑے جرائم کرنے والے منافقوں کے متعلق اشارہ و کنایہ کا انداز اللہ تعالی کی طرف سے قطعا نہیں ہے بلکہ یہ قرآن میں تغیر و تبدل کرنے والوں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا ہے۔ (مزید کتاب) یہ قرآن کو بدلنے والوں کا کام ہے۔ جنہوں نے قرآن کو تقسیم کر دیا۔ اور دین کے بدلہ میں دنیا کو خرید لیا۔

یہ ہے شیعوں کے امام طبرسی کا قرآن کریم کے متعلق عقیدہ، اس نے جتنا کچھ ظاہر کیا ہے یہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو اس نے اپنے نفس میں پوشیدہ رکھا ہے اور یہ سب کچھ منافقت اور دھوکہ جسے وہ تقیہ کا نام دیتے ہیں کی بنیاد پر ہے اس کے خیالات و نظریات کی نسبت سے دیکھا جائے، تو

یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جس کی طرف طبرسی نے خود ہی اپنی اس کتاب میں یوں نشاندہی کر دی ہے لکھتا ہے: اگر میں ساقط کیے گئے تحریف یا تبدیل کر دیئے گئے ہر مقام کی تیرے سامنے مکمل تشریح کر دوں تو کلام حد سے زیادہ لمبی ہو جائے۔ اور اولیاء کے فضائل اور دشمنوں کے عیوب و نقائص تمام کے تمام ظاہر ہو جائیں۔ جس کے اظہار میں تقیہ مانع ہے۔ (الاحتجاج، 254)



**ان کا آٹھواں عالم:**

یہ ان کا امام الفیض الکاشانی التوفی 1091ھ ہے۔ اس کا شمار کبار شیعی مفسرین و علماء میں ہوتا ہے یہ (تفسیر الصافی) کا مؤلف ہے اس نے اپنی اس کتاب کی تمہید میں بارہ مقدمات لکھے ہیں ان میں چھٹے مقدمہ کو اس نے قرآن کریم میں تحریف کے ثبوت کے لیے مختص کیا ہے۔ اور اس مقدمہ کا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے:

یعنی قرآن کے جمع میں کی گئی تحریف زیادتی، اور کمی کے متعلق مجموعے اور ان سب کی حقیقت کا بیان۔ پھر یہ مؤلف اپنے متعدد مستند مصادر سے نقل کردہ ایسی روایات جو قرآن میں تحریف کے اثبات پر مشتمل ہیں کو بیان کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے، کہتا ہے:

(تفسیر الصافی 44/1)

ان احادیث سے اور ان کے علاوہ اہل بیت سے مروی دوسری روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے درمیان موجود ہے، یہ پورے کا پورا وہ قرآن نہیں ہے جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا تھا بلکہ اس میں اللہ کے اتارے گئے کلام کے خلاف بھی مجموعہ ہے، تبدیل شدہ اور تحریف شدہ آیات بھی ہیں۔ اس میں بہت سی اشیاء کو خارج کر دیا گیا ہے، علی کے نام کو بیشتر مقامات سے ہٹایا گیا ہے، آل محمد ﷺ کے الفاظ کو متعدد مقامات سے حذف کیا گیا ہے، منافقین کے ناموں کو تمام جگہوں سے ساقط کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ردوبدل بھی کیے گئے ہیں، پھر یہ قرآن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پسندیدہ ترتیب پر بھی قائم نہیں ہے۔

شیعوں کے عقیدہ کے مطابق قرآن کریم میں حذف شدہ آیات کی تین اقسام ہیں۔

**پہلی قسم:**

مکمل سورتوں کا حذف، یعنی قرآن کریم میں سے کافی ساری مستقل سورتوں کو حذف کر دیا گیا۔



**دوسری قسم:**

حذف کی دوسری قسم یہ ہے کہ بعض آیات کو قرآن کریم سے ساقط کر دیا گیا ہے۔

**تیسری قسم:**

شیعہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق کچھ کلمات کو آیات سے حذف کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ائمہ اور اولیاء کے نام وغیرہ۔

**ان کا نواں عالم:**

یہ ان کا امام ملا باقر مجلسی المتوفی 1111ھ ہے۔ یہ شیعوں کا شیخ الاسلام ہے۔ اس نے اپنے (بحار الانوار) نامی انسائیکلوپیڈیا میں ایسی سینکڑوں روایات درج کر دی ہیں جن میں کھلی صراحت موجود ہے کہ قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے۔ انہی روایات میں سے ایک یہ ہے:

ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے، اللہ کی قسم! اللہ نے اپنی کتاب میں اپنے فرمان ہائے میری شامت، کاش! میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا'' میں کنایہ و اشارہ فرمایا ہی نہیں ہے، بلکہ علی رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اسکی کھلی صراحت مذکور ہے اس میں ہے "ہائے میری شامت، کاش! میں نے دوسرے کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (بحار الانوار، 19/4)

اس روایت میں "دوسرے" کے لفظ سے شیعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ابو بکر رضی اللہ عنہ معاذاللہ عمر رضی اللہ عنہ سے اظہار براءت کریں گے اور یہ الفاظ بولیں گے۔ جو شخص مزید مطالعہ کا خواہشمند ہے اسے چاہیے کہ وہ (بحار الانوار) کی جلد نمبر 24 کا مطالعہ کرے۔ اس میں دسیوں صفحات شیعہ امامیہ کے اس عقیدہ کی تشریح کے

لیے بھرے ملیں گے کہ قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے۔اور اسے نظر آجائے گا کہ اس عقیدہ میں قائدانہ کردار شیعی امام محمد باقر مجلسی نے ادا کیا۔



## ان کا دسواں عالم:

یہ ان کا امام نعمۃ اللہ الجزائری المتوفی 1112ھ ہے۔اس نے اپنی کتاب (الانوار النعمانیہ) میں صحابہ رضی اللہ عنہ پر قرآن کریم میں تحریف کی تہمت عائد کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔

موضوع روایات کی کثرت و بہتات تجھے حیرت کا شکار نہ بنا دیں،اس لیے کہ ان لوگوں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہ) نے نبی ﷺ کے بعد ہی دین کو بدل ڈالا تھا بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ سنگین جرم کے مرتکب ہو گئے۔قرآن کو بدل ڈالا کلمات میں تحریف کر دی اور قرآن میں مذکور آل رسول ﷺ اور آئمہ کے فضائل و مدائح کو ساقط کر دیا اور منافقوں کے عیوب و جرائم کو بھی قرآن سے نکال دیا۔(الانوار النعمانیہ،1/79)

اس ساری بحث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ شیعوں اور ان کے یہودی آقاؤں کے درمیان اللہ تعالی کی کتب میں تحریف کے جرم میں کس قدر قوی مشابہت موجود ہے۔

## 7۔ ماتم، تعزیہ سازی، نوحہ



1۔(ماتم) عربی زبان کا لفظ ہے، دراصل کسی غم یا خوشی میں مردوں اور عورتوں یا صرف عورتوں کے اجتماع کو (ماتم) کہا جاتا ہے، پھر کسی کی موت پر عورتوں کے اجتماع کو (ماتم) کہا جانے لگا۔ ہمارے عرف میں میت پر نوحہ گری اور خلافِ شرع افعال کرنے کو (ماتم) کہتے ہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ غزوہ احد سے جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو بنو عبد الاشہل کی کچھ عورتوں کو اپنے شہداء پر روتا ہوا پایا، یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں، یہ سن کر انصار کی کچھ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونا شروع کر دیا، حضور ﷺ جب اٹھے اور ان کو دیکھا تو منع فرمایا اور فرمایا کہ آج کے بعد کسی مردے پر کوئی نہ روئے۔

حضور ﷺ نے پہلی بات اپنے غم کے اظہار کے لیے فرمائی تھی، اس کا مقصد ماتم کا حکم دینا نہیں تھا، اسی وجہ سے بعد میں رونے سے منع فرمادیا، اگر ماتم اور نوحہ کرنے کا حکم دینا مقصود ہوتا تو بعد میں منع نہ فرماتے، بہر حال حدیث شریف کا آخری حصہ ماتم اور نوحہ وغیرہ کی ممانعت کے لیے کافی ہے، نیز دیگر احادیث میں بھی بصراحت میت پر باآوازِ بلند گریہ کرنے، گریبان چاک کرنے اور گال پیٹنے وغیرہ سے منع کیا گیا ہے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (307/12)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا" : جو گال پیٹے، گریباں پھاڑے، اور جاہلیت کی پکار پکارے ہم میں سے نہیں"۔ صحیح البخاری/الجنائز 35 (1294)، المناقب 8 (3519)، سنن الترمذی/الجنائز 22 (999)، سنن ابن ماجہ/الجنائز 52 (1584)، (تحفۃ الأشراف: 9559)، مسند احمد 1/386، 442 (صحیح)

## نوحہ وماتم اور تعزیہ سازی کی رسم کہاں سے اور کب سے ؟

شیعہ مولف نے اپنے رسالہ (عزاداری کی تاریخ) کے بارے میں لکھا ہے کہ عزاداری کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ شیعی مولف رسالہ (ص 5) نے لکھا ہے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد عزاداری بمعنی گریہ وماتم کی ابتداء یزید کے گھر سے ہوئی۔

اسی طرح (ناسخ التواریخ ص 278) اور (منہج ص 328) میں اس ماتم کا ذکر ہے۔

پھر شیعہ مولف رسالہ میں لکھتا ہے: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد 300 برس تک عشرہ محرم میں رونے پیٹنے کی رسم کا کہیں وجود نہ تھا۔ 352ھ میں سب سے پہلے معزالدولہ ویلمی نے صرف دسویں محرم کو بغداد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ماتم کرنے کا حکم نافذ کیا اور اس کے بعد 363ھ میں المعز لدین اللہ فاطمی نے مصر میں بھی حکم جاری کیا (ص 10،11)۔

ہندوستان میں چھٹی صدی ہجری تک گریہ ماتم کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

ہندوستان کے سواد نیا میں کہیں بھی تعزیے نہیں بنتے اور ہندوستان میں بھی آٹھویں صدی تک اسکا کوئی نشان نہیں ملتا۔ (ص 30،31)

## تعزیہ سازی کا آغاز

یہ تو ابھی صرف گریہ وماتم اور نوحہ وزاری کی تاریخ ہے ابھی تعزیہ داری کو لیجئے تو یہ ایک ایسی بدعت ہے کہ ہندوستان کے سوا کسی جگہ کسی عہد میں اس کا نام ونشان نہیں پایا جاتا اور ہندوستان میں بھی خود مولف کے بیان کے مطابق قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے زمانہ تک (یعنی نویں صدی ہجری تک (اس کا پتہ نہیں چلتا، تاریخیں، سفر نامے اور دوسرے مظان کل کے کل خاموش ہیں تیمور لنگ کو اس کا موجد قرار دینا عامیانہ روایت پر مبنی ہے مولف خود تصریح کرتا ہے کہ اس کا تاریخی ثبوت اب تک فراہم نہیں کیا جاسکا ہے۔ (ص 41 رسالہ عزاداری کی تاریخ)

## شیعہ کتب سے ماتم کی ممانعت:



شیعوں کی (تفسیر قمی) میں ہے کہ ام حکیم بنت حارث بن عبدا نے حضور ﷺ سے پوچھا:

یارسول اللہ ﷺ! "معروف" کے بارے میں ہمیں کیا حکم فرمایا ہے کہ ہم آپ کی نافرمانی نہ کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا: رب تعالی کے فرمان "معروف" کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے منہ نہ نوچو، رخساروں پر طمانچے نہ مارو، بال نہ بکھیرو، کرتے چاک نہ کرو، کپڑوں کو سیاہ نہ بناؤ، ہائے ہائے اور بربادی بربادی نہ چیخو، قبر کے پاس نہ کھڑی ہو۔ تو ان شرطوں کے ساتھ حضور نے عورتوں کی بیعت لی۔ (تفسیر قمی، ج2ص364، اصول کافی، ج5ص527، تفسیر صافی، ص531، حیات القلوب، ج2ص460، مرأۃ العقول، ج1ص514)

"ولا یعصیلک فی معروف" سے مراد یہ ہے کہ نوحہ سے باز رہیں، کپڑے پھاڑنے، بال اور منہ نوچنے اور مرنے والوں پر واویلا کرنے سے پرہیز کریں۔ (تفسیر مجمع البیان، ج9ص276)

(فروع کافی) میں بھی ام حکیم بنت حارث کی روایت کچھ زیادتی کے ساتھ تحریر ہے۔ ملاحظہ ہوا (فروع الکافی للکلینی، ج2ص228)۔ اسے صاحب مرآۃ العقول نے موثق اور حسن لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو! (مراۃ العقول، ج1ص514)

رسول اکرم ﷺ کے مواجہہ شریفہ میں حاضری کا ادب شیعی کتاب میں اس طرح لکھا ہے

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تم لوگ فوج در فوج اس گھر میں آنا، مجھ پر صلاۃ بھیجنا اور سلام کرنا، (لیکن) رو کر فریاد کرنا، اور واویلا کر کے مجھے اذیت نہ دینا۔ (جلاء العیون، ص69)

رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا: مصیبت کے وقت باآواز رونے، نوحہ کرنے، اور جنازہ کے پیچھے عورتوں کے جانے سے۔ (حلیۃ المتقین، ص188)

حلیۃ المتقین میں دوسری جگہ لکھا ہے: حضور ﷺ نے فرمایا عورت کی اطاعت کرنے والا، اسے تعزیہ میں بھیجنے والے کو سر کے بل جہنم میں ڈالتے ہیں۔ (حلیۃ المتقین، ص46)

طائفہ امامیہ کے شیخ صدوق نے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مصائب پر باآواز بلند رونے، نوحہ کرنے اور سننے سے منع فرمایا۔ (کتاب الامالی، ص254، حلیۃ المتقین، ص189، من لا یحضرہ الفقیہ، ج2ص356)



نوحہ کرنے والا روز قیامت، کتوں کی طرح نوحہ کناں ہو گا۔ (مجمع المعارف، ص162)

سب سے پہلا نوحہ گانے والا شیطان تھا، (جب اسے جنت سے نکالا گیا)۔

(حیات القلوب، ج1ص73)

اولادِ آدم میں قابیل پہلا شخص ہے جس نے واویلا کیا اور ملعون ہوا۔

(نفس الرحمٰن ص124, محمد تقی النوری، الطبرسی)

صبر مصیبت کے اندازے سے اترتا ہے، جس نے مصیبت کے وقت اپنی رانوں پر ہاتھ مارا، اس کے اعمال برباد ہوئے۔ (نہج البلاغہ 158، مترجم ص897)

ایک روایت میں ہے: رسول اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ الزاہرہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا: جب میں فوت ہو جاؤں تو منہ نہ چھیلنا، بال نہ نوچنا، واویلا نہ مچانا، اور نوحہ گر عورتوں کو نہ بلانا۔

(فروع کافی، ج2ص228، جلاالعیون، ص65)

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ: حضور سرور عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے روئے مبارک سے کپڑا ہٹایا۔ اور عرض گزار ہوئے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ زندگی بھر اور بعد وفات بھی طیب ہیں، آپ کی وفات سے وہ شئی بند ہو گئی جو کسی پیغمبر کے انتقال سے بند نہ ہوتی تھی۔ یعنی نبوت اور وحی، آپ کی مصیبت اتنی عظیم ہے جس نے ہمیں دوسروں کی مصیبت سے مطمئن کر دیا۔ آپ کی وفات کی مصیبت ایک عام مصیبت ہے کہ سب لوگ یکساں دلگیر ہیں۔ (حیات القلوب، ج2ص363)

اور اگر آپ صبر کا حکم اور جزع سے منع نہ فرماتے تو اس مصیبت پر ہم تمام سر کا پانی بہا دیتے اور

آپ کی اس مصیبت کے درد کی کوئی دوا نہ کرتے۔
امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی کو جائز نہیں کہ وہ تین روز سے زائد سوگ کرے، مگر بیوی کو اپنے خاوند کی موت پر (چار ماہ اور دس دن کی) عدت تک اجازت ہے۔
نوٹ! اس مفہوم کی روایات تہذیب اور وسائل الشیعہ میں بھی پائی جاتی ہیں ملاحظہ ہو،
(التہذیب ص238، وسائل الشیعہ ج3ص173)
حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ خدا پر توکل کر اور صبر کر، تیرے آباء جو کہ پیغمبر تھے صبر کرتے رہے اور تیری مائیں، جو پیغمبروں کی بیویاں تھیں صبر کرتی رہیں۔
(حیات القلوب، ج2ص252)
اے فاطمہ! جان لے کہ پیغمبر کے لیے گریبان نہیں چاک کرنا چاہیے، اور چہرہ پر خراش نہیں لگانا چاہیے اور واویلا نہیں کرنا چاہیے۔
(حیات القلوب، ج2ص253، کتاب العلل والشرائع ج2ص110)
ابن بابویہ اپنی معتبر سند سے امام باقر سے روایت کرتے ہیں، حضرت رسول خدا ﷺ نے وقت وفات سیدہ فاطمہ سے فرمایا: اے فاطمہ! جب میں وفات کر جاؤں تو میرے لیے چہرہ پر خراش نہ ڈالنا، بال نہ بکھیرنا، واویلا نوحہ گروں کو نہ بلانا۔ (حیات القلوب، ج2ص254)
امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مصیبت کے وقت مسلمان کا اپنے ہاتھ رانوں پر مارنا، اس کے اجر و ثواب کو ضائع کر دیتا ہے۔ (فروع کافی، ج3ص224)
حضرت جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا: کسی کی موت پر اور کسی کے دوران جنگ شہید ہو جانے پر غم کھاتے ہوئے واویلا کے ساتھ ماتم نہ کرنا۔ (من لایحضرہ الفقیہ، ج1ص112)
حضور ﷺ نے فرمایا: ماتم کرنے والا کل قیامت کے دن کتے کی طرح آئے گا۔

(مجمع المعارف بر حاشیہ حلیۃ المتقین، ص 162)
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایک عورت کتے کی شکل کی دیکھی، فرشتے اس کی دبر میں آگ جھونک رہے تھے۔ تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے وجہ پوچھی کہ اس کا دنیا میں کیا عمل و عادت تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ نوحہ کرنے والی اور حسد کرنے والی تھی۔

(حیات القلوب ج 2 ص 543) (عیون اخبار الرضا ج 2 ص 11) (انوار نعمانی ج 1 ص 216)

جابر نے کہا ہے کہ میں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جزع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:
واویلا کیساتھ زور سے چلانا، بلند آواز سے چیخنا، چہرے اور سینے پر طمانچے مارنا اور پیشانی سے بال نوچنا سخت ترین جزع ہے۔ (فروع کافی، ج 3 ص 222)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
اگر آپ نے ہمیں صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور ماتم کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم آپ کا ماتم کر کر کے آنکھوں اور دماغ کا پانی خشک کر دیتے۔ (شرح نہج البلاغہ، ج 4 ص 409 لابن میثم)

حضرت امام حسین نے میدان کربلا میں اپنی ہمشیرہ بی بی زینب کو وصیت فرمائی:
اے بہن میں تجھے قسم دیتا ہوں تو میری قسم پوری کرنا کہ جب میری وفات ہو جائے تو مجھ پر گریبان چاک نہ کرنا، نہ مجھ پر چہرہ نوچنا اور نہ مجھ پر واویلا اور ہائے ہلاکت ہائے ہلاکت کے الفاظ پکارنا۔
(الارشاد لمفید 232، اعلام الوری ص 236، جلاء العیون ص 387، ناسخ التواریخ ج 6 ص 253، تاریخ یعقوبی ج 2 ص 244) (اخبار ماتم ص 400)

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں: خدا کی قسم! اگر (ماتم) گناہ نہ ہوتا تو میں اپنے سر کے بال کھول کر چلاتی اور آپ کی بارگاہ میں فریاد کرتی۔ (فروع کافی، کتاب الروضہ ص 238)

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا: ہر گز تم میں سے کوئی شخص میری وفات پر رخسار پر طمانچے نہ مارے اور ہر گز مجھ پر گریبان چاک نہ کرے (دعائم الاسلام، ص 130)

اہل کوفہ کاروان اہل بیت کی بے سروسامانی دیکھ کر زور زور سے رونے اور ماتم کرنے لگے تو سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا: حمد و صلاۃ کے بعد اے بے وفا اور دغا باز کوفیو!

اب تم روتے اور ماتم کرتے ہو، خدا تمہیں ہمیشہ رلائے اور تمہارا رونا اور ماتم کرنا کبھی موقوف نہ ہو، تم بہت زیادہ رؤو اور بہت تھوڑا ہنسو، تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو کاتے ہوئے دھاگے کو مضبوط ہو جانے کے بعد جھٹکے دے کر توڑ ڈالے تم نے اپنے ایمان کو دھوکے اور فریب کا ذریعہ بنایا ہوا ہے تمہاری مثال اس سبزے کی سی ہے جو نجاست کی ڈھیری پر لگا ہوا ہو تم میں سوائے خود ستائی، شیخی، عیب جوئی، تہمت سرائی اور لونڈیوں کی طرح خوشامد اور چاپلوسی کے کچھ نہیں، بلاشبہ تم بہت برے کام کے مرتکب ہوئے، تم نے ہمیشہ کے لیے ذلت حاصل کی اور عیب کمایا اور جہنم کے سزاوار ہوئے۔ خدا تعالی تم پر غضب نازل فرمائے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل فرمائے۔ (جلاء العیون، ج2 ص223)

سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے فرمایا: (اے ہمارے شہیدوں کے قاتلو!) یعنی تمہیں جہنم کی بشارت ہو تم نے ہمارے بھائی کو شہید کر دیا تم پر تمہاری مائیں روتی رہیں تم نے وہ خون بہایا جو اللہ، قرآن اور محمد ﷺ نے تم حرام کر دیا تھا۔ (مقتل ابی مخنف، ص 83)

**شیعہ مذہب میں کسی کا بھی ماتم جائز نہیں۔**

نبی کریم ﷺ نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فرمایا۔

بیٹی جب میں انتقال کر جاؤں تو میری وفات پر اپنا منہ نہ پیٹنا، اپنے بال نہ کھولنا اور ویل عویل نہ کرنا اور نہ ہی مجھ پر نوحہ کرنا۔

(الکافی، الشیخ الکلینی، ج5 ص527)

آنلائن لنک

(کتاب الطہارۃ، السید خوئی، ج9 ص231)

آنلائن لنک

(حدائق الناضرة، المحقق البحرانی، ج4ص 167)

آنلائن لنک

(الأنوار البهیه، الشیخ عباس القمی ص 39)

آنلائن لنک

(جامع أحادیث الشیعه، السید البروجردی، ج20ص319)

آنلائن لنک

(بحار الأنوار، العلامه المجلسی، ج22ص496)

آنلان لنک

(تفسیر نور الثقلین، الشیخ الحویزی، ج5ص308)

آنلائن لنک

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں اپنی بہن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو وصیت کی فرمایا۔ اے پیاری بہن! اللہ سے ڈرنا اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق تعزیت کرنا، خوب سمجھ لو۔ تمام اہل زمین مر جائیں گے اہل آسمان باقی نہ رہیں گے، میرے نانا، میرے بابا، میری والدہ اور میرے بھائی سب مجھ سے بہتر تھے۔ میرے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ کی ہدایات بہترین نمونہ ہیں۔ تو انہی کے طریقہ کے مطابق تعزیت کرنا اور فرمایا: اے ماں جائی میں تجھے قسم دلاتا ہوں۔ میری قسم کی لاج رکھتے ہوئے اسے پورا کر دکھانا۔ میرے مرنے پر اپنا گریبان نہ پھاڑنا اور میری موت پر اپنے چہرہ کو نہ خراشنا اور نہ ہی ہلاکت اور بربادی کے الفاظ بولنا۔

(الإرشاد، الشیخ المفید، ج2ص94)

آنلائن لنک

(تاریخ الیعقوبی، الیعقوبی، ج2ص244)

آنلائن لنک

(مثیر الأحزان، ابن نما الحلی، ص35)

آنلائن لنک

جواب منجانب شیعیان علیؑ

امام زین العابدینؑ کا ہر سال بلکہ تمام تر زندگی غم حسینؑ میں رونا اور ماتم کرنا شیعہ و سنی دونوں کتب میں موجود ہے (وسائل الشیعہ عاملی، کشف المحجوب علی ہجویری، کتاب التذکرہ امام ثعالبی)۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثناعشریہ صفحہ ۷ پے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے امام حسین پے ماتم و نوحہ کی بنیاد مختار نے رکھی۔

یاد رہے کہ مختارؓ کا زمانہ دور امامت امام زین العابدینؑ میں گزرا ہے اور المعارف ابن قتیبہ کے مطابق آخری صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ مختارؓ کے علمدار تھے مطلب کہ اہل بیتؑ و صحابہؓ کی موجودگی میں امام حسینؑ کا ماتم و نوحہ شروع ہو رہا ہے جب انہوں نے منع نہیں کیا تو کوئی اور کون ہوتا ہے اعتراض کرنے والا۔ جبکہ امام زین العابدینؑ کی موجودگی میں سیدہ زینبؑ کا امام حسینؑ کی لاش پے منہ پے ماتم کرنا البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۷۲ ابن کثیر میں ثابت ہے۔ جب اہل بیتؑ نے خود ماتم کیا تو اہل تسنن کو کونسی چیز روکتی ہے ماتم سے؟

کہی وہ چیز محبت یزید تو نہیں!

امام زین العابدین نے براہ راست واقعہ کربلا کا مشاہدہ کیا تھا، اس سانحے کے بعد ہمیشہ غمگین رہے اور پوری زندگی عبادت میں گزار دی، اسی وجہ سے زین العابدین لقب ہوگیا، انہوں نے کبھی بھی مروجہ ماتم، تعزیہ اور زنجیر زنی نہ کی اور نہ ہی ایسا کرنے کا حکم دیا، امام زین العابدین چوتھے امام تھے اس کے بعد امام باقر سے امام حسن عسکری تک بھی کسی امام نے محرم میں ماتم نہیں کیا اور نہ ہی حکم دیا۔ شیعہ کتب میں کسی امام کا اس بارے میں کوئی حکم موجود نہیں ہے۔

مختار ثقفی تو گمراہ شخص تھا، اس کا قول و فعل تو اہل تشیع کے ہاں قابل حجت نہیں ہے۔ اس ملعون نے دعوی نبوت بھی کیا تھا۔

شاہ سے بڑھ کر شاہ کے وفادار
جب اہل بیت نے خود ماتم نہیں کیا تو ان سے زیادہ سانحہ کربلا کا دکھ کیسے ہوسکتا ہے!

سیدہ زینب نے شدت غم میں اگر ایسا کوئی عمل کیا بھی تو یہ ماتم کی دلیل ہرگز نہیں ہے۔ امام حسین خود وصیت کر کے گئے تھے میری شہادت کے بعد ماتم نہیں کرنا!

ماتم سب سے پہلے یزید کے گھر سے ہی شروع ہوا تھا۔ یزید سے محبت کہیں اہل تشیع کو تو نہیں ہے؟

👑 رہا گھوڑا نکالنا تو گھوڑا نکالنا سنت صحابہؓ ہے (سنن نسائی)۔

روایات امامیہ کے مطابق امام سجادؑ کی زبان سے امام حسینؑ کی سواری کی روایات مقتل کی کتب میں موجود ہے۔ اس لیے یہ سوال ہی بے بنیاد ہے ورنہ اہل سنت کو خلافت خلفاء ثلاثہ، تراویح، عمل کلوخ، غسل قدمین، ہاتھ باندھ کر نماز جیسی چیزوں سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا کیونکہ یہ نہ رسولؐ سے ثابت ہے اور نہ ہی امام زین العابدینؑ سے 😉۔

👑 چھریاں مارنے کا مقصد غم امام حسینؑ میں خون نکالنا ہے جب کہ امام سجادؑ خون کے آنسو روتے رہے۔ (وسائل الشیعہ)۔

بس یہ سوال ہی نہیں بنتا۔ مقصد نماز پڑھنا ہے چاہیے شلوار قمیص میں پڑھو یا پینٹ شرٹ میں۔ اب یہ کہنا شروع کر دیا جائے کہ کس صحابی نے پینٹ شرٹ میں نماز پڑھی عجیب سوال ہو گا۔

باقی بحکم الہی آسمان کا شہادت امام حسینؑ پے خون کی بارش برسانا اہل سنت کتاب تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین صفحہ ۹۶ طبع لکھنوء میں موجود ہے۔

تفصیل سے تحریر لکھی جائے تو قارئین پے زحمت تصور ہو گی۔ جبکہ امام زین العابدینؑ نے ان میں سے کسی عمل سے منع نہیں کیا۔

باقی کل خطاب لا یستحق الجواب 😊

منجانب: حیدری تلوار ناصبیت کے یار

صحابہ نے گھوڑا سجا کے جلوس نہیں نکالا تھا۔ ماتم نہیں کیا تھا، تعزیہ نہیں نکالا تھا اور نہ ہی زنجیرزنی کی تھی۔ اہل تشیع کسی امام معصوم سے ماتم کرنا یا ماتم کا حکم ہی دکھادیں۔ خلافت، تراویح وغیرہ کی بات ماتم کا جواز نہیں ہے۔

خونی ماتم پر تو خود اہل تشیع کے ہاں سخت اختلاف ہے۔ عبادت کے لئے کپڑے مخصوص نہیں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کسی گندی جگہ پر پڑھی جائے۔ ہر عبادت کے اپنے آداب ہوتے ہیں۔ ماتم تو کسی امام سے ثابت ہی نہیں ہے۔

آسمان سے خون کی بارش برسنا جھوٹی روایات ہیں۔ یہ حقیقت ہوتا تو اماموں کو علم کیوں نہ ہوا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اماموں سے ماتم کرنا رہ گیا بلکہ اس کا کوئی حکم دینا کیوں بھول گئے؟

تحقیق کریں۔۔ آپ کو ماتم نہ کرنے پر کئی اماموں کی وصیتیں مل جائیں گی۔

## تحریفات شیعہ:

تعزیہ (قبر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شبیہ)۔

تابوت (سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے جنازے کی شبیہ)۔

تعزیہ اٹھانا (تعزیہ کو امام باڑہ یا تعزیہ خانہ سے گشت کرانے یا دفن کے لیے لے جانا)۔

چند سال قبل ایجاد ہونے والی ایک نئی کفریہ بدعت ( اربعینِ حسینی )۔

تعزیہ کی زیارت کرنا۔

طلبِ حاجات کے لیے اس کے ساتھ عرضیاں باندھنا۔

اس کے سامنے رکوع اور سجدہ کرنا۔

اس کو چومنا چاٹنا۔

اس پر منت منوتی کے چڑھاوے چڑھانا۔

بچوں کو اس کے ساتھ بطورِ قیدی باندھنا۔اس کی تزیین و آرائش کرنا۔

آگ پر ماتم کرنا۔

زنجیروں، ٹوکوں اور تلواروں سے اپنے آپ کو لہولہان کرنا۔

سر پیٹنا۔ چہرہ پیٹنا۔ سر پر راکھ ڈالنا۔

گریبان چاک کرنا۔

ننگے پاؤں چلنا۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا۔

ذوالجناح (سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی شبیہ) نکالنا، اس پر سواری نہ کرنا،

بچوں کو اس کے نیچے سے گزارنا۔

چھ محرم کو علی اصغر کا جھولا نکالنا۔

سات محرم کو قاسم بن حسن کی مہندی نکالنا۔

علمِ عباس کو سجدہ کرنا۔

تعزیہ اور ذوالجناح کو سجدہ کرنا، جسے سجدہ تعظیمی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جلوس کے ساتھ ڈھول، شرنا اور دیگر آلاتِ لہو ولعب لے جانا۔(جیسا کہ بعض علاقوں میں ہوتا ہے)۔



مردوزن کا اختلاط۔

جھوٹے قصے کہانیاں، بے سند اور من گھڑت روایات کا بیان۔

قرآن وحدیث کی مخالفت۔قرآن وحدیث کی باطل تاویلات۔

اللہ اور اس کے رسولوں کی شان میں تنقیص۔

بعض اہل بیت کی شان میں غلو اور بعض کی شان میں تقصیر۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر کذب وافترا وغیرہ۔

## عزاداری (جواد محدثی کی کتاب پر ایک نظر)

## عزاداری کے متعلق چالیس غیر معتبر احادیث:

عزاداری میں رونے رلانے کی فضیلت اور نوحہ ومرثیہ کے حق میں 40 احادیث بہت مشہور اور زبان زدعام ہیں۔کتاب چہل حدیث عزاداری جس کے مولف جواد محدّثی صاحب ہیں، ان کی اس کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے اور ذاکروں اور علماء کے پاس یہ کتاب عموماً ہوتی ہے۔ہم سے اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ رائج عزاداری کے رونے رلانے اور ماتم کے فضائل والی روایات کے ہم لوگ قائل کیوں نہیں ہیں، چنانچہ ہم نے ان 40 غیر معتبر روایات کو جو کہ جواد محدثی کی کتاب میں ہے جب دیکھا تو حیران رہ گئے سارے ضعیف، غالی، مجہول، فطحی المذھب لوگوں کی زبانی یہ روایات موجود ہیں۔ان احادیث کے راویوں کے احوال کے لیے ہم نے المفید من معجم الرجال اور جامع احادیث سافٹ ویر نیز درایہ النور سے استفادہ کیا ہے۔آیت اللہ آصف

محسنی کی کتاب (مشرعہ بہار الانوار) یا المعتبر من البحار اور استاد علامہ باقر بھبودی کی (صحیح الکافی) سے بھی استفادہ کیا ہے، تاکہ ان غیر معتبر احادیث کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔



**حدیث نمبر:1**

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: مومنین کے دلوں میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی ایسی حرارت ہے جو کبھی خاموش نہ ہوگی۔ (جامع احادیث الشیعہ، ج12، ص556)

ابراہیم بن اسحاق الاحمری ضعیف ہے۔ احمد بن ابی ھراسہ بھی مجہول ہے۔

**حدیث نمبر:2**

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص عاشورا کے دن مصیبت اور حزن کی حالت میں رہے تو خداوند عالم ایسے شخص کے لئے روز قیامت خوشی و خرم قرار دیگا یعنی اس دن وہ شخص خوشحال ہوگا۔ (بحار الانوار، ج44، ص284)

محمد بن ابراہیم بن اسحاق طالقانی کی توثیق ثابت نہیں۔

**حدیث نمبر:3**

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: جب محرم کا مہینہ آتا تو میرے والد محترم امام موسی کاظم علیہ السلام کو کوئی ہنستے نہیں دیکھتا بلکہ غم کی حالت میں رہتے اور جب دس محرم کا دن آتا تو سارا دن آہ و بکا اور رونے میں گذرتا تھا۔ (امالی صدوق، ص111)

جعفر بن محمد بن مسرور مجہول ہے۔

**حدیث نمبر:4**

پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں: اے فاطمہ! روز قیامت غم حسین علیہ السلام میں رونے والی آنکھ کے علاوہ ہر آنکھ روئے گی بلکہ ایسی آنکھ خوشحال ہوگی اور اسے جنت کی نعمتوں کی بشارت دی جائے گی۔ (بحار الانوار، ج44، ص293)

بحارالانوار روایت نمبر 37، آیت اللہ محسنی کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

**حدیث نمبر:5**

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: پورا ایک سال دن رات امام حسین علیہ السلام کے لئے نوحہ خوانی ہوئی اور روز شہادت سے لے کر تین سال تک سوگواری برپا رہی۔

(بحارالانوار، ج79، ص 102 )

بحار کے اس باب 16 التعزیتہ والمائتم میں روایت 2 اور 17 آیت اللہ محسنی نے معتبر کہا ہے لیکن اوپر کی روایت جو 48 نمبر روایت ہے اس باب کی یہ اوپر کی روایت آیت اللہ محسنی کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

**حدیث نمبر:6**

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے والد امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے جعفر! اپنے مال سے اتنی مقدار مال نوحہ خوانوں کے لئے وقف کرو تاکہ لوگ حج کے دوران منی میں دس سال تک سوگ منائیں۔ (بحارالانوار، ج46، ص220)

یہ الکافی میں طبع اسلامیہ میں جلد 5 صفحہ 117 پر بابُ کَسبِ النَّائِحَۃِ میں موجود ہے، اور آیت اللہ باقر بہبودی کے مطابق یہ روایت صحیح یا معتبر نہیں ہے اس لیے اس باب میں یہ روایت صحیح الکافی میں شامل نہیں کیا لہذا یہ روایت بھی غیر معتبر ہے۔

**حدیث نمبر:7**

ابوہارون مکفوف نے کہا: میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے اشعار پڑھنے کی فرمائش کی میں نے شعر پڑھے لیکن آپ نے فرمایا، اس طرح نہیں! بلکہ جس طرح تم اپنے لئے اشعار پڑھتے ہو اور جس طرح تم امام حسین علیہ السلام کی قبر پر مرثیہ خوانی کرتے ہو۔(بحارالانوار، ج44، ص 287 )

ابوہارون المکفوف مجہول ہے۔

## حدیث نمبر:8

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص غم حسین علیہ السلام میں اشعار پڑھے اور اس سے روئے اور دوسروں کو بھی رولائے تو خداوند عالم ایسے شخص پر جنت واجب کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے۔(رجال شیخ طوسی، ص289 )

محمد بن سنان ضعیف ہے،اور یہ رجال الکشی ہے۔

نصر بن صباح کی توثیق ثابت نہیں وہ غالی بلکہ مجہول ہے المفید من معجم الرجال کے مطابق۔

## حدیث نمبر:9

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص ہم اہل بیت علیہ السلام کے لئے ایک شعر پڑھے، خداوند عالم اسے جنت میں ایک گھر عطا کرے گا۔(وسائل الشیعہ،ج10،ص467 )

یہ (بحارالانوار) میں بھی موجود روایت ہے، جلد نمبر 76 میں باب نمبر 108 میں۔ لیکن آیت اللہ آصف محسنی فرماتے ہیں کہ باب نمبر 104 سے باب 108 تک مجھے کوئی معتبر سند و مصدر والی روایت نہیں ملی۔

## حدیث نمبر:10

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: خدا کا شکر ہے کہ اس نے لوگوں میں سے کچھ ایسے مدح خوان قرار دئے جو ہم اہل بیت کے پاس آتے ہیں اور مرثیہ خوانی کرتے ہیں۔

(وسائل الشیعہ،ج10،ص469 )

علی بن محمد بن سلیمان مجہول ہے۔(بحار98 کا ص74،باب10 روایت21)

آیت اللہ محسنی کے مطابق غیر معتبر ہے۔

## حدیث نمبر:11

امام صادق علیہ السلام نے دعبل شاعر سے فرمایا: اے دعبل! مجھے غم حسین علیہ السلام کے اشعار پسند ہیں کیونکہ یہ دن ہم خاندان اہل بیت علیہ السلام کے لئے غم واندوہ کے دن ہے۔

(جامع احادیث الشیعہ، ج12، ص567)

یہ باب 44 ماقیل من المراثی فیہ صلوات اللہ علیہ میں روایت نمبر 15 ہے جو کہ آیت اللہ آصف محسنی کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

## حدیث نمبر:12

امام رضاعلیہ السلام نے فرمایا: اے دعبل! حسین بن علی علیہ السلام کے لئے مرثیہ پڑھو، تم جب تک زندہ ہو ہمارے مددگار اور مدح خوان رہو اور جتنا ممکن ہو سکے ہمارے ذکر سے کوتاہی نہ کرو۔

(جامع احادیث الشیعہ، ج12، ص567)

یہ باب 44 ماقیل من المراثی فیہ صلوات اللہ علیہ میں روایت نمبر 15 ہے جو کہ آیت اللہ آصف محسنی کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

## حدیث نمبر:13

علی علیہ السلام فرماتے ہیں: خداوند عالم نے ہمارے لئے شیعہ لوگوں کو ہماری مدد کے لئے انتخاب کیا جو کہ ہماری خوشی میں خوشحال اور غم میں غمگیں ہوتے ہیں۔

(غررالحکم، ج1، ص235)

غررالحکم میں یہ بلاسند نقل ہے، اصل میں یہ خصال صدوق سے منقول ہے سند کے ساتھ لیکن اس کی سند میں 3 راوی ضعیف ہیں

(کتاب الطہارۃ، السید الخوئی، ج8 شرح ص350–351)

(کتاب الطہارۃ، السید الخوئی، ج8 شرح ص442)

**حدیث نمبر:14**

حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: میں عبرت آموز مقتول ہوں اور ہر مومن مجھ پر میری مصیبت کے لئے روئے گا۔(بحار الانوار، ج44، ص279 )

بحار میں باب 34 میں یہ روایت نمبر 5 ہے جو کہ آیت اللہ آصف محسنی کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

**حدیث نمبر:15**

حسین بن علی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص ہماری مصیبت پر آنسو کا ایک قطرہ بہائے خداوند عالم اسے جنت نصیب فرمائے گا۔(احقاق الحق، ج5، ص523 )

یہ شرح اخبار اور وسائل الشیعہ میں بھی قدرے مختلف الفاظ سے منقول ہے ربیع بن المنذر سے جو کہ مجہول راوی ہے۔ بشارۃ المصطفی میں جس سند سے یہ روایت ہے اس میں محمد بن ابی عمارہ مجہول راوی ہے۔ حسین الاشقر بھی مجہول ہے۔اور محمد بن عمرو بن عقبہ بھی مجہول ہے۔

**حدیث نمبر:16**

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: ہر وہ مومن جو امام حسین علیہ السلام اور آپ کے شہداء کے غم میں روئے تو خداوند عالم اس کے بدلے اسے جنت میں ایک مقام عطا کرے گا۔

(ینابیع المودہ، ص429 )

یہ روایت تفسیر قمی سے منقول ہے جو کہ آیت اللہ آصف محسنی وغیرہ کے نزدیک غیر معتبر ہے۔بلکہ بہار جلد 44 میں ثواب بکاء میں یہ روایت 21 نمبر پر ہے جو کہ آیت اللہ محسنی کے مطابق غیر معتبر ہے۔

**حدیث نمبر:17**

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: مجھے جب بھی اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہ کی شہادت یاد آتی ہے تو

میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔(بحار الانوار، ج46، ص109 )

باب 6 میں 4 روایات ہیں جو چاروں ہی آیت اللہ محسنی کے مطابق غیر معتبر ہے بشمول اوپر کی روایت جو روایت نمبر 2 ہے۔

محمد بن سہیل البحرین اور امام جعفر کے درماین سند منقطع ہے۔



**حدیث نمبر: 18**

امام باقر علیہ السلام نے ان افراد کے لئے جو عاشورا کو امام حسین علیہ السلام کی زیارت نہیں کر سکتے، فرمایا: ہر شخص اپنے گھر امام حسین رضی اللہ عنہ پر نوحہ خوانی و عزاداری کرے اور اپنے اہل خانہ کو بھی ایسا ہی دستور دے اور گھر میں عزاداری کے مراسم برپا کرے اور ایک دوسرے کو تعزیت پیش کرے۔(کامل الزیارات، ص175 )

مالک الجھینی کی وچاقت ثابت نہیں۔

(بحار الانوار جلد 98 صفحہ 290 پر باب 24 کیفیہ زیارت صلوات اللہ علیہ یوم عاشوراء روایت نمبر 1 ہے۔ جو کہ آیت اللہ محسنی کے مطابق غیر معتبر ہے۔

**حدیث نمبر: 19**

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام اپنے دو اصحاب کے ہمراہ کربلا سے گزرے اور جب کربلا کی سرزمین پر پہنچے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمانے لگے: اس سرزمین پر شہداء کی سواریاں رکیں گی اور اسی جگہ ان کا خون بہایا جائے گا، اے زمین! تو کتنی خوش نصیب ہے کہ تیرے اوپر شہداء کا خون بہایا جائے گا۔

(بحار الانوار، ج44، ص258 )

جعفر بن محمد بن عبید اللہ مجھول ہے۔

اس میں باب 31 میں یہ روایت نمبر 8 ہے جو کہ آیت اللہ محسنی کے مطابق غیر معتبر ہے۔

## حدیث نمبر:20

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جس شخص کے سامنے ہمارا ذکر کیا جائے اور اگروہ مچھر کے پر کے برابر بھی آنسو بہائے تو خداوند عالم اس کے بدلے جنت میں گھر عطا کرے گا اور یہ آنسو انسان اور دوزخ کی آگ کے درمیان حائل ہونگے۔

(الغدیر، ج2، ص202)

یہ روایت کفایۃ الاطہار سے منقول ہے، اور یہ الورد بن کمیت سے منقول ہے جس کا ترجمہ کتب رجال میں نہیں آیا یعنی یہ مجہول ہے۔ بحار الانوار میں جلد نمبر 36 صفحہ 391 پر یہ روایت ہے، روایت نمبر 2 ہے باب 45 نصوص الباقر۔ اس باب میں کسی معتبر روایت کی شیخ محسنی نے نشاندہی نہیں کی۔

## حدیث نمبر:21

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: امام زین العابدین علیہ السلام کربلا کی یاد میں بیس سال روئے اور جب بھی ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا تو رونا شروع کر دیتے تھے۔

(بحار الانوار، ج46، ص108 )

یہ ابن شہر آشوب نے بغیر کسی سند کے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

یہ باب حزنہ وبکائہ میں موجود چار روایات میں سے پہلی روایت ہے لیکن آیت اللہ محسنی کے نزدیک اس باب میں چاروں روایت غیر معتبر ہے۔

## حدیث نمبر:22

امام صادق فرماتے ہیں: جب رسول خدا ﷺ کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا تو آپ ﷺ کی آنکھیں آنسو سے بھر آئیں اور پھر فرمایا: آنکھیں روئیں گی اور دل غمگیں ہوگا اور خدا سے شکوہ نہیں کریں گے، اے ابراہیم! ہم تیرے سوگ میں غمگیں ہیں۔ (بحار الانوار، ج22، ص157 )

سہل بن زیاد ضعیف راوی ہے۔ عبداللہ بن میمون القداح جیسے راوی بھی اس میں موجود ہیں جس پر اسماعیلی ہونے کا الزام ہے۔

اس باب میں صرف روایت 24 معتبر ہے جب کہ آیت اللہ محسنی نے روایت 16 جو اوپر والی روایت ہے غیر معتبر کہا ہے۔



## حدیث نمبر: 23

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس انسان کے سامنے ہمارا ذکر کیا جائے اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو تو خداوند عالم اس کے چہرے پر دوزخ کی آگ حرام کردے گا۔

(بحار الانوار، ج44، ص285)

یہ روایت نمبر 22 ہے جو آیت اللہ محسنی کے نزدیک غیر معتبر ہے۔ فضیل بن فضالہ مجہول ہے۔

## حدیث نمبر: 24

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک دوسرے کی زیارت کیا کرو، ایک دوسرے کی ملاقات کو جاؤ، مذاکرہ کرتے رہو اور ہماری ولایت کو زندہ رکھو۔ (بحار الانوار، ج71، ص352)

بحار میں باب 21 میں یہ روایت نمبر 20 ہے جو آیت اللہ محسنی کے مطابق غیر معتبر ہے۔

## حدیث نمبر: 25

امام صادق علیہ السلام نے فضل سے پوچھا: کیا تم اکھٹے بیٹھ کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

آپ نے فرمایا: میں ایسی مجالس پسند کرتا ہوں، ہماری امامت کو زندہ رکھو، خدا اس انسان پر رحم کرے جو ہمارے ذکر کو زندہ کرتا ہے۔ (وسائل الشیعہ، ج10، ص392)

یہ شیخ صدوق کی مستدرک الاخوان سے لیا گیا ہے جس میں انہوں نے کوئی سند ذکر نہیں کی ہے

یہ بحار جلد 44 میں باب بکاء میں روایت 15 ہے جو آیت اللہ محسنی کے مطابق غیر معتبر ہے۔

## حدیث نمبر:26

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا تیرے آنسو کو تیرے لئے رحمت قرار دے۔ آگاہ رہو! تم ان افراد میں سے ہے جو ہماری خوشی میں خوشحال اور ہمارے غم سے غمگین ہوتے ہیں، آگاہ رہو! تم حالت احتضار میں اپنے سرہانے میرے بابا کو پائے گا۔

(وسائل الشیعہ، ج10، ص397 )

المفید من معجم میں عبد اللہ بن عبد الرحمن الأصم مجھول ہے۔ان کو حلی نے ضعیف غال بھی کہا ہے۔ابن عضائری نے ضعیف غال کذاب کہا ہے۔

## حدیث نمبر:27

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے خدا! ہمارے غم میں آنسو بہانے والی آنکھوں پر رحم فرما، ان دلوں پر رحم فرما جو ہمارے غم غمگیں ہوں۔اور ہمارے لئے آہ وبکا کرنے والوں پر رحم فرما۔

(بحار الانوار، ج98، ص8 )

یہ راوی اصل میں غسان البصری ہے نہ کہ حسن البصری، اور یہ راوی مجھول ہے۔اور الکافی میں یہ روایت ضعیف ہے۔

## حدیث نمبر:28

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو آنکھ ہماری مظلومیت پر روئے یا ہمارا حق غصب ہونے پر روئے یا ہماری اور ہمارے اصحاب کی آبرو کی حرمت پر روئے تو خداوند عالم اسے ہمیشہ رہنے والی جنت میں داخل کرے گا۔(امالی شیخ مفید، ص175 )

محمد بن ابی عمارہ الکوفی مجھول ہے۔

## حدیث نمبر:29

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ہر چیز کا کچھ نہ کچھ ثواب ملتا ہے لیکن ہم پر بہائے گئے آنسو کا

بے حساب ثواب ملے گا۔(جامع احادیث الشیعہ، ج12، ص548)

یہ بحار الانوار کی جلد 44 میں باب ثواب البکاء میں روایت نمبر 25 ہے جو کہ آیت اللہ آصف محسنی کے نزدیک غیر معتبر ہے۔



## حدیث نمبر:30

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم پر رونے والی آنکھ کا اجر کوثر سے سیراب ہونا ہے۔
(جامع احادیث الشیعہ، ج12، ص554)

یہ روایت بحار الانوار میں بھی جلد 44 میں صفحہ 278 پر موجود باب ثواب البکاء کی روایات میں سے روایت نمبر 31 کا ایک حصہ ہے جو کہ آیت اللہ محسنی کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

## حدیث نمبر:31

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے زرارہ! آسمان نے چالیس دن تک امام حسین علیہ السلام کے غم میں گریہ کیا ہے۔(جامع احادیث الشیعہ، ج12، ص552)

اصل میں یہاں راوی علی بن محمد بن سلیم کی بجائے علی بن محمد بن سلیمان ہے جو کہ مجہول ہے۔

## حدیث نمبر:32

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: مظلومیت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ غیر کے لئے گریہ کرنا مکروہ ہے۔(بحار الانوار، ج45، ص313)

اس باب سے کسی معتبر روایت کی نشاہندہی شیخ محسنی نے نہیں کی البتہ جلد 44 میں ص 280 یہی روایت ہے اور روایت نمبر 9 ہے جو کہ آیت اللہ محسنی کے نزدیک غیر معتبر روایت ہے۔

## حدیث نمبر:33

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب جعفر بن ابی طالب علیہ السلام و زید بن حارث رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر رسول خدا ﷺ کو ملی تو اس کے بعد جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے،

گریہ کیااور فرمایا: یہ دونوں شہید مجھ سے باتیں کرتے تھے اور میرے مونس تھے، لیکن دونوں دنیاسے چلے گئے۔(من لایحضرہ الفقیہ، ج1، ص 177 )

شیخ صدوق نے اس کی کوئی سند نقل نہیں کی ہے۔



حدیث نمبر:34

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ہماری مظلومیت پر غمگیں سانس لینا تسبیح شمار ہوتا ہے اور یہ غم عبادت ہے، ہمارا راز چھپانا جہاد ہے، اسکے بعد امام صادق علیہ السلام مزید فرماتے ہیں، یہ حدیث سونے سے لکھنے کے قابل ہے۔(امالی شیخ مفید، ص338 )

عیسی بن ابی منصور اور محمد بن سعید بن غزوان مجہول ہیں۔

حدیث نمبر:35

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: چار ہزار غبار آلود فرشتے امام حسین علیہ السلام کی قبر کے قریب قیامت تک آپ پر روئیں گے۔(کامل الزیارات، ص119 )

القاسم بن محمد الجوہری مجہول ہے۔

حدیث نمبر:36

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: اے فرزند شبیب! اگر گریہ کرنا چاہتے ہو تو امام حسین پر گریہ کرو کیونکہ انھیں جانور کی طرح ذبح کیا گیا تھا۔(بحار الانوار، ج44، ص286)

محمد بن علی ماجیلویہ قمی مجہول ہے۔

حدیث نمبر:37

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص کسی مجلس میں بیٹھ کر ہمارے ذکر کو زندہ کرے تو ایسا دل قیامت میں نہیں مرے گا جس دن تمام دل مردہ ہوں گے۔(بحار الانوار، ج44 ص278)

محمد بن ابراہیم بن اسحاق طالقانی کی توثیق ثابت نہیں۔

## حدیث نمبر:38

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: گریہ کرنے والوں کو حسین علیہ السلام جیسی شخصیت پر گریہ کرنا چاہیے کیونکہ آپ پر رونے سے بڑے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

(بحار الانوار، ج44، ص284 )

جعفر بن محمد بن مسرور مجہول ہے۔

## حدیث نمبر:39

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: اے فرزند شبیب! اگر تم امام حسین علیہ السلام پر اتنا گریہ کرو کہ آنسو تیرے رخسار پر جاری ہو جائیں تو اس کے بدلے خداوند عالم تمھارے گناہ معاف کر دے گا چاہے وہ گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے، کم ہوں یا زیادہ۔(امالی صدوق، ص112 )

محمد بن علی ماجیلویہ قمی مجہول ہے۔

## حدیث نمبر:40

امام رضا علیہ السلام نے ریان بن شبیب سے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو جنت میں ہمارے ساتھ درجہ پاکر خوشحال رہو تو ہمارے غم پر غمگیں رہو اور ہماری خوشی پر خوش رہو۔

(جامع احادیث الشیعہ، ج12، ص549 )

محمد بن علی ماجیلویہ قمی مجہول ہے۔

## شیعہ کی طرف سے پیش کردہ ماتم کے دلائل اور ان کا تحقیقی رد

نوٹ :-(محرم الحرام کے دنوں میں آپ کو شیعہ کی طرف سے یہی دلائل سٹیٹس اور تحریر کی شکل میں ملیں گے یہ سب کے جوابات ہیں محفوظ کر لیں)

ماتم کے حق میں دی گئی دلیلوں کے آسان اور عام فہم شافی جوابات نوجوان حضرات پڑھ کر رٹ لیں شیعوں کا منہ بند کرنے کے کام آئیں گی۔

## شیعہ دلیل نمبر 1



حضرت یعقوب علیہ السلام بھی تو یوسف علیہ السلام کے غم میں روئے تھے یہاں تک کہ رو رو کر ان کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی، چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ :

اور اس نے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا ہائے افسوس ! یوسف پر اور غم واندوہ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں۔(سورۃ یوسف آیت 84)

تو جب ایک نبی دوسرے نبی کے غم میں رو رو کر آنکھیں سفید کر سکتا ہے تو امام عالی مقام کا غم منانے پر کیا اعتراض ہے ؟

**جواب:** ماتمی شیعہ نے اس آیت کے لفظ (فَهُوَ كَظِيمٌ (84) سورہ یوسف) پر غور نہیں کیا، جس کا ترجمہ ہے کہ (وہ اپنے غم کو روکنے والے تھے) معلوم ہوا کہ غم لاحق ہونا حضرت یعقوب علیہ السلام کا غیر اختیاری فعل تھا اور انہوں نے اپنا ارادہ واختیار غم منانے پر نہیں بلکہ غم ختم کرنے پر صرف کیا۔اسی کو صبر جمیل کہتے ہیں جس پر انعامات کی بشارتیں اللہ کا قرآن سناتا ہے۔

2۔آیت میں نہ "منہ پیٹنے" کا لفظ ہے نہ "سینہ کوبی" اور "ماتم" کا بلکہ صرف "حزن" کا لفظ ہے جس کا معنی صرف "غم واندوہ" ہے۔

3۔حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق کا صدمہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مسلسل رہا۔لیکن جب دور فراق ختم ہوا اور آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تختِ مصر پر متمکن ہونے کی بشارت ملی تو پھر آپ علیہ السلام کا غم بھی جاتا رہا اور آنکھوں کی روشنی بھی واپس لوٹ آئی۔اس سے ثابت ہوا کہ جب تک کسی محبوب کی مصیبت باقی ہو اور اس کا صدمہ لاحق رہے لیکن صبر کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غیر اختیاری "غم واندوہ" گناہ نہیں اور جب وہ مصیبت ختم ہو جائے تو پھر غم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میدان کربلا میں حضرت امام عالی مقام اور آپ کے اعزہ واحباب پر جو

مصیبت نازل ہوئی وہ وقتی تھی۔ شہادت کا درجہ پانے کے بعد جب آپ کو جنت مل گئی تو پہلی مصیبت ختم ہو گئی۔



اب شہدائے کربلا کی روحوں کو حسبِ آیاتِ قرآنی جنت کا رزق ملتا ہے اور وہ وہاں خوش ہیں تو اب رونے اور ماتم کرنے کا کیا موقعہ ہے؟ ہم تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں کہ جب تک آپ علیہ السلام مصیبت میں مبتلا تھے اس وقت بھی صبر کیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند مقام کی بشارت ملی تو پہلا غم بھی بالکل ختم ہو گیا۔ مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کیا ماتمیوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں ہے اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں؟

4۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی سلطنت ملنے کے بعد بھی کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس گزری ہوئی مصیبت کی یادگار میں ہر سال غم کی مجلس منعقد کی تھی؟

5۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے سانحہ کربلا ایک بہت بڑا ایمانی امتحان تھا۔ جس میں آپ رضی اللہ عنہ اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوئے تو اب "واہ واہ حسین رضی اللہ عنہ" امام کربلا کی شان کے لیے مناسب ہے یا "ہائے حسین، ہائے حسین"؟ جو امام عالی مقام کو پاس سمجھتا ہے وہ "واہ واہ" کرے اور جو نعوذ باللہ فیل سمجھتا ہے وہ "ہائے ہائے" کرتا رہے۔ نگاہ اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی۔

6۔ پاکستان میں کتنے ماتمی شیعہ ایسے ہیں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کے غم میں اندھے ہوئے ہیں؟

## شیعہ دلیل نمبر 2

ماتمی شیعہ حضرات اپنے ماتم کی حمایت میں (پارہ 7 المائدہ آیت 83) بھی پیش کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے: اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو رسول ﷺ کی طرف اتارا گیا تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی

آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔اس لیے کہ انہوں نے حق پہچان لیا۔الخ۔

جواب: 1۔یہ آیت ان عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو ملک حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ مدینے شریف پہنچے تھے اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے انہوں نے قرآن مجید سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ مسلمان ہو گئے۔یہاں تو صرف آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کا ذکر ہے اور وہ بھی قرآن سننے پر۔اس کو تمہارے ماتم سے کیا تعلق ہے؟

2۔اگر ماتمیوں کے نزدیک اس آیت کا مطلب ماتم کرنا ہے تو پھر قرآن سننے پر ماتم کیوں نہیں کرتے؟

## شیعہ دلیل نمبر 3

ماتمی شیعہ حضرات کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ فرعون کے غرق ہونے کے واقعے کے دوران اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین نے گریہ کیا اور نہ انہیں اللہ کی طرف سے مہلت دی گئی۔

معلوم ہوا کہ جو برے لوگ ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان پر رویا جائے،اس کے بالمقابل ثابت ہوتا ہے کہ اچھے لوگوں پر رونا چاہئیے۔

جواب: 1۔اس آیت میں نہ شہادت کا ذکر ہے نہ ماتم کا تو اس سے مروجہ ماتم کیسے ثابت ہو گیا۔

2۔اس آیت میں کوئی حکم نہیں ہے کہ نیک لوگوں پر رونا چاہیے۔

3۔کیا ماتمی لوگ زمین و آسمان کے مذہب کے پیروکار ہیں؟

4۔اگر اللہ کے مقبول اور صالح بندے مستحق گریہ ہیں تو پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور دیگر صلحائے امت کی وفات پر ہر سال کیوں گریہ وماتم کی مجلس بپا نہیں کرتے؟

5۔نیک لوگوں کی وفات پر طبعاً انسان کو افسوس ہوتا ہے اور غیر اختیاری طور پر رونا بھی آتا ہے

جس پر کوئی اعتراض نہیں، اعتراض تو سال بسال اس دن کی یادگار منانے اور بے صبری و نوحے کے اعمال کرنے پر ہے جن کے کسی ثبوت کا اشارہ بھی اس آیت سے نہیں نکلتا۔



**شیعہ دلیل نمبر 4**

بعض ماتمی تفسیر ابن کثیر کے ایک حوالے سے بھی اپنے مروجہ ماتم کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تفسیر ابن کثیر میں ہابیل و قابیل کے واقعہ کے تحت لکھا ہے: اس صدمہ سے حضرت آدم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی۔ آخر فرشتوں نے ان کے غم دور ہونے اور ہنسی آنے کی دعا کی۔ الخ۔ (تفسیر ابن کثیر، مترجم جلد اول صفحہ 86)

**جواب:** 1۔ فرمایئے! کیا اس سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر سال "غم کی مجلس" قائم کرتے تھے یا یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے ان کے غم کو دور کرنے کی دعا کی تھی؟ اس سے معلوم ہوا کہ غم دور کرنا ضروری ہے نہ کہ باقی رکھنا۔

2۔ حضرت آدم علیہ السلام نے "منہ پیٹا" اور نہ "سینہ کوبی" کی اور نہ کالے کپڑے پہنے تو ماتمی لوگ یہ کام کر کے کس کی سنت کی پیروی کرتے ہیں؟

**شیعہ دلیل نمبر 5**

حضرت نوح علیہ السلام کا اصلی نام عبد الغفار تھا اور نوحہ کرنے کی وجہ سے نوح کہلاتے ہیں۔

(الصاوی علی الجلالین، جلد دوم صفحہ 133 مطبوعہ مصر)

**جواب:** 1۔ حضرت نوح علیہ السلام کسی مقبول بندے کی مصیبت، بشارت کی وجہ سے نہیں روئے بلکہ اس کی وجہ سے خود صاوی حاشیہ جلالین میں یہ لکھی ہے:

آپ علیہ السلام کا لقب نوح اس لیے ہوا کہ آپ اس بنا پر زیادہ روتے رہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بد دعا کی تھی جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ اپنے بیٹے کے بارے میں آپ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیا

تھا۔

2۔اس نوحہ (رونے) سے منہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا کیسے ثابت ہو گیا؟

**شیعہ دلیل نمبر 6**



حضرت ابراہیم بن محمد کے انتقال کی آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے۔ نزع کی حالت تھی گود میں اٹھالیا۔آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔(سیرت النبی، حصہ اول صفحہ 728)

**جواب:** 1۔اس کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں کہ : عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ ! آپ کی یہ حالت ؟آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اپنے فرزند حضرت ابراہیم کے انتقال پر رحمت کی وجہ سے حضور ﷺ کی آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے تھے لیکن اس سے ماتم مروّجہ کیسے ثابت ہوا؟

2۔اور اس گریہ کی بھی کیا ہر سال ابراہیم کی وفات کے دن رسول اللہ ﷺ نے کوئی مجلس بپا کی تھی؟

3۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت ابراہیم بن محمد کے ماتم کی مجلس بپا کی ہے؟ عجیب بات ہے کہ جس چیز سے استدلال کرتے ہیں خود اسی پر عمل نہیں۔

**شیعہ دلیل نمبر 7**

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت رسول اکرم ﷺ روئے اور فرمایا۔ہائے آج حمزہ کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔اس پر صحابہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عورتوں سے کہا کہ تم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ماتم کرو اور عورتوں نے گریہ کیا اور صف ماتم بچھائی۔آنحضرت ﷺ نے عورتوں کا گریہ سن کر خود گریہ کیا اور عورتوں کو ماتم کرنے کی وجہ سے دعائے خیر دی۔

(کتاب مغازی فتوح الشام، ص108)(سیرۃ ابن ہشام)(سیرۃ النبی شبلی نعمانی،ج 1)

جواب: 1۔اس عبارت میں بھی منہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا ثابت نہیں جس سے مروجہ ماتم ثابت ہوتا ہے۔

2۔سیرۃ النبی شبلی نعمانی حصہ اول 387 میں تو یہ الفاظ ہیں:

آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ماتم بلند تھا۔ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا تمہارے ہمدردی کا شکر گزار ہوں لیکن مرُدوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ماتم میں عورتوں نے رواج کے تحت نوحہ (بین کرکے رونا) شروع کر دیا تھا جس سے رحمتہ للعالمین ﷺ نے ان کو منع فرمادیا۔

3۔کیا پھر ہر سال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم و گریہ کی مجلس بھی قائم کی گئی تھی؟

4۔کیا آج کل کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مجالسِ ماتم بپا کی ہیں۔اگر نہیں تو کیوں؟

## شیعہ دلیل نمبر 8

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے سال کو آنحضرت ﷺ نے (عام الحزن) یعنی غم کا سال کے نام سے یاد کیا ہے۔

جواب: اگر اس سال کو عام الحزن کا نام دینے کا مطلب یہی ہے کہ ہر سال ان کی وفات کے دن ماتم کی مجالس قائم کی جائیں تو کیا حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزھراء، حضرت حسن و حضرت حسین نے ہر سال کوئی مجلس غم بپا کی تھی؟ اور کیا رحمۃ للعالمین ﷺ نے بھی اپنے مہربان چچا ابو طالب اور اپنی پیاری بیوی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ہر سال مجلس ماتم کی طرح منایا تھا؟ اگر نہیں تو پھر کس کی پیروی کرتے ہو؟

## شیعہ دلیل نمبر 9

جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کا دانت مبارک شہید ہو گیا جس کی خبر سن کر خواجہ اویس قرنی نے اپنے دانت توڑ دیے آنحضرت ﷺ نے اس فعل کو پسند فرمایا اور خواجہ کے لیے دعا دی۔

جواب: 1۔ یہ روایت بلا سند اور بلا حوالہ پیش کی گئی ہے اس لیے اس کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

2۔ اگر اسی طرح اپنے دانت توڑنا صحیح اور کارِ ثواب ہوتا تو پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اپنے دانت توڑ دیتے کیا ماتمیوں کے نزدیک خواجہ اویس قرنی کا عشقِ رسالت ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھا؟

3۔ اگر خواجہ اویس قرنی کی یہ سنت ماتمیوں کو پسند ہے تو پھر سرکارِ دوعالم ﷺ کے دانت شہید ہونے کی یادگار میں اپنے دانت کیوں نہیں توڑ دیتے سارا قصہ ہی ختم ہو جائے نا مرثیہ خواں رہیں نا سوز خواں (نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری)۔

## شیعہ دلیل نمبر 10

اسلام دینِ فطرت ہے اور رونا فطرتِ انسانی ہے بچہ پیدائش کے بعد زندگی کا آغاز رونے سے کرتا ہے۔ الخ

جواب: 1۔ پیدائش کے بعد رونا مروجہ ماتم کی دلیل کیسے بن گیا؟ بچہ کس کے ماتم میں روتا ہے؟

2۔ اگر بچہ روتا ہے تو پیشاب پاخانہ بھی کرتا ہے تو اس فطرت انسانی کے پیش نظر پیشاب پاخانہ کی مجالس بھی قائم ہونی چاہییں واہ کیا خوب عقل ہے سبحان اللہ۔

## شیعہ دلیل نمبر 11

سانحہ کربلا کے وقت اسلام میں کوئی فرقہ بندی نا تھی قاتلانِ امام دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے تھے آج امام حسین علیہ السلام کا ذکر اور ان کی حمایت کرنا گویا امام مظلوم کا ساتھ دینا ہے۔ الخ

جواب: 1۔ ماتم کرنے کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت سے کیا تعلق ہے؟ حسینیت تو یہ کہ

امام حسین رضی اللہ عنہ نے جس شریعت اور سنت مقدسہ کے لیے اپنی جان قربان کی تھی اس کی اتباع کی جائے اور اعمال صالحہ کو رائج کیا جائے شرک و بدعت اور بت پرستی کے مظاہر کو مٹایا جائے۔امام عالی مقام کو دعوت دینے والے بھی کوفی ہیں اور یزیدیت کی حمایت میں شہید کرنے والے غدار بھی کوفی لوگ ہیں جو ماتم امام حسین رضی اللہ عنہ نے ساری عمر نہیں کیا اس کا ارتکاب حسینیت کی حمایت ہے یا مخالفت؟



2۔(اخبار ماتم، ص 967) میں ہے کہ سب سے پہلے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم یزید کے گھر میں اس کی بیوی ہندہ نے بپا کیا تھا اب یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ حسینیت کیا ہے اور یزیدیت کیا؟

## شیعہ دلیل نمبر 12

فریقین کی معتبر روایتوں میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت انس وغیرہ سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا جو شخص کربلا میں امام حسین کی زیارت کرے اس حال میں کہ ان کے حق کو پہچانتا ہو تو اس پر بہشت واجب ہو جاتی ہے۔

**جواب:** 1۔فریقین (یعنی سنی اور شیعہ) کی کتابوں کا حوالہ نہیں لکھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ روایت کیسی ہے۔

2۔امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کرنے سے ماتم کا عبادت ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟

3۔جو شخص امام حسین رضی اللہ عنہ کے صبر اور نماز کی پیروی نہیں کرتا اور سنت کو ترک کرتا ہے اور بدعات کا مرتکب ہے وہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا حق پہچاننے والوں میں شامل ہی نہیں ہو سکتا پھر جنت کا مستحق کیسے ہو گیا؟

## شیعہ دلیل نمبر 13

حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حضرت حسین علیہ السلام پر ان کا حق پہچانتے ہوئے

روئے اس پر جنت واجب ہے۔

جواب: 1۔اس روایت کا بھی حوالہ پیش نہیں کیا گیا۔

2۔پھر اس میں ماتم مروجہ کا تو کوئی ذکر نہیں۔

3۔اگر صرف رونے سے جنت ملتی ہے پھر شریعت کی کیا ضرورت ہے۔

4۔آئمہ اہل بیت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ, امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ایسی مجالس ماتم کیوں نہیں قائم کیں؟

## شیعہ دلیل نمبر 14

حضرت حسین علیہ السلام کا غم تو وہ غم ہے جس پر انسان تو کجا جن و ملک, چرند و پرند, آسمان و درخت سب نے گریہ کیا چناچہ لکھا ہے آسمان حضرت حسین پر 40 دن تک روتا رہا۔

(ینابیع المودات، از علامہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی مطبوعہ قسطنطنیہ ص 39)

ثابت ہوا کہ مرثیہ پڑھنا, رونا اور ماتم کرنا انبیاء کی سنت اور اصحاب رسول اکرم ﷺ ہے۔

جواب: 1۔(ینابیع المودات) حنفیوں کی کوئی مستند کتاب نہیں پھر قرآن و حدیث کے صریح ارشادات کے خلاف ایسی روایات کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہیں؟

2۔اس عبارت میں بھی منہ پیٹنے اور سینہ کوبی کا کوئی ذکر تک نہیں۔

3۔کیا فرشتوں کی فطرت بھی رونا اور ماتم کرنا ہے؟ العیاذ باللہ

4۔کیا ہر سال زمین آسمان ماتم کرتے ہیں؟

## شیعہ دلیل نمبر 15

اے منکر غم گر میرے پیر نا ہوتے, مسمار محل دین کے تعمیر نا ہوتے, حسین کی قربانی سے زندہ ہے یہ اسلام, مٹ جاتا اگر دنیا میں شبیر نا ہوتے۔

جواب: 1۔ان اشعار میں تو دعویٰ ہے نہ کہ دلیل۔

2۔اس کو ماتم سے کیا تعلق؟

3۔کیا دین کے محل میں رحمت للعالمین حضرت محمد ﷺ نے کوئی ماتم کی اینٹ بھی لگائی ہے یا دین کا محل نماز، روزہ، صبر ورضا جیسے اعمال صالحہ سے تعمیر کیا گیا ہے؟

شیعہ دلیل نمبر 16، 17، 18

میں تورات کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں جن میں گریہ، ماتم رونے کے الفاظ ہیں۔

جواب:

1۔ان عبارتوں میں بھی منہ پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے مروّجہ ماتم کیونکر ثابت ہوا؟

2۔قرآن کے بعد تورات انجیل وغیرہ آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں جن کی عبارتیں مسلمانوں کے لئے حجت نہیں ہیں۔کیوں کہ اصلی آسمانی کتابوں میں تبدیلی ہو گئی ہے۔

3۔اگر تورات انجیل کے مذہب کی پیروی کرنی ہے تو کیا اس پر بھی ایمان لاؤ گے جو تورات میں لکھا ہے کہ:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے خدا کے ساتھ کُشتی کی تھی۔نعوذ باللہ (پیدائش، ص46)

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں سے بدکاری کی تھی۔استغفر اللہ (پیدائش، ص24)

خلاصہ جوابات:

یہ ہے کہ مذکورہ 18 دلائل میں سے کسی ایک دلیل سے بھی مروجہ ماتم ثابت نہیں ہو سکتا اور اگر یہ ماتم عبادت ہوتا تو اولاً قرآن میں اس کا صریح حکم ہوتا اور ثانیاً احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح ہوتی اور نعوذ باللہ خود رسول ﷺ ماتم کی مجالس بپا کرتے جیسا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات پہلے خود حضور ﷺ نے ادا کی ہیں۔

iStock
Credit: Je

# 8۔متعہ

## متعہ کے لغوی معنی اور شیعی معنی:



(عام لغت)

متعہ لغت میں نفع اور فائدہ اٹھانے کو کہتے ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جائے وہ متاع ہے۔

شیعہ مذہب میں ایک عورت کو مقررہ وقت کے لئے طے شدہ اجرت کے عوض جماع کی خاطر ٹھیکہ پر لینے کا نام ''متعہ'' ہے۔(کافی،ج2ص291)

بیشک متعہ والی عورت ٹھیکہ کی شئے ہے۔(فروع کافی،ج2ص43)

## متعہ کا غیر مشہور طریقہ:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیعہ کے نزدیک متعہ دوریہ جائز ہے، پھر فرمایا کہ عام شیعہ تو اس کا انکار کرتے ہیں لیکن ان کے محققین کہتے ہیں کہ متعہ دوریہ ہماری کتب شیعہ سے ثابت ہے۔

متعہ دوریہ کا طریقہ یہ ہے کہ چند آدمی ایک عورت سے متعہ کریں اور دورے کی باری ٹھہرائیں، پھر ہر ایک اپنی باری پر اس عورت سے جماع کرے، بتائے یہ عورت ہوئی یا کرایہ کا مکان یا گدھا یا اونٹ کہ بوقت ضرورت ہر ایک اس سے اپنی ضرورت پوری کرے۔ متعہ نے انسانی عزت و شرافت کا بیڑا غرق کرنے کے علاوہ حفظ نسب کو بھی ملیامیٹ کر دیا ہے جو کہ ہر ملت میں ضرور بات خمسہ میں سے ہے اور اس کی تقریر ہم نے دلائل عقلیہ کے باب میں عرض کی ہے۔

اس طریقہ کو اگرچہ موجودہ دور کے اثنا عشریہ امامیہ (شیعہ) نہیں مانتے لیکن ان کے ہاں معروف طریقہ میں کوئی عزت و شرافت ہے لیکن جو اس کو جائز قرار دیتے ہیں ان بندگان خدا کو کون سمجھائے۔

## شیعہ مذہب میں متعہ کا مشہور طریقہ:

شیعہ مذہب میں متعہ کا طریقہ یوں ہے کہ کسی عورت کو لیجئے اور اس سے کہیے کہ میں پانچ روپے کے عوض تجھے ایک رات یا اتنے عرصہ کے لئے چاہتا ہوں جب عورت مان جائے تو متعہ درست ہو گیا (تحفۃ العلوم، ص476 ملخصاً و مصباح المسائل)

اس طریقہ کار اور زنا (کنجری بازی) میں کوئی فرق ہو تو بتاؤ؟ صرف اس کے عوض کو حق مہر کہنا اور اس زنا کو متعہ نکاح کہنے سے احکام خداوندی بدل نہیں سکتے اور نہ ہی آخرت کی سزا ہلکی ہو سکتی ہے۔

## متعہ سے اصلی غرض:

شیعوں کے نزدیک متعہ کی غرض ہی محض شہوت کو بجھانا ہے چنانچہ شیعوں کے شہید ابو عبداللہ الشہید محمد بن مکی کہتا ہے:

یعنی ممتوعہ عورت سے عزل یعنی بوقت انزال منی کو باہر گرادینا جائز ہے۔ اگرچہ شرط نہ کی ہو، کیوں کہ متعہ سے اصلی غرض صرف فائدہ اٹھانا ہے نہ کہ نسل یعنی اولاد حاصل کرنا۔

## متعہ اور زنا میں مماثلت:

یہی غرض زنا میں ہوتی ہے، اگر یقین نہ آئے تو کسی زانی سے پوچھ لیجئے، زنا کرنے میں ان کا مقصد اولاد کا حصول نہیں بلکہ الٹا انہیں خطرہ لاحق ہے کہ اگر کہیں ناجائز نطفہ حمل ٹھہر نہ جائے۔ اگر وہ بے شوہر عورت ہو تو اس نطفہ کو گرانے کے لئے کتنے پاپڑ بیلتے ہیں۔

## وقت معین کرنا:

متعہ میں ضروری ہے کہ وقت متعین ہو، وقت مقرر نہ کیا جائے تو متعہ باطل۔

(تحفۃ العوام، ص474، مصباح المسائل ص261، جامع عباسی ص257)

## زنا:

زانی غریب کو پھر کیوں برا کہا جاتا ہے جبکہ وہ بھی اپنی محبوبہ سے وقت کی تعیین کا محتاج ہو کر اپنی ہوس پوری کرتا ہے۔اس زانی اور متعہ کرنے والے شیعہ میں نام کا فرق ہے۔



## خلوت میں جلوت:

متعہ میں اعلان واظہار بھی ضروری نہیں، چنانچہ (تہذیب الاحکام باب ا لنکاح) میں ہے۔

متعہ میں مشہوری اور اعلان نہیں ہے۔

اسی طرح زنا بھی چوری چھپے ہوتا ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ زنا میں ملامت، طعن تشنیع اور دیگر خرابیوں کا خطرہ ہوتا ہے اور متعہ میں یہ بھی نہیں بلکہ آزادی ہی آزادی شیعوں کو ایسی شادی خانہ آبادی کی نو لکھ مبارک۔

## اول دام پر کام:

متعہ میں اجرت پیشگی دینی ضروری ہے یہاں تک کہ اگر ممتوعہ عورت نے اجرت کا دعوی کیا تو وہ قابل سماعت نہ ہو گا۔

(مصباح المسائل ص 261، تحفۃ العوام ص 274، تنبیہ المنکرین، جامعہ عباسی ص 257)

رنڈی غریب نے کیا گناہ کیا ہے کہ وہ گورنمنٹ سے لائسنس کے لئے ماری ماری پھرتی ہے، اسکے بعد اسے ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا ہے، اور زانی کو کیوں گالی دی جاتی ہے جبکہ وہ بھی اپنی محبوبہ کو زنا کی خرچی پیشگی ادا کرتا ہے۔ہاں انہوں نے متعہ کو آڑ نہیں بنایا اور شیعہ چونکہ ایسے گندے فعل کو متعہ کی آڑ میں کرتے ہیں، اس لئے نہ صرف کے مؤمن بلکہ بقول ان کے لیڈروں کے رفع درجات کے ساتھ پاک بھی۔

## مٹھی بھر گندم (مفت راچہ باید گفت):

متعہ میں اجرت کا تعین نہیں، مٹھی بھر گندم یا ایک لقمہ طام پر بھی متعہ ہو سکتا ہے۔

(کافی، ج2ص194)

اہل انصاف غور کریں کہ جس مذہب میں شہوات نفسانی کی لذتوں کو اتنا سستا کر دیا گیا ہے اس کا انجام کیا ہو گا؟



## سستا سودا:

شیعوں کی مشہور مذہبی کتاب (فروغ کافی کے کتاب ا لنکاح) میں ہے:

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ عمر کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا مجھ سے زنا سرزد ہوا، اس گناہ سے مجھ کو پاک کر دو! عمر نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس قصہ کی خبر ہوئی تو آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تو کس طرح زنا میں مبتلا ہوئی؟اس نے کہا کہ میں ایک گاؤں سے گزری، مجھے سخت پیاس لگی، میں نے ایک گاؤں والے سے پانی مانگا، اس نے کہا: جب تک تو مجھ سے راضی نہ ہو جائے اس وقت تک پانی نہ دوں گا، جب مجھے اپنی جان کا خوف ہوا تو میں اس کی مرضی پر راضی ہو گئی اور اس نے مجھے پانی پلا دیا۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم یہ تو نکاح ہے۔

پڑھئے! یہ مسئلہ تو متعہ سے بھی بڑھ گیا کیونکہ اس میں تو نہ ایجاب ہے، نہ قبول اور نہ صیغہ اور عورت و مرد متفق ہو گئے ہیں۔اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ یہ تو نکاح ہے اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ یہاں عورت بے کس ہوئی ہے اور اس کی بے کسی سے مرد نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے لیکن کیسے کہا جا سکتا ہے، کہ اس سے نکاح ثابت ہوتا ہے۔ کیا کسی سے جبراً زنا کیا جائے تو شیعہ مذہب میں وہ بھی نکاح ہے؟ اگر نکاح ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ شیعہ مذہب میں وہ بھی جائز ہے کیوں کہ یہ بھی نکاح کی ایک صورت ہے۔(فروع کافی، ج3 کتاب الروضہ ص146)

## بے حیاباش وہرچہ خواہی کن (ہزار سے متعہ):

شیعہ مذہب کی بے حیائی اور دیدہ دلیری دیکھئے کہ قرآن پاک نے تو نکاح جیسی مقدس رسم کو بھی ایک دائرہ میں محفوظ فرمایا کہ مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے نہ بڑھنے دیا، بلکہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے ہوتے ہوئے خود حضرت علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ کو دوسری عورت سے نکاح ناجائز قرادیدیا گیا لیکن عشاق عیش و عشرت نے ایسی چھلانگ لگائی کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہ ہوسکے،

چنانچہ ملاحظہ ہو۔

ہزاروں سے متعہ جائز ہے۔(ضیاء العابدین، ص193)

زرارہ سے مروی ہے کہ:

ممتوعہ عورتیں کتنی حلال ہیں؟جواب دیا: جتنی چاہو۔(کافی، ج2ص 191)

متعہ کروچاہے ہزار عورتوں سے اس لئے کہ یہ ٹھیکہ کی چیزیں ہیں۔(ایضا، ص320/191)

## چیزیکہ آید فنادر فنا:

شیعہ مذہب میں یہ بھی ضروری نہیں کہ جس عورت سے متعہ کیا جائے، وہ اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہو، بلکہ جیسی ہو جس طرح کی ہو، بس شہوت کا بھوت سوار ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ کسی (رنڈی) بھی اگر کسی کی عدت میں نہ ہو تو کراہت سے اس کے ساتھ بھی متعہ درست ہے۔

(ضیاء العابدین، ص193)(تحفۃ العوام)(مصباح المسائل)(ذخیرۃ المعاد)

## بیوی کی بھتیجی اور متعہ:

اگر زوجہ منکوحہ حرہ کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح یا متعہ کرے تو اجازت زوجہ مذکورہ کی درکار ہے

(تحفۃ العوام)

## لواطت کے مزے:

ناظرین حیران ہوں گے کہ مذہب شیعہ کے یہ چھپے ہوئے شیر کہاں تھے۔اب مزے لیجئے کیونکہ شیعہ مذہب میں مزے ہی مزے ہیں، چند نمونے درج ذیل ہیں:

متاعی عورت سے شرط لگانا جائز ہے کہ دن یارات میں جماع کروں گا اور یہ کہ شرمگاہ میں جماع نہ کروں گا، اگر وہ عقد کے بعد راضی ہو جائے تو جائز ہے۔

اس سے اشارہ سمجھنے والے کو بات سمجھ میں آگئی لیکن تصریح بھی ملاحظہ فرمائیے۔

(الاستبصار، ج2/ص130)(فروع کافی، ج2ص234) میں ہے:

عورت کی دبر (پاخانہ کی جگہ) میں محبت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ عورت رضامند ہو جائے۔

(ذخیرۃ المعاد، ص191)

اس لطف اندوزی کے ساتھ سہولت یہ ہے کہ نسل بھی واجب نہیں، چنانچہ (فروع کافی، ج1 ص25) میں ہے: وہ عورت کہ جس سے لواطت کی جائے اس پر غسل واجب نہیں اگرچہ عورت کی دبر میں مرد کو انزال بھی ہو جائے۔

## بالکل مفت:

صرف اس پر بس نہیں بلکہ شیعہ مذہب میں تو شرمگاہ کو عاریتہ بھی دینا جائز ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

اگر کوئی اپنی لونڈی سے آپ مباشرت نہ کرے اور کسی اور پر حلال کر دے تو یہ صیغہ پڑھے۔

یعنی میں اپنی لونڈی سے جماع تیرے لئے حلال کرتا ہوں۔

اور جس پر حلال کرے وہ اس کے جواب میں صرف اتنا کہے: میں نے قبول کیا تو اس پر وہ حلال ہو جاتی ہے بے نکاح اور بے متعہ کے، اور جب منع کر دے تو حلت موقوف ہو جاتی ہے۔

(ضیاء العابدین، ص192/193)

نیز لکھا ہے کہ جس کے پاس لونڈی ہو تو اسے چاہئے کہ چالیسویں روز ایک بار خود اس سے

مباشرت کرے یا دوسرے پر حلال کر دے۔

عورت نہ ہوئی بلکہ سائیکل اور مفت کی سواری ہوئی کہ جس کا جی چاہے فائدہ اٹھائے۔

**ماں بہن یا کوئی اور محارم:**



عوام کے خیال میں تو شیعہ بھی ایک مذہب تصور کیا جاتا ہے لیکن حقیقت شناس نگاہ اسے دائرہ انسانیت سے بھی خارج سمجھتی ہے، اگر انصاف کی نگاہ ہے تو ذیل کا حوالہ ملاحظہ ہو۔

ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ محارم (ماں بہن وغیرہ) سے ریشم لپیٹ کر جماع جائز ہے۔

(زخیرۃ المعاد، ص95)(زخیرۃ المعاد، ص92/حاشیہ 2)

**شیعی ابو حنیفہ:**

حوالہ دینے سے قبل ہم اس امر کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک نام کے دو آدی ہو سکتے ہیں اور ہوتے بھی ہیں، چنانچہ ابو حنیفہ، نامی متعدد اشخاص ہوئے ہیں اور ان میں فرق و امتیاز ولدیت وکنیت وغیرہ سے ہوتا ہے۔اہلسنت و جماعت کے امام کا نام نعمان، کنیت ابو حنیفہ اور ولدیت "ثابت" ہے۔ مگر شیعوں میں جو ابو حنیفہ نامی عالم گزرا ہے، اس کا نام تو یہ ہی ہے مگر ولدیت ثابت کی بجائے "ابو عبداللہ منصور" ہے۔

چنانچہ تاریخ کی مشہور اور معتبر کتاب "ابن خلکان" میں لکھا ہے:

یعنی "ابو حنیفہ نعمان "بیٹا" عبداللہ منصور" کا پہلے مالکی مذہب رکھتا تھا اور پھر اس نے مذہب امامیہ (شیعہ) کو قبول کیا اور اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔(تاریخ ابن خلکان)

ابو حنیفہ نعمان بن ابی عبداللہ محمد، شیعہ فقیہ اور مفسر، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

(کتاب المناقب والمثالب، کتاب الرد علی ابی حنیفہ، علی مالک، علی شافعی، علی شریح وغیرہ مشہور ہیں۔ جامع اللغات (تحت لفظ ابو حنیفہ)

ترجمہ: ابو حنیفہ نعمان بن ابی عبداللہ حمد بن منصور بن احمد بن جیون جو کہ قراءۃ قرآن اور معانی

فر قان اور فقہ، اختلاف فقہاء، لغت، شعر، تاریخ اور واقعات کے سمجھنے میں بہت بڑا فاضل تھا اور اس نے اہل بیت اطہار کی شان میں ہزاروں ورق تالیف کئے۔ نیز اس نے مناقب و مثالب میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے مخالفین کا رد کیا ہے، اس سلسلہ میں اس نے امام شافعی اور ابن شریح کا بھی رد کیا ہے، نیز اس نے (اختلاف فقہاء، اصول المذاہب، ابتداء قصیدہ فقہیہ ملقب بالتحیہ) کے عنوانات سے کتابیں تصنیف کیں اور یہ ابو حنیفہ پہلے مالکی مذہب رکھتا تھا، بعد ازاں طریقہ اسماعیلیہ اختیار کیا اور المعز ابی تمیم معد بن منصور کا ملازم ہوا، اور جب معد مصر میں گیا یہ اس کے ساتھ تھا، اور وہاں رجب 362ھ یا اس سال کے ماہ جمادی الآخر کے آخری جمعہ کو مصر میں فوت ہوا، اور معز نے اس پر نماز جنازہ پڑھی، فرقہ اسماعیلیہ میں یہ (ابو حنیفہ) ایک لیڈر کی حیثیت رکھتا تھا، اور اس کے باپ ابو عبداللہ نامی نے طویل عمر پائی، وہ اخبار نفیسہ کا حافظ تھا اور 351ھ میں ایک سو چار سال کی عمر میں بمقام قیروان مر گیا۔ ابو حنیفہ مذکور نیک اولاد رکھتا تھا، ان میں سے ابو الحسن علی بن نعمان تھا، جس کو معز فاطمی خلیفہ نے ابو طاہر محمد علی کے ساتھ مصر کا قاضی مقرر کیا، نیز ابو حنیفہ مذکور نے ایک بہت بڑی کتاب بنام (دعائم الاسلام) جو شیعی فقہاء کے درمیان مشہور ہے تصنیف کی، اور ملا جلسی نے اپنی کتاب (بحار جلد اول) میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ مذکور کٹر شیعہ اثنا عشری ہے لیکن تقیہ کے طور پر ہفت امامی کہلاتا تھا، مزید تفصیل و تشریح کے لئے (ابن خلکان، تاریخ یافعی، خطط مصر ابن زولاق) کی طرف رجوع کیجئے۔

## فضائل متعہ اور ثواب:

اہل بیت سے روایت ہے جو صرف رضائے خدا اور مخالفت منکرین کے واسطے متعہ کرے تو جو کلمہ کہ اپنی زوجہ متاعی سے کرے اور ہر مرتبہ جب ہاتھ بڑھائے اس کی طرف تو ہر کلمہ اور ہر دست اندازی کے عوض ایک نیکی اس کے واسطے لکھی جاتی ہے، اور جب نزدیکی کرتا ہے تو ایک گناہ اس کا بخش دیا جاتا ہے، اور جب غسل کرے تو ہر روئیں کی گنتی کے برابر گناہ اس کے بخش دیے جاتے

ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول خدا سے عرض کی کہ جناب باری تعالی فرماتا ہے کہ جو تیری امت میں سے متعہ کرتا ہے، تو میں گناہ اس کے بخش دیتا ہوں۔ معاذاللہ

(ضیاء العابدین، ص 195، مطبوعہ نول کشور)



## متعہ خدا کی رحمت ہے؟ معاذاللہ

کسی نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے مقدمہ متعہ میں عرض کی کہ میرے چچا کی لڑکی کے پاس مال بہت ہے اور مجھ سے کہتی ہے کہ جانتا ہے تو کہ بہت سے آدمی میری طلب کرتے ہیں اور میں کسی سے نکاح پر راضی نہ ہوئی اور رغبت مجھے مردوں سے نہیں لیکن جب سے سنا ہے کہ خدا اور رسول خدا نے متعہ کو حلال کیا ہے اور عمر نے اسے حرام کیا تھا تو چاہتی ہوں خدا اور رسول کی اطاعت اور مخالفت عمر میں متعہ کروں اس لئے تو مجھ سے متعہ کر! حضرت نے فرمایا: جا متعہ کر کہ خدا دونوں متعہ کرنے والوں پر صلوۃ اور رحمت بھیجتا ہے۔ (معاذاللہ)

(ضیاء العابدین، ص190)

## متعہ نہ کرنے والے کی سزا:

باکرہ کے ساتھ متعہ مکروہ ہے کیوں کہ اس کے رشتہ داروں میں اس پر عیب لگتا ہے۔

(کافی، ج2ص192)

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کوئی حرج نہیں کہ کنواری عورت سے فائدہ اٹھایا جائے، جب تک اس سے جماع نہ کیا جائے، واسطے اس کے خاندان کی ہتک کے۔ (کافی، ج2ص196)

گویا باکرہ کنواری عورت سے بھی متعہ جائز ہے مگر مکروہ ہے وہ بھی صرف اس لئے کہ لڑکی کے خاندان والوں پر دھبہ لگتا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ اس میں دھبہ کی بات تو کچھ بھی نہیں کیونکہ متعہ تو ایک محبوب فعل ہے اور اس کے کرنے والوں کو امام حسین کا درجہ مل جاتا ہے (معاذاللہ)، نہ صرف یہ بلکہ جو متعہ نہ کرے وہ قیامت کے دن ناک کٹا اٹھایا جائے گا، چنانچہ (تنبیہ المنکرین

کے صفحہ 254) پر ہے: حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا سے بغیر متعہ کے کوچ کیا وہ قیامت کے دن نک کٹا اٹھایا جائے گا۔(معاذاللہ)

اللہ تعالی نے حضور ﷺ سے فرمایا: جو تیری امت سے متعہ کرتا ہے تو اس کے گناہ بخش دوں گا۔(معاذاللہ)(ضیاءالعابدین، ص 195)

جو شخص ایک بار متعہ کرے اسے امام حسین اور جو دو بار کرے اسے امام حسن اور جو تین بار کرے اسے حضرت علی اور جو چار بار کرے اسے حضرت رسول کریم کا درج مل جاتا ہے۔

(معاذاللہ)(برہان المتعہ، ص 52)(منہج الصادقین، ج 2 ص 292)(ضیاءالعابدین ص 195)

متعہ میں ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑنے سے تمام گناہ انگلیوں کے پوروں سے نکل جاتے ہیں اور غسل جنابت کے پانی کے ایک ایک قطرہ سے اللہ تعالی فرشتے پیدا کرتا ہے، جو اس کے لئے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں، اس کا ثواب تا قیامت متعہ کرنے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

(معاذاللہ)(خلاصہ منہج الصادقین، ج 2 ص 291)

## متعہ ٹکٹ ہے جہنم سے آزاد ہونے کی: (معاذاللہ)

جس نے ایک بار متعہ کیا تیسرا حصہ اس کا آتش جہنم سے آزاد ہوا۔(معاذاللہ)

(منہج الصادقین، ج 5 ص 20)۔ گویا تین بار متعہ کرنا مکمل جہنم سے آزادی کا درس ہے، یہ نیا کورس صرف شیعہ مذہب سے سنا ہے۔

جو شخص عمر میں ایک مرتبہ متعہ کرے وہ اہل بہشت سے ہے۔ عذاب نہ کیا جائے گا وہ مرد اور عورت جو متعہ کرے۔(تحفۃ العوام ص 265)

جو شخص ایک بار متعہ کرے وہ اللہ تعالی قہار کے غضب سے بچ گیا، اور جو دوبارہ کرے وہ قیامت کے دن نیکوکار لوگوں کے ساتھ اٹھے گا، اور جو تین بار کرے وہ روضہ جنت میں چین اڑائے۔

(معاذاللہ)(خلاصۃ المنہج، ج 1 ص 292)

حضرت سلمان فارسی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور ﷺ کی محفل پاک میں حاضر تھے، آپ نے سامعین کو ایک بلیغ خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اللہ کی طرف سے ابھی جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام) میری امت کے لئے بہترین تحفہ لائے ہیں، جو میرے سے پہلے کسی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوا اور یہ تحفہ مومنہ عورت (شیعہ) سے متعہ کرنا ہے، یاد رکھو! یہ متعہ میری سنت ہے، میرے زمانہ میں یا میرے وصال کے بعد جو بھی اس سنت (متعہ) کو قبول کر کے اس عمل کرے گا بلکہ اس پر مداومت کرے گا تو وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، اور جو اس کی مخالفت کرے گا تو وہ خدا تعالی سے مخالفت کرتا ہے، اور جو بھی اس مجلس میں بیٹھنے والوں سے میرے اس حکم کا انکار کرے کہ وہ میرے ساتھ بغض کرتا ہے،

لہذا سن لو کہ میں اس کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ دوزخی ہے، جان لو کہ جو زندگی میں صرف ایک بار متعہ کرے گا تو وہ اہل بہشت سے ہوگا، اور جان لو کہ جو شخص عورت سے متعہ کرنے کے لئے بیٹھے گا تو اللہ تعالی کی طرف سے اس کے لئے ایک فرشتہ (سپیشل) نازل ہوگا، جو ان دونوں کی نگہبانی کرے گا، یہاں تک کہ وہ اس فعل سے فارغ ہو جائیں، اس متعہ کرتے وقت یہ دونوں جو کلمہ منہ سے نکالیں گے، ان کے لئے تسبیح و ذکر اور کار ثواب بن جائے گا، اور جب یہ دونوں ایک دوسرے سے یک جان ہوں گے تو ان سے زندگی کے تمام گناہ معاف، اور جب وہ ایک دوسرے کو بوسہ دیں گے تو اللہ تعالی انہیں ان کے ہر بوسہ کے عوض حج و عمرہ کا ثواب بخشے گا، جب متعہ کے کام میں مشغول ہوں گے تو ہر لذت و شہوت کے جھونکے پر ان کے نام گل میں ان گنت نیکیاں لکھی جائیں گی، ایک نیکی بڑے بلند بہاڑ کے برابر ہو گی، جب شہوت بجھا کر فراغت پائیں گے تو غسل کی تیاری کریں گے تو اللہ تعالی خوش ہو کر فرشتوں سے فرمائے گا کہ دیکھو میرے ان دونوں بندوں کو اب وہ لذت بجھا کر اٹھے ہیں اور نہانے کا انتظام کر رہے ہیں، اے میرے فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے ان دونوں کو بخش دیا ہے، جان لو! کہ ان کے بدن پر

غسل کا پانی ان کے جس بال سے گزرے گا تو اللہ تعالی ہر بال کے بدلے میں ان کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھے گا، اور دس گناہ معاف فرمائے گا اور دس مرتبے بلند فرمائے گا۔ یہ تقریر سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اٹھ کر عرض کی کہ یارسول اللہ! اس شخص کا ثواب بھی بیان فرمائے جو متعہ کے رواج دینے میں جدوجہد کرتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے ان دونوں متعہ کرنے والوں کو ثواب ملا ہے یعنی اس کو دوہرا ثواب نصیب ہوگا۔ (معاذ اللہ)



پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اے علی! متعہ کرنے والے مرد اور عورت جب غسل سے فارغ ہوتے ہیں۔ تو ان کے غسل کے پانی کے ایک ایک قطرہ سے فرشتہ پیدا ہوتا ہے، پھر وہ قیامت تک اس متعہ کرنے والے مرد اور عورت کے لئے تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں، اے علی! جو شخص متعہ سے محروم رہے گا وہ نہ میرا ہے اور نہ تیرا۔ (معاذ اللہ)

(خلاصۃ المنہج، ج1 ص 292)

## متعہ سے محروم ہونے کی سزا:

یہ نہ سمجھنا کہ شیعوں کے نزدیک متعہ کوئی ایسا ویسا عمل ہے بلکہ اتنا ضروری ہے کہ نہ کرنے والے کو سخت سے سخت سزا دی جائے، چنانچہ چند احادیث شیعہ مذکور ہو چکی ہیں، چند اور سن لیجئے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: وہ ہماری جماعت سے خارج ہے جو متعہ کو حلال نہیں سمجھتا۔ (خلاصۃ المنہج، ص 251)

ایک شخص نے حضرت امام باقر رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کی کہ میں نے قسم کھائی کہ متعہ نہیں کروں گا، اب پریشان ہوں کہ کیا کروں؟ آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے کہ اللہ تعالی کے حکم سے روگردانی کی قسم کھائی ہے، جو شخص اللہ تعالی کے حکم سے روگردانی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالی کا

دشمن ہوتا ہے (معاذاللہ)۔ مصنف (خلاصتہ المنہج، ص 291)اس روایت کو نقل کر کے لکھتا ہے: یعنی اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو متعہ نہیں کرتا وہ اللہ تعالی کا دشمن ہے۔اس کے بعد اہلسنت یعنی منکرین متعہ کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے لکھتا ہے: یعنی جب متعہ کا قائل ہو کر بھی متعہ نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالی کا دشمن ہے تو پھر اس غریب مسلمان پر کتنا غضب خداوندی ہو گا، جو متعہ کا منکر ہے (معاذاللہ)۔



حضور ﷺ سے یہ صحیح روایت منقول ہے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ ابھی میرے ہاں جبرئیل (علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور فرمایا کہ اے محمد ﷺ، اللہ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ آپ اپنی امت سے فرما دیجئے کہ وہ متعہ کریں اس لئے کہ متعہ نیک لوگوں کی سنت ہے، ورنہ سن لیجئے کہ آپ کا جو امتی قیامت کے دن میرے ہاں حاضر ہو گا اور اس نے متعہ نہ کیا ہو گا تو اس کی تمام نیکیاں چھین لی جائیں گی۔

اے محمد ﷺ سن لیجئے! مومن شیعہ جب صرف ایک درہم چار آنہ متعہ میں خرچ کرتا ہے، تو اللہ تعالی کے ہاں دوسری نیکیوں میں ہزار درہم کے خرچ سے یہ خرچ بہتر و اعلی ہے۔

اے محمد ﷺ سن لیجئے کہ بہشت میں چند مخصوص حوریں بیٹھی ہیں جو صرف متعہ کرنے والوں کو نصیب ہوں گی، ان کی طرف باقی کسی کو دیکھنے تک بھی نہ دیا جائے گا۔

اے محمد ﷺ جب کوئی متعہ کی بات چیت کسی عورت سے طے کرتا ہے، اس کی شان اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ وہیں پر ہی اللہ تعالی اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے اور ساتھ ہی وہ متاعی عورت بھی بخشی جاتی ہے، بلکہ ہاتف غیبی اسے ندا دیتا ہوا مبارک پیش کرتا ہے: اے مرد قلندر شاباش! تیرے تمام گناہ بخشے گئے نیکیاں اتنی دی گئیں کہ تو گننے سے عاجز آ جائے گا، اور وہ عورت جو حساب متعہ طے کر کے معاف کر دیتی ہے تو اس کی کمائی ٹھکانے لگ گئی، اس لئے کہ اس کی ہر چونی پر قیامت میں اسے چالیس ہزار نور کے شہر ملیں گے (گویا بہشت میں وہ ملکہ الزبتھ کا عہدہ

سنبھالے گی)اور ہر چونی کے بدلے دنیاو آخرت میں ستر ہزار مرادیں پوری کی جائیں گی (پھر تو متعہ کی سودے بازی سے شیعہ عورتیں قابل رشک ہیں، کہ حج کرنے پر بھی اتنی مرادیں نہ پاسکیں، جو متعہ کی خرچی معاف کرنے پر پائی)اور ہر چونی کے عوض اس کی قبر پر نور ہو گا۔ یعنی مرنے کے بعد قبر نور علی نور ہو جائے گی، متعہ پاک کے صدقے شیعہ عورت کا بیڑہ پار ہی پار اور ہر چونی پر قیامت میں اس عورت کو ستر ہزار بہشتی اور نورانی پوشاک پہنائی جائے گی، باقی اور کیا چاہیئے؟ شیعہ عورت بڑی خوش قسمت ہے کہ چار آنے پر اس کے لئے اللہ تعالی ستر ہزار فرشتوں کو حکم فرمائے گا کہ اس عورت کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ (معاذاللہ)

(کذافی خلاصتہ المنہج، ص293)

## حرمت متعہ از روایات شیعہ:

### روایت نمبر1

شیعوں کی سب سے معتبر کتب احادیث علامہ ابو جعفر طوسی کی (تہذیب واستبصار) ہے، چنانچہ ان ہر دو کتب کے باب تفصیل النکاح وباب تحلیل المتعہ علی الترتیب میں یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ حضرت علی نے اور رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا گوشت گھریلو گدھے کا اور نکاح متعہ کا۔

یہ حدیث کتب ستہ اہل تسنن میں بھی مرقوم ہے، اور چونکہ یہ بہترین اسناد سے مروی ہے، اس لئے کل محدثین نے بالاتفاق اس پر حصر کرکے متعہ کو حرام قرار دیا ہے، جب یہ حدیث مخاصمین کی بہترین کتب میں سلسلہ وار جناب امیر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتی ہے تو اس سے بہتر مسکت البحث سند اور کیا ہو سکتی ہے، فریقین ایک دوسرے کی روایات کو غیر معتبر اور راویوں کو غیر متدین سمجھتے ہیں، اس لئے آج تک وہ ایک سطح پر کھڑے نہیں ہو سکے لیکن جب یہ روایت ہر فریق کی اپنی اپنی معتبر کتب میں نہایت ثقہ راویوں کی سند سے مندرج ہے تو یہ کس قدر شیعوں

کی ہٹ دھرمی ہے کہ وہ اسے بلاوجہ نظرانداز کررہے ہیں۔

**روایت نمبر 2**

کافی بھی شیعوں کی صحاح اربعہ میں سے ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس پر امام منتظر نے: (ھذا کاف لشیعتنا) کی مہر تصدیق ثبت فرمائی تھی، چنانچہ اس کتاب کے جلد 2 صفحہ 24 میں یہ روایت درج ہے: مفضل نے کہا ہے کہ میں نے امام جعفر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ متعہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس کو بالکل چھوڑ دو، کیا تمہیں حیا نہیں آتی کہ بیگانہ عورت کی فرج دیکھ کر اپنے بھائیوں اور دوستوں کے آگے اس کا حال بیان کرو۔ اس روایت میں نہ صرف متعہ ہی کو حرام کیا گیا ہے بلکہ اس بے حیائی کا نہایت ہی مختصر مگر معنی خیز الفاظ میں مرقع کھینچا گیا ہے، جو متعہ کا لازمی نتیجہ ہے۔

**روایت نمبر 3**

کتاب (فقہ الرضا) کے باب ا لنکاح میں ہے: راوی کہتا ہے: اے برادر پوچھا میں نے امام رضا سے کہ اے حضرت روح میری جان آپ پر قربان، یہ فرمائے کہ متعہ کی نسبت آپ کا کیا حکم ہے کہ روایت کیا ہے، آپ کے دادا جناب امیر المومنین نے کہ حضرت رسالت پناہ نے حلال کیا فتح مکہ کے روز اور حرام کیا تھا خیبر کے روز اور اس سے منع کیا تھا، امیر نے فرمایا: جناب امیر نے سچ فرمایا تھا: خدا کی قسم متعہ حرام ہے، البتہ اجازت دی گئی تھی قبل میں۔

پھر امام نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ حلال نہیں فرمایا تھا مگر جوانان عرب کے واسطے جو مسافرت میں آپ کے ساتھ تھے، اور شکایت اپنی تکلیف کی کرتے تھے، پس آپ نے اجازت متعہ کی نہیں دی مگر ایسے لوگوں کے واسطے تاکہ حرام سے بچیں لیکن جس نے متعہ کیا اس حالت میں کہ قادر ہے نکاح پر یا خریدنے لونڈی پر یا اپنے مکان پر موجود ہے یا کسی شہر میں مقیم ہے، پس بیشک اس نے مباح کیا اپنے نفس پر اس چیز کو جس کو حرام کیا خدا تعالی نے اس کے

واسطے،اور خدا عزو جل نے فرمایا: جس شخص نے تجاوز کیا، اللہ کی حدوں سے داخل ہو گا وہ ظالمین میں ہے۔



اے بیٹے میرے نہیں تھا جواز متعہ کا مگر وقت اضطرار اور ضرورت کے جیسا کہ جائز ہے، وقت ضرورت کے گوشت خنزیر کا اور مردار اور خون لیکن حد ضرورت سے نہ گزرے تو اللہ معاف کرنے والا ہے۔

## روایت نمبر 4

(تحفۃ المومنین) اور کتاب (المحاسن البرقی) بھی شیعوں کی معتبر کتب میں شمار کی جاتی ہیں، ان کے باب المتعہ میں بھی جناب امیر سے روایت نقل کی گئی ہے: جناب امیر نے ابن عباس کو کہا کہ تحقیق تو مرد عیاش ہے تحقیق رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمادیا ہے۔

بعینہ یہی روایت کل معتبر کتب احادیث اہل تسنن میں درج ہے، پس جب یہ حدیث متفق علیہ فریقین ہے تو اس کی صحت سے انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ جناب امیر متعہ کو عیش رانی کے مترادف قرار دیتے ہیں مگر حضرات شیعہ اپنے وصی رسول کی بات پر ناک منہ چڑھاتے ہیں اور ابن عیاش، ابن سکان اور ہشام شیطان مطلق ایسے وضاعین و کذابین کے نقش قدم پر چل کر دعوی تتبع اہل بیت کرتے ہیں۔

## روایات حرمت استدلالیہ:

وہ روایات جن سے اشارتہ حرمت متعہ از احادیث شیعہ ثابت ہے۔

## روایت 1

خاتم المؤلفین صاحب مجالس المومنین مجلس دوم میں لکھتے ہیں: حضرت امام حسن کو باعتراف صاحب مجالس المومنین بیشتر نکاح اعلان عام فرمایا تھا: اے کوفہ کے لوگو! حسن رضی اللہ عنہ سے اپنی لڑکیوں کا نکاح مت کرو کیوں کہ یہ بکثرت طلاق دینے کا عادی ہو گیا ہے۔

غور کیجئے اگر متعہ جائز ہوتا تو حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) متعہ سے کنارہ کشی نہ کرتے کہ یہ نہایت سہل امر بھی ہے، اور ثواب بھی، حالانکہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے تمام عمر بھی متعہ نہیں کیا۔ کاش شیعہ صاحبان ائمہ کرام کی عملی زندگی کی متابعت کریں اور خوامخواہ ان وضعی روایات کی کورانہ تقلید نہ کریں جو منافقین اسلام نے بغرض فتنہ وفساد ائمہ کے نام مشکوک کر کے درج کی ہیں۔



روایت 2

امام منظر کی اس تصدیق شدہ کتاب (فروع کافی ص 22 جلد 2) پر یہ روایت درج ہے:

حضرت ابو الحسن نے اپنے بعض اصحاب کو لکھا کہ متعہ پر اصرار مت کرو! صرف سنت بجالاؤ اور اس میں مصروف مت ہو جاؤ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی منکوحہ عورتوں اور کنیروں سے ہٹ جاؤ اور وہ معطل رہیں اور بددعا لعنت کریں، اس وجہ سے کہ ہم نے حکم متعہ کا دیا ہے۔

اس سے متعہ کا جواز نہیں بلکہ متعہ کے اصرار سے ممانعت کی ہے اور اس سے لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ تم ممتوعہ عورتوں کے خیال میں نہ رہو، ورنہ اپنی منکوحات کو چھوڑ دو گے، اور وہ اس کے بدلے تمہارے اور ہمارے لئے بددعا کریں گی کہ ائمہ نے متعہ کا رواج ڈال کر ہم پر یہ آفت برپا کی، کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ رواج متعہ معاشری تمدن کو درہم برہم اور انسانی رگ وپے میں شہوت زنی کی تحریک کو مستحکم کرنے والا ہے، جس کی وجہ سے زناکاری اور فسق وفجور کے رائج ہونے کا نہ صرف احتمال بلکہ یقین کامل ہے۔

روایت 3

یہ روایت بھی اپنے ماسبق کی طرح (کافی جلد 2 کے صفحہ 42) پر درج ہے:

ابن عمر لیثی نے امام باقر سے متعہ کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا نے اسے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول ﷺ کی زبان سے حلال کیا ہے۔ ابن عمر نے کہا کیا یہ آپ کو پسند ہے کہ

آپ کی عورتیں اور لڑکیاں یہ فعل کریں، امام باقر نے یہ بات سن کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔



ائمہ معصومین کی تصویر کا سیاہ رخ تو شیعہ صاحبان نے مذکورہ بالا الفاظ میں دکھلا کر حب اہل بیت کا ثبوت دیا ہے، حالانکہ ہمیں معاندین اہل بیت سے شمار کیا جاتا ہے لیکن ہمارا ایمان ہی نہیں کہ یہ رہنمایان راہ طریقت کی خلاف ورزی کر کے جو چیز دوسروں کے لئے جائز سمجھیں اور اس کی تلقین کریں خود اس پر عامل نہ ہوں، اگر امام حلت متعہ کے اس قدر قائل تھے کہ اس کو سنت رسول ﷺ قرار دے کر قیامت تک جائز سمجھتے تھے تو پھر اپنی عورتوں کا سوال آجانے سے کیوں کبیدہ خاطر ہوئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو فعل مردوں کے لئے باعث نجات آخروی اور افتخار دنیوی ہو، وہ عورتوں کے لئے موجب رسوائی و شرمساری ہو پس نتیجہ اٹل یہ ہے کہ یہ حدیث وضعی ہے اور خواہ خواہ ائمہ کے گلے منڈی گئی ہے، کیوں کہ ان کی ذات بابرکات ایسی بے اُصول باتوں سے مبرا و منزہ ہیں۔ ائمہ معصومین کی تصویر کا سفید رخ یہ ہے جو ہم نے دکھلایا ہے، اب ناظرین فیصلہ کریں کہ محبت کس نقطہ نظر میں مضمر ہے۔

## روایت 4

باکرہ سے متعہ کرنا اس کے خاندان کے لئے بوجہ عیب، موجب ہتک ہے۔

یہ روایت بھی (کافی جلد 2 ص 196) اور نیز (من لایحضرہ الفقیہ) جو شیعوں کے سلطان المحد ثین ابن بابویہ القمی المعروف بہ شیخ صدوق کی مشہور عالم کتاب ہے اور جو صحاح اربعہ کے نظام شمسی کا آفتاب ہے۔ اس کے باب المتعہ میں سے روایت بعینہ مرقوم ہے کم و بیش اس مضمون کی ایک اور روایت امام باقر سے کافی (جلد 2 صفحہ 196) پر منقول ہے: باکرہ عورت سے اور فائدے اٹھالو مگر اس سے مجامعت نہ کرو کہ اس سے ہتک اس کے خاندان کی ہے۔

ان روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ متعہ دراصل فعل بد ہے اور اگر برا نہ ہوتا تو باکرہ کے

ساتھ متعہ کرنا کیوں معیوب ہوتا، اور اس کے خاندان کو دھبہ کیوں لگتا حالانکہ باکرہ کے ساتھ نکاح کرنے کی تعریف کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو (کافی جلد 2 ص 134)

رسالہ (تنبیہ المنکرین کے صفحہ 67) پر لکھا ہے: باکرہ سے متعہ کرنا مکروہ ہے۔



کیا باکرہ سے متعہ اس لئے مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عصمت کو ایک مٹھی بھر جو یا ایک بوسیدہ چادر کے عوض فروخت کرنے کو تیار نہیں ہوتی اور "رواں شدہ"، کو چونکہ مجامعت کا چسکہ لگ چکا ہوتا ہے اس لئے وہ تو وہاں سگ کی طرح ایک لقمہ پر بھی قناعت کر سکتی ہے، حلت متعہ کی روایات کے مضامین کو چونکہ اپنے مقلدین میں سہل العمل عام زنا کی اشاعت مقصود تھی، اس لئے انہوں نے غیر اہل الحصول عورتوں کو مکروہ قرار دے دیا تاکہ ان کے انکار سے متاعی سانڈوں کے حوصلے پست نہ ہو جائیں، و گرنہ باکرہ اور ثیبہ میں اس قسم کی تمسخر خیز تمیز لا یعنی ہے۔

**دلائل شیعہ:**

اہل تشیع ایسے صاف حکم کے ہوتے ہوئے محض ہٹ دھری سے آیت (النساء/24) کو متعہ کی حلت کی دلیل قرار دیتے ہیں اور اپنے دعوے کو اس طرح ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آیت (النساء/24) سے حلال ہونا دونوں قسم کا ثابت ہوتا ہے، نکاح دائمی ہو یا منقطع یعنی متعہ اور بعد آیت مذکورہ کے از قبیل تخصیص بعد تعمیم جناب اقدس الہی حکم فرماتا ہے:

یعنی وہ عورتیں جن سے تم متعہ کرو پس دو تم انہیں ان کے مہر جن کا دینا واجب ہے۔

**جواب 1:**

اس امر میں شیعہ سنی علماء سب متفق ہیں کہ آیت (النساء/3) میں جو احکام متعلق نکاح اور مہر کے مرقوم ہیں وہ از قبیل تعمیم ہیں کیوں کہ ان میں بغرض جواز نکاح نہ تو محرمات ابدیہ کی کوئی تخصیص کی گئی ہے اور نہ مہر کے متعلق بصورت تعین رقم و بلا تعین رقم ادائیگی معاوضہ کی تخصیص کی گئی ہے، خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ طلاق قبل از مقاربت یا بعد از مقاربت عمل میں آئے

ہیں ایسے احکام از قبیل تعمیم صادر ہوئے ہیں، ان کے بعد ان کی تخصیص ضروری تھی، چنانچہ نکاح کے متعلق محرمات اور بعد کا تفصیلاً ذکر کر کے اللہ تعالیٰ از قبیل تخصیص فرماتا ہے: اور مہر کے متعلق بصورت تعین رقم اگر بعد مقاربت طلاق عمل میں آئے تو اللہ تعالیٰ از قبیل تخصیص فرماتا ہے: (النساء/24) اور اگر قبل از مقاربت طلاق عمل میں آئی تو ارشاد باری تعالیٰ از قبیل تخصیص یوں صادر ہوتا ہے۔ تخصیص تو ضروری تھی منکوحات اور ادائیگی مہر کی نہ کہ نکاح کی جس کی تخصیص تو حکم تعمیم میں ہی نکاح و ملک یمین کی صورت میں پہلے ہی مندرج ہے پھر تخصیص کی تخصیص فعل عبث ہے۔

جواب 2:

اگر حلت کا حکم موبد و موقت ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ حرمت کا بھی حکم موبد و موقت نہ ہو، کیوں کہ حرام و حلال دونوں الفاظ اضافی ہیں، جو صفات ایک کے لئے لازم ہیں وہ دوسرے کے لئے بھی لازم ہونے چاہئیں، خصوصاً جبکہ دونوں الفاظ ایک ہی مقام اور ایک ہی سلسلہ گفتگو میں استعمال کئے گئے ہوں، اگر یہ بات درست ہے تو ماں اور بہن بھی کبھی حرام موبد ہیں اور کبھی حرام موقت جو عبث محض ہے۔ اغراض بعث کے لئے اگر مان بھی لیں کہ صرف حلت ہی کا حکم مدت معین اور غیر معین کے لئے مختص ہے اور آیت (النساء/24) از قبیل تخصیص بعد تعمیم ہے اس لئے اس کا اطلاق صرف عقد متعہ پر ہی ہے تو شیعہ مذہب کے علماء ارشاد فرمائیں کہ ممتوعہ کو بعد مجامعت اگر طلاق دی جائے تو اس کے لئے ادائیگی مہر کی نسبت سند قرآن کریم کہاں ہے؟

جواب 3:

محصنین کا مادہ حصن ہے جس کے معنی ہیں پناہ کے، تو محصن کے لغوی معنی ہوئے اپنی پناہ میں لینے والے، اور یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جس شخص کسی کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے، اس پر حتی الامکان دوسرے کا تصرف و قابو نہیں ہونے دیتا، اب اس لغوی معنی کی مناسبت سے اس کے اصطلاحی

معنی یہ قرار دئے گئے کہ محصن وہ شخص ہے جو کسی عورت کو جو اس پر حلال ہو سکتی ہے، مال کے بدلے میں طلب کر کے اپنے گھر میں روک رکھے کہ اس پر کوئی اور شخص قابو نہ پا سکے، یہی وجہ ہے کہ محصن شخص سے اگر زنا سرزد ہو تو اس پر وہ حد شرع جاری کی جاتی ہے جس سے بڑھ کر اس کے حق میں اور کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔ اور وہ سزا کیا ہے؟ اس کا سنگسار کیا جانا، اس لئے کہ جب اس کے قبضہ میں اس قسم کی عورت موجود ہے جس پر ہر دم اس کو پورا تسلط حاصل ہے اور کسی دوسرے شخص کو اس پر تصرف نہیں پہنچ سکتا، اور اس قبضہ کی کوئی خاص مدت بھی معین نہیں کہ اس مدت محدود کے بعد قبضہ جاتا رہے بلکہ جس وقت تک دونوں کی عمر وفا کرے اس وقت تک اس کا تسلط قائم رہ سکتا ہے، پھر اس حالت میں بھی اگر وہ کسی غیر عورت کی طرف توجہ کرے اور اس سے زنا کا مرتکب ہو تو اس کے اپنے تمام قوائے ظاہری و باطنی سزا کے قابل ہیں جو سنگسار کئے جانے کے اندر کامل طور پر متحقق ہے۔



دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے صرف شہوت کا پورا کرنا مقصود نہ ہو جس کو غیر مسافحین کا لفظ ادا کر رہا ہے، کیوں کہ وطی کرنے سے اصلی مقصود توالد و تناسل ہے نہ کہ فقط قضاء شہوت بلکہ مادہ شہوت کے پیدا کرنے کا مقصود اعظم ہی خاص یہی ہے،

کہ اس کے سبب سے اس حرکت کی طرف رغبت پیدا ہو، جس کے سبب سے توالد و تناسل کا عالم میں اجراء ہو۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص وطی نساء سے صرف قضاء شہوت ہی مقصود رکھے تو اس میں شبہ نہیں کہ اس نے معاملہ برعکس کیا اور مقصود بالعرض کو مقصود بالذات بنا دیا، اس ہی بنا پر دخول فی الدبر (پاخانہ کی جگہ شہوت پوری کرنا) دین محمدی میں قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس میں قضاء شہوت تو ہے اور توالد و تناسل کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا، ان دونوں شرطوں سے ادنی غور کرنے کے بعد صاحب طبع سلیم و فہم مستقیم پر صاف یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس مقام میں اللہ کریم کا مقصود خاص یہی ہے کہ ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا چاہئے

،متعہ نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ یہ امر باتفاق فریقین محل کلام نہیں کہ متعہ والی عورت کا نہ تو جیتے جی تک گھر میں رکھنا منظور ہوتا ہے،نہ اس سے توالد و تناسل مقصود ہوتا ہے،بلکہ ایک خاص مدت معین تک اس سے فقط شہوت رانی ہی مطلوب ہوتی ہے،اس ہی وجہ سے مطلب حاصل ہونے کے بعد اس سے انقطاع کلی ہو جاتا ہے،غرض اس میں شک نہیں کہ اس آیت میں خاص وہی عورتیں مراد ہیں جن کے ساتھ نکاح کیا جائے،نہ کہ متعہ۔



دوسری بات قابل غور ہے کہ لفظ ( فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ ) کے سرے پر فاء تفریع و تعقیب کا حرف ہے نہ واؤ کا،جو بالتصریح اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کلام پہلے کلام کے متعلق بلکہ اس ہی کا ایک جزء ہے،اگر یہ کلام مستقل ہوتا تو اس کے سرے پر واؤ کا ہونا مناسب تھا۔

تیسرا یہ ہے کہ لفظ ( مِنْهُنَّ ) مضمر واقع ہے،مظہر نہیں ہے جس سے یہ امر مخفی شیعہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس آیت میں ضمیر نساء کا مرجع فقط وہی خاص نساء ہیں جن کا نکاحی ہونا پہلی آیت میں ثابت کیا گیا ہے نہ وہ عورتیں جو متعہ نامشروع کے ذریعہ سے صرف شہوت رانی کے لئے تصرف میں لائی جاتی ہیں۔

چوتھا یہ ہے کہ اس تمام کلام ہدایت التیام کا اختتام اس خالق علام نے اپنے علیم و حکیم ہونے پر کیا ہے جو اس امر کی جانب نہایت خوبی کے ساتھ اشارہ کر رہا ہے،نکاح سے واسطہ حسنہ کی بدولت مردوں کو عورتوں پر جو کامل تسلط حاصل ہوتا ہے جس کی بقاء کسی مدت معین تک محدود نہیں ہوتی بلکہ تا دم زیست رشتہ زوجین باقی رہ سکتا ہے،اور ان سے فقط شہوت رانی ہی مطلوب نہیں ہوتی بلکہ اصلی مقصود توالد و تناسل ہوتا ہے،تو یہ خاص اس علام الغیوب و حکیم علی الاطلاق کے علم و حکمت کا تقاضا ہے،اس میں جس قدر مصلحتیں متضمن ہیں وہ اس کے خلاف صورتوں میں متحقق نہیں ہو سکتیں،چنانچہ یہ امر ظاہر ہے کہ جس نیک بخت بی بی کے یہ امر خوب ذہن نشین ہو کہ بلا کسی ضرورت و عذر شرعی جیتے جی شوہر سے اس کا ساتھ نہ چھوٹے گا بلکہ بشرط خاتمہ بالخیر بیت

میں بھی دونوں میاں بی بی کا جوڑا نہ ٹوٹے گا، اگر اس کا شوہر مر جائے گا، تب بھی اس کے ترکہ سے میراث کا معقول حصہ لے گی، بنابریں زوجین کی الفت وموانست کا رشتہ غیر منقطع ثابت ہوگا، بخلاف متعہ کے کہ اس میں نہ نان ونفقہ اور نہ میراث، اسے کیسے الفت وموانست میں لایا جا سکے گا۔



جواب 4:

جب تک شیعہ علماء اس جگہ کے لئے کوئی معقول یا غیر معقول وجہ تخصیص بیان نہیں فرمائیں گے ہمیں ہر طرح سے حق حاصل ہوگا کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ حلال استعمال ہوا ہے ہم اس کے معنی بھی حلال موبد اور حلال موقت کے لیں، سورہ مائدہ میں ہے: (مائدہ/1) تو اس کے معنی یہ ہونے چاہیں کہ چارپائے تمہارے لئے مدت معین اور مدت غیر معین کے لئے حلال ہیں۔

ہمارے ملک میں موسم گرما میں گوشت کھانا عموماً مضر صحت ہوتا ہے حالانکہ سرد ممالک میں بلاضرر سال بھر یہی کھایا جاتا ہے، اس لئے ہمارے واسطے تو گوشت حلال موقت ہے، اور یورپین لوگوں کے لئے حلال مؤبد پھر اس سورۃ میں دوسری جگہ ہے: (مائدہ/96) تمہارے لئے حلال ہے بحری شکار تو کیا اس کے معنی ہوئے کہ مچھلیاں وغیرہ بھی حلال موقت ہیں اور کبھی حلال مؤبد۔ حلال مؤبد وحلال مؤقت کی تقسیم شیعہ نے بہ قائمی ہوش وحواس کی تھی یا متعہ کے نشہ وخمار میں۔

سوال:

اگر اس آیت کو متعہ پر محلول نہ کیا جائے تو نظم قرآنی میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالی نے تینوں نکاح بالترتیب بیان کئے ہیں۔

اول (نساء/3) میں نکاح دائمی کا ذکر ہے پھر (نساء/24) میں متعہ کا اور بعد اس کے (نسا/25) میں لونڈیوں کے نکاح کا ذکر کیا ہے (برحان المتعہ)

**جواب:**

آیہ کریمہ (نساء/3) میں جہاں خداوند کریم نے ایک طرف زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے اور دوسری طرف بصورت خوف اسقاط انصاف کا حکم دیا ہے، وہاں ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرمادیا ہے کہ ان کو دے دو ان کے مہر خوشی سے۔



نکاح کرنے اور حق مہر دینے کے ان اجمالی احکام کے بعد اگر کوئی چیز اشد ترین ضروری ہے تو یہ ہے کہ ان کی مفصل تشریح ہو جائے، کہ نکاح کیا جائے تو کن کن عورتوں سے ؟ اور کس طرح ؟ اور اگر حق مہر دیا جائے تو کب ؟ کن کن کی تشریح (نساء/23) سے لے کر (نساء/24) تک اور کس طرح کی توضیح (نساء/24) میں کر کے اللہ تعالی حق مہر کے متعلق مفصل حکم دیتا ہے:

اگر تم نے منکوحات سے مجامعت کرلی ہے تو ان کو پورا مہر مقرر کردہ ادا کردو اگر باہم رضامندی سے کم و بیش کرلو تو جائز ہے یہاں تک تو خدائے علیم نے کافۃ الناس کے لئے عام قاعدہ کلیہ مقرر کردیا ہے جو ہر شخص پر اس کے معمولی حالات میں عائد ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص غیر معمولی طور پر افلاس زدہ ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی وسعت نہیں رکھتا لیکن اسے ضرورت نکاح کی اس حد تک ہے کہ اگر وہ نکاح نہ کرے تو اندیشہ گناہ کر بیٹھنے کا ہے۔

(النساء/25) تو ایسے استثنائی شخص کے لئے استثنائی حالات کے ماتحت اللہ پاک نے مسلمان لونڈی کے ہمراہ نکاح کرنے کی اجازت دی ہے لیکن اس اجازت کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو اور صبر کرد تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

اگر اغراض بحث کے لئے آیہ کریمہ (النساء/24) کو عقد متعہ پر محمول کریں تو چونکہ متعہ شیعوں کے ہاں آزاد عورت سے بھی ہو سکتا ہے اور لونڈی سے بھی اس لئے نظم قرآن اس امر کی متقاضی تھی کہ نکاح حرہ کے بعد نکاح مملوکہ کا ذکر آتا، اور پھر دونوں سے متعہ کا حکم دیا جاتا، اور قرآن کی ترتیب عقد شرعیہ اس نہج پر ہوتی" نکاح دائمی کرو، آزاد عورت سے یا لونڈی سے:

موجودہ صورت میں تو ترتیب یہ ہے، نکاح دائمی یا متعہ کرو آزاد عورت سے اور نکاح دائمی کرو لونڈی سے ""لیکن متعہ لونڈی سے خارج از حکم متعی ہے جو عقائد شیعی کے بر خلاف ہے اندریں صورت ارباب بصیرت اس امر کا فیصلہ کریں کہ خرابی نظم قرآنی میں شیعوں کی تاویل سے پیدا ہوتی ہے یا ہماری تاویل سے۔



**سوال:**

اگر (استمتاع) کے معنی عقد متعہ کے نہ ہوں تو لا محالہ یا تو اس کے معنی مجامعت کے ہوں گے یا نکاح دائم کے۔ بصورت اول بدون مجامعت خاوند کے ذمہ کچھ بھی مہر دینا واجب نہ ہونا چاہیے حالانکہ نصف مہر بعد طلاق قبل از دخول واجب ہے۔اور بصورت ثانی کل مہر بنفس عقد نکاح واجب ہونا چاہیئے، حالانکہ بہ مجرد عقد نکاح کل مہر کا دینا کسی طرح بھی واجب نہیں ہے۔ (تفسیر مجمع البیان، برہان المتعہ، تنبیہ المنکرین)

**جواب:**

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ (استمتاع) سے وقاع (مجامعت) مراد ہے،اور یہ نکاح دائمی پر متفرع ہے مگر اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ عدم وقاع کی صورت میں طلاق قبل از دخول سے مہر بھی لازم نہ آئے گا، آخر اس لزوم عدم لزوم کی دلیل کیا ہے، حالانکہ ارشاد خداوندی ہے: (بقرہ/237)اور صورت ثانی ہم نے کبھی تسلیم ہی نہیں کی، ہمارا تو دعوی یہی ہے کہ (استمتاع) کے معنی وقاع وخلوت صحیحہ کے ہیں، اس لئے کہ قید نکاح تو خود محصنین سے ثابت ہے کیوں کہ تحلیل (ماوراء) محرمات ابدیہ میں شرط نکاح ملحوظ نہ ہو تو بلا نکاح کے نفس تحریم میں محرمات ابدیہ وغیر ابدیہ سب برابر ہیں، پس نکاح کی حلت کے کوئی معنی نہیں تو اب نکاح پر احکام نکاح کی تفریع صحیح ہوگی جس کے لئے لفظ (فا) موضوع ہے، اور اگر عقد نکاح مراد ہو جیسا کہ شیعہ قائل ہیں تو تفریع بے سود اور بالکل بے معنی ہو جائے گی کیوں کہ تفریع میں متفرع علیہ کے ساتھ

تعلق اور مغائرت ضروری ہے حالانکہ نکاح کی قید پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی، پس نکاح پر تفریح نکاح کے کوئی معنی نہیں ورنہ وحدت متفرع و متفرع علیہ لازم آئے گی، اس طرح (تعقیب الشی عن نفسہ) باطل ہے، اور عقد متعہ ہونے کی صورت میں مابعد حرف (ما) کو ما قبل سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔



**اعتراض:**

اس جگہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ خلوت صحیحہ کس دلیل سے ازالہ وہم وقاع کی مترادف تصور کی گئی ہے۔

**جواب نمبر 1:**

اس کا ازالہ یوں ہے، خلوت صحیحہ کے بعد عورت کی طرف سے تسلیم متحقق ہو جاتی ہے، اب عدم وقاع میں اگر قصور ہے تو زوج کا ہے، مطابق (انعام/164) زوج کے قصور کی وجہ سے غریب زوجہ کیوں نقصان اٹھائے، بائع اگر بیع کو مشتری کے حوالہ کر دے تو اس سے نفع اٹھانا اور اس کو استعمال میں لانا مشتری کا کام ہے اس کے عدم استعمال سے بائع کیوں بدل مبیع سے محروم کیا جائے، اور چونکہ بعد خلوت صحیحہ تحقیق وقاع عادۃ کثیر الوقوع ہے، اور نیز وہ منجملہ دواعی وطی کے وطی سے زیادہ قریب ہے اس کو قائم مقام وطی کر دیا اور دواعی وطی کا قائم مقام ہونا قرآن مجید سے بھی مفہوم ہوتا ہے۔

**جواب نمبر 2**

ایسا اعتراض آج تک دیکھنے سننے میں نہیں آیا، اعتراض تو بعینہ ایسا ہے جیسے کوئی اس قانون سے کہ جو کوئی قتل عمدا کرے گا اس کو پھانسی کی سزا دی جائے گی، یہ نتیجہ اخذ کرے کہ قتل عمد نہ کرنے والے کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی، حالانکہ قتل عمد نہ کرنے والوں میں ضارب الشدید بھی ہو سکتے ہیں جن کے لئے جداگانہ سزائیں مقرر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ معترض صاحبان کو شرع تو

شرع ہندوستان کے دیوانی قانون معاہدات سے مطلقا مس ہی نہیں ہے۔

معاہدہ کے تین مراحل ہیں: 1اقرار 2تکمیل معاہدہ 3تعمیل معاہدہ۔

اقرار مواخذہ نہیں کیوں کہ اس میں فریق اول کی طرف سے قبولیت نہیں ہوتی۔

تکمیل معاہدہ میں ایجاب بھی ہوتا ہے اور قبول بھی لیکن فریقین کی طرف سے اپنے اپنے مقرر فرائض کی ادائیگی عمل میں نہیں آتی۔

اور تعمیل معاہدہ میں فرائض کی ادائیگی پر فریقین یا کم از کم ایک فریق عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ مقدم الذکر صورت میں اندیشہ نقصان کم اور مؤخر الذکر صورت میں اندیشہ نقصان زیادہ ہوتا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص معاہدہ کی تکمیل کے بعد اس کو فسخ کر دے تو کوئی وجہ نہیں کہ منسوخ کنندہ معاہدہ بطور ہرجانہ کچھ ادا نہ کرے۔ (نساء/24)

طلاق قبل از دخول کی صورت میں چونکہ عورت کی محض عفت ریزی ہوتی ہے اس لئے نصف مہر کی سزا مقرر ہے اور مجامعت کے ساتھ چونکہ عصمت دری واقع ہوتی ہے اس لئے کامل مہر کی سزا کا حکم دیا جاتا ہے۔

سوال:

چونکہ (استمتاع) کے حقیقی لغوی معنی مطلق انتفاع ہے اس لئے اخذ وقاع مجاز ہے، اور حقیقت کو چھوڑ کر مجاز سے متمسک ہونا ناجائز ہے۔

جواب:

(استمتاع) سے وقاع کو مجاز کہنا عقل و فہم پرستی کرتا ہے، استمتاع بالنساء کا فرد کامل بلکہ فرد مخصوص بجز وقاع کے اور کیا ہے جس کو حقیقت کہیں، بلکہ اگر استمتعتم کے صلہ کو خیال کیجئے اور (الباء للصاق) کا قاعدہ ملحوظ رکھیے تو وقاع کی اور تعین ہو جاتی ہے، بلکہ اگر وقاع کو استمتاع سے مجاز بھی کہیں، حالانکہ مجاز کہنا یقینا غلط ہے، البتہ مشترک معنوی ہو سکتا ہے کیونکہ قرینہ الصاق

موجب تعین و قاع ثابت ہے۔ایک طرف تو نکاح کے لئے محرمات وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے، آخر نکاح سے مقصود کیا ہے۔دوسری جانب ارشاد ہوتا ہے، پس کوئی کاشتکار ایسا ہوا ہے کہ بے ہل جوتے، بے بیج بوئے کھیت کو محض دیکھ کر پیداوار کا امیدوار رہا ہو، پھر نکاح حرائر کے بعد نکاح آماء کو بیان کر کے فرماتا ہے: (نساء/25) کہیں پانی دیکھنے سے پیاس بجھتی ہے اور زوجہ کے دیکھنے سے شبق (کثیر شہوت) کا علاج ہوا ہے۔



**سوال:**

اگر اس آیت سے مراد متعہ تو بجائے (أُجُورَهُنَّ) کے (صدقاتھن) یا (مھورھن) لکھا ہوتا جیسا کہ دوسری جگہوں پر انہیں الفاظ سے اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے۔(تنبیہ المنکرین)

**جواب:**

قرآن مجید میں (أُجُورَهُنَّ) جس جگہ بہ قرینہ نکاح استعمال ہوا ہے وہاں یہ (مھورھن) ہی کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ملاحظہ ہو! (نساء/25)(ممتحنہ/50)(احزاب/50)(مائدہ/5)

نہ صرف (اجور) ہی بجائے مہر کے استعمال ہوا ہے، اللہ پاک نے متعہ کو بھی اس معنی میں کئی جگہ استعمال کیا ہے: مفہوم یہ ہے: اپنی وسعت کے اندازہ سے ان کو مہر دے دو۔

**سوال:**

اس آیت کریمہ کے حکم میں نکاح اور متعہ دونوں شامل ہیں کیوں کہ لفظ استمتاع میں دونوں مطلب شامل ہیں خواہ استمتاع بصورت تابید ہو یا بہ نہج توقیت، پس جبکہ دونوں قسمیں اس حکم میں شامل ہیں تو متعہ ثابت ہے۔

**جواب:**

شیعہ صاحبان ایک طرف تو اس آیت کو نکاح اور متعہ دونوں پر مشتمل تصور کرتے ہیں اور دوسری طرف اس کا نزول خاص متعہ میں تسلیم کرتے ہیں اور اس کو ثبوت متعہ میں نص

ٹھہرانے کے لئے قراءت شاذہ وروایات مجہولہ سے (الی اجل مسمی) بڑھاتے ہیں پس دو ہی صورتیں ہیں یا تو بقول اہل سنت جو قرآن مجید کامل مکمل مانتے ہیں، یہ آیت مثبت متعہ نہیں ہے یا بقول قائلان تحریف فی القرآن خاص در باب متعہ ہے۔

ان روا قوال کا جمع کرنا دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے کے برابر ہے، جو لغو محض ہے۔



**سوال:**

یہ آیت حلت متعہ ہی میں مقصود ہے کیوں کہ ابی ابن کعب وعبد اللہ بن عباس کی قراءت پر ثابت ہے، لہذا حلت متعہ بہ اجماع امت ثابت ہے۔

**جواب:**

اگر اس کے مطابق فقرہ (الی اجل مسمی) اس آیت میں ہے، اور اس کی قراءت پر کسی نے انکار نہیں کیا، پس اجماع امت اس قراءت پر جمہور صحابہ کا اتفاق ہوتا اور وہ اس کو جزو قرآن سمجھتے تو ضرور یہ فقرہ داخل قرآن مجید رہتا اور ہر گز خارج نہ کیا جاتا، اگر ایسا ہوتا تو جناب فاروق رضی اللہ عنہ ضرور اس کو داخل قرآن رہنے دیتے، کیوں کہ جمع قرآن کے وقت تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بقول شیعہ، منکر متعہ بھی نہ تھے، تاکہ یہ شبہ ہو کہ اپنی بات کی حمایت میں ایسا کیا۔ انکار تو اپنی خلافت کے عہد میں کیا ہے تو جب اس قراءت پر اجماع امت ثابت نہیں بلکہ اس کے جز قرآن نہ ہونے پر اجماع امت ہے، تو نتیجہ یہ نکلا کہ حرمت متعہ پر اجماع امت ہے۔

جب خود علامہ مجلسی اس قراءت کو قراءت شاذہ کہتے ہیں، پھر بات ہی کیا رہی جس پر اس قدر شد ومد سے کہا جاتا ہے کہ اس قراءت پر اجماع جمہور امت ہے۔

**سوال:**

اگر اس آیت کو نکاح مطلق کے متعلق مانا جائے تو ایک ہی صورت میں دو دفعہ ایک ہی حکم کا صدور ماننا پڑے گا، پس رفع تکرار ضروری ہے۔ لہذا یہ آمیت متعہ کی نسبت ہے۔

جواب:

یہ بھی بالکل باطل ہے کیوں (نساء/3) میں استمتاع کی قید اور کل مہر کا دینا مذکور نہیں ہے، وہاں (صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً) اور یہاں (اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً) ہے، ان دونوں آیتوں کو ہم معنی قرار دینا اگر حماقت مطلق نہیں تو کیا ہے؟ اور اگر اس کو خیال کیجئے کہ کلام مقید میں حکم قید پر ہوتا ہے تو اور بھی مطلب صاف ہو جاتا ہے کہ پہلی آیت میں (نحلہ) قید واقع ہے اور سوق کلام بھی اس کے لئے ہے اور دوسری آیت میں (فریضتہ) قید واقع ہے اور سوق کلام بھی بیان ادائے فریضہ یعنی مہر کامل کے لئے ہے۔

نیز پہلی آیت کے مخاطب اولیائے زوجہ ہیں اور دوسری میں بالاتفاق ازواج، پہلی آیت میں اولیائے زوجہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان کے وصول کردہ مہروں میں تعرض نہ کریں، ہاں اگر عورتیں خود خوشی سے کچھ نہیں دے دیں تو وہ ان کا حق ہے۔ اور دوسری آیت میں مقررہ مہروں میں کمی بیشی کے متعلق حکم خداوندی ہے: (نساء: 24)

کیوں کہ تراضی طرفین کی وہیں ضرورت ہوتی ہے اور جہاں کہیں اور مخصوں میں کوئی معاملہ ہے ہی نہیں جس میں تراضی کی حاجت ہو ہر چند یہ آیت جسے شیعہ متعہ کے جواز میں پیش کرتے ہیں، الٹا حرمت متعہ ثابت کرتی ہے۔

سوال:

ہمارے نزدیک نکاح کی دو قسمیں ہی (۱) نکاح موقت (۲) نکاح غیر موقت

نکاح موقت کا دوسرا نام متعہ ہے، جب یہ متعہ نکاح کے اقسام میں ہے تو پھر اعتراض کیوں؟

جواب:

یہی تو ہم کہتے ہیں کہ ایک حرام فعل (زنا) کا نام بدل کر حلال بنایا گیا ہے۔ یہ تو ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ شراب دو طرح ہے ایک موبد اور دوسرا موقت، جو موقت ہے وہ حلال ہے اور دلیل کچھ

بھی نہ ہو اور صرف نام بدلا جائے، ایسے ہی یہی متعہ ہے کہ اسے نکاح کے اقسام سے شمار کرنا ابوالہوسی نہیں تو اور کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک متعہ میں اور کنجری کے کوٹھے پر جانے میں صرف لفظی فرق ہے، جس طرح کنجری سے کچھ روپے کے عوض ایک رات یا دو رات کے لئے معاہدہ ہوتا ہے، اس طرح متعہ میں ہوتا ہے، گویا شراب ایک ہی ہے صرف لیبل بدل گیا ہے، اس لئے گذارش ہے کہ متعہ کرنا وہی زنا ہے صرف لفظ کا فرق ہے، البتہ یہ بات دوسری ہے کہ شیعہ مذہب میں متعہ بھی نکاح کی طرح ایک عقد ہے اور یہ بات شیعہ مذہب کے مطابق بالکل ٹھیک کہتے ہیں جیسے ہندو بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاں نکاح قاضی پڑھاتا ہے اور ہمارے ہاں پھیرے پڑتے ہیں، غرضیکہ متعہ ہو یا عقد یا پھیرے ان میں جو بھی فرق ہو گا وہ اپنے اپنے مذہب کے مطابق ہو گا، ایک کی نظر میں ان سب میں کچھ فرق نہیں، یہی حال متعہ اور نکاح کا ہے، شیعہ کے ہاں متعہ جائز ہے ہمارے ہاں یہ زنا ہے، یہ تو اپنا اپنا مذہب ہے، شیعہ کو متعہ مبارک اور ہمیں نکاح، اس میں ہمیں کیا اعتراض ہے۔ غرض یہ کہ ہم نے تو عوام کو صرف اس قدر بتایا تھا کہ شیعہ مذہب میں زنا اور متعہ ایک ہی شئے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب کو قائم دائم رکھنے والا یہ ہی متعہ ہے، اگر یہ نہ ہو تو میں دعوی سے کہتا ہوں کہ دنیا میں شیعہ مذہب کا وجود ہی نہ ہو کیوں کہ شیعہ مذہب کی ساری بہار ہی متعہ میں بند ہے، اور اس کی عظمت اور رفعت کا یہ عالم ہے کہ متعہ کرنے والے کو امام حسین (رضی اللہ عنہ) بلکہ امام حسن (رضی اللہ عنہ) بلکہ سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کا درجہ مل جاتا ہے۔ معاذاللہ (برھان المتعہ، ص50)

واقعی جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا درجہ مل جائے تو اس سے بڑی دنیا میں اور کون سی چیز ہے۔ (معاذاللہ) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

**نقشہ ہذا غور سے دیکھئے!**

| نمبر | نکاح اور اس کی شرائط ولوازمات | زنا یا متعہ |
| --- | --- | --- |
| ۱ | ضروری ہے کہ جن عورتوں سے وطی درست ہوسکتی ہے ان سے نکاح کے وقت ایجاب وقبول، تعین مہر اور دو گواہ کم ازکم ضرور ہوں | زنا اور متعہ بھی چوری چھپی ہوتا ہے، متعلقہ حوالہ جات تفصیلی طور پر گذشتہ صفحات میں دیکھئے! |
| ۲ | بیویاں چار سے زائد کسی وقت جمع نہیں ہوسکتیں۔ | ان گنت سودا جس کا جتنا جی چاہے اگرچہ ہزاروں سے ہو (کافی صفحہ ۱۹۱ جلد ۲) |
| ۳ | منکوحہ کو کسی خاص وقت تک نکاح میں رکھنے کا قصد نہ ہو۔ | ایک وقت مقرر اس کے بعد یہ جاوہ جا (جامع عباسی صفحہ ۱۳۵) |
| ۴ | شوہر کی وفات کے بعد میراث کا حق ضروری ہے۔ | زنا یا متعہ میں میراث نہیں (الروضۃ البہیہ صفحہ ۲۸۶) |
| ۵ | نکاح میں توالد وتناسل مقصود ہوتا ہے۔ | صرف شہوت رانی اور ہوس بجھانا (الروضۃ البہیہ صفحہ ۲۸۶) |
| ۶ | عورت منکوحہ پر طلاق واقع ہوتی ہے۔ | متعہ میں طلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (الروضۃ البہیہ) |
| ۷ | شوہر کی وفات کے بعد یا بعد طلاق منکوحہ کی عدت ہے۔ | متعہ میں عدت کیسی؟ (ضیاء العابدین صفحہ ۲۹۱) |
| ۸ | مدت نکاح میں نان ونفقہ وغیرہ ضروری ہے۔ | نہ نان ونفقہ نہ اور لوازماتِ زوجیت صرف وہی خرچ کافی ہے (ضیاء العابدین صفحہ ۲۹۱) |
| ۹ | نکاح کرنے کے بعد جماع یا خلوت صحیحہ سے مرد وعورت کو احصان حاصل ہوگیا زنا کریں تو سنگسار کئے جائیں گے۔ | جب سودا ہی چوری چھپے ہوا ہے تو سنگساری کا حکم کیسا۔ |
| ۱۰ | نکاح کے بعد عورت اپنے شوہر کے نام منسوب ہوتی ہے۔ | زنا اور متعہ میں کبھی یہ نسبت سنی ہی نہیں گئی۔ |
| ۱۱ | نکاح کے بعد بچوں کی پیدائش موجب راحت وفرحت بلکہ صد افتخار ہے۔ | زنا اور متعہ میں نہ یہ نہ وہ بلکہ بتانے سے ننگ وعار ہو۔ |

ان وجوہ سے اہل دل کو یقین ہو جانا چاہئے کہ متعہ زنا ہے یا نکاح اور اس گندے فعل کے ارتکاب سے زنا کو الٹا تقویت ملتی ہے کہ زن و مرد اگر کہیں اس بد فعلی کے ارتکاب سے پکڑے جائیں تو جان چھڑانے کا بہتر ہتھیار ان کے پاس ہے کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے نکاح متعہ کیا ہے۔

اب نہ سنگساری اور نہ ہی رجم، اس سے اسلامی نظام کا شیرازہ بری طرح بکھر جائے گا۔

## آخری فیصلہ:

ہم بار بار کہیں کہ متعہ زنا محض ہے، شیعہ پارٹی ہرگز نہیں مانے گی، ہم کتب شیعہ سے ثابت کر کے دکھاتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے بھی متعہ مروجہ کو زنا محض بتایا

ہے۔ابو نصیر نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا متعہ والی عورت چار نکاح والی آیت نکاح میں داخل ہے یا نہیں ؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

(فروع کافی، والا ستبصار)

اس روایت میں صریح دلیل ہے کہ عورت متعہ ،زوجہ منکوحہ نہیں ورنہ وہ چار میں منسوب ہوتی



**سوال:**

متعہ زنا نہیں بلکہ نکاح ہے اس لئے کہ شیعہ کی فقہ واصول فقہ میں واضح الفاظ میں لکھ دیا گیا ہے کہ (۱) محرمات (۲) شوہر دار (۳) بازاری (۴) باکرہ عورتوں سے متعہ ناجائز ہے، جب متعہ میں نکاح کے اسباب موجود ہیں تو پھر اسے نکاح سے خارج کرنے کا کیا معنی ہے ؟

**جواب:**

1۔ محرمات کو واقعی متعہ سے بچا لیا گیا لیکن ذکر کو کپڑا لپیٹ کر اپنا منہ کالا کر لینا جائز کیا گیا، جو لف حریر کے نام سے مشہور ہے (ذخیرۃ المعاد حوالہ گزر گیا)

2۔ شوہر دار سے ڈر کے مارے عدم جواز لکھا گیا، ورنہ کوئی بے غیرت اور دیوث اپنی عورت سے متعہ کرنے دے تو علیحدہ بات ہے۔

3۔ کنجری اور بازاری عورت سے شیعہ کے نزدیک متعہ جائز ہے اگرچہ بہ کراہت، چنانچہ ذخیرۃ المعاد کا حوالہ گزرا ہے۔

4۔ کنواری کے لئے بھی شیعہ نے عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ اس کی فطرت اور اس کے متولیوں کی عار سے خطرہ کر کے کہ کنواری کو طبعی فطرت جلدی سے کسی قابو میں جانے کی نہیں، ورنہ اگر کوئی کنواری لڑکی کسی کے ہاتھ لگ جائے تو شیعہ مذہب میں متعہ جائز ہے لیکن متولیوں کا خطرہ بھی سوار ہو تو شیعہ مذہب نے بدبخت بوالہوس شہوت پرست کو نہ صرف متعہ کی اجازت دے دی بلکہ لواطت جیسی غلیظ عادت کے جواز کا پٹہ ہاتھ میں دے دیا، چنانچہ مروی ہے۔

**امام نالائق کا فتوی:**

ایک شخص نے امام صاحب سے پوچھا کہ حضرت جی (باکرہ) کنواری لڑکی ہے، وہ متعہ کرنا چاہتی ہے مگر اس کے والدین اس پر راضی نہیں، آپ کے نزدیک اس صورت میں کیا کیا جائے؟ اس کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا کہ اس کے ساتھ متعہ تو کرلو مگر اس کی بکارت زائل نہ کرو، بلکہ دوسرے طریق سے اس کے ساتھ صحبت کرلو۔

**لطیفہ:**

استبصار میں تو ہر عورت (منکوحہ بہ متعہ) سے لواطت کے جواز کا فتوی درج ہے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

فقیر کی تحقیق مذکور سے ثابت ہو گیا کہ متعہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں بلکہ وہ عین زنا ہے اور عقلاً و نقلاً و قطعاً نہایت درجہ کا شنیع فعل اور ناروا ہے۔

**متعہ سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ کس کی کہلائے گی:**

آدمی نکاح کر کے بیوی کو گھر میں آباد کرتا ہے، پردہ میں رکھتا ہے، اس کے نان و نفقہ کا ذمہ دار بنتا ہے، اس سے پیدا شدہ اولاد کا باپ کہلاتا ہے، مر جاتا ہے تو بیوہ اور اولاد اس کی وارث اور اس کی بقائے نسل کا ذریعہ بنتی ہے، مگر آہ متعہ میں یہ سب باتیں مفقود ہیں، اگر متعہ کو رواج دیا جائے تو ایک عالم اس شعر کا مصداق بن جائے، عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ سے معذرت کے ساتھ۔

بندہ نفس شدی ترک نسب کن متعی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اگر اتفاق سے ایسا ہوا کہ نطفہ قرار پا گیا اور اس درمیان میں مدت متعہ گزرنے کے بعد کسی دنیادار نے کچھ مدت محدود تک گھر بسانے یا محض لذت اٹھانے کے خیال سے یا کسی دیندار نے غیر محدود زمانہ تک خاص ثواب کمانے کی غرض خاص سے اس نیک بی بی کے ساتھ متعہ کر لیا تو اس

میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس حالت میں جو اولاد اس سے وجود میں آئے گی وہ ضرور مخلوط نسب لوگوں میں شمار کی جائے گی، نہ تو کسی پر یہ بھید کھلے گا کہ اس مجہول النسب کا پہلے حضرت میر صاحب کی اولاد میں اعتبار ہے اور نہ کہیں اس کا پتہ لگے گا کہ اس کا پچھلے جناب میرزا صاحب کی اولاد میں شمار ہے، اس صورت میں اس حرکت مخصوصہ کی بدولت جو خاص متعہ سے پیدا ہوئی ہے، نتیجہ بد پیدا ہو گا، کہ نہ تو اس اولاد کو ایسے باپ کے ساتھ کسی قسم کی خصوصیت ہو گی جس نے اس کے حق میں ناحق یہ پاپ کمایا ہے، اور نہ اس باپ کو ایسی بد بخت اولاد سے کچھ محبت ہو گی جس نے اس کو یہ منحوس دن دکھلایا ہے۔



## لڑکی یا بیوی یا بہن:

اگر بالفرض عمل متعہ سے اس اللہ کی بندی کو حمل رہ گیا اور مدت متعہ گزرنے کے بعد دونوں میاں بی بی میں جدائی پیش آئی جس کا انقضاء مدت کے بعد وقوع میں آنا ظاہر ہے اور اس عمل سے اتفاقیہ کوئی لڑکی پیدا ہوئی اور وہ ہونہار بچی قدرت خدا رب العالمین سے پرورش پاکر خیر سے سن بلوغ کو پہنچ گئی ادھر اتفاق سے یہ شدنی معاملہ پیش آیا کہ وہ ذات شریف جن کے نطفہ لطیفہ سے اس کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی، مدت دراز کے بعد ادھر ادھر سے پھرتے پھراتے کہیں اس شہر میں آنکلے اور اس حضرت کو رفع ضرورت دنیاوی یا ضرورت ثواب دینی کی غرض سے متعہ کی ضرورت پیش آئی اور بے خبری سے اس کے ساتھ متعہ یا دائمی نکاح کرلے تو علماء شیعہ بتائیں کہ اس صورت نازیبا میں ان دونوں کا (حقیقی رشتہ باپ، بیٹی یا میاں بیوی ہیں) کیا حشر ہو گا، چونکہ متعہ سے بچنے اور نکاح کرنے میں اس قسم کی ان مصلحتیں حکمتیں ہیں اس لئے اللہ تعالی نے اپنے کلام میں فرمایا: (نساء/24)

لیکن اس کی مصلحت و حکمت کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان کا مستحق ہے، جو متعہ کی گندی آلائشوں میں ملوث ہو، اسے قرآن کریم کے اسرار و رموز کی کیا خبر۔

## احادیث مبارکہ میں متعہ کی ممانعت:

1۔ صحیح بخاری میں ہے: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔ (صحیح بخاری، باب غزوۂ خیبر، ج5ص135)



2۔ جامع ترمذی میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی (مذکورہ) حدیث حسن صحیح ہے، اہل علم حضرات صحابہ کرام میں سے ہوں یا ان کے بعد والوں میں سے ان کا عمل اس پر ہے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس میں متعہ کے بارے میں کچھ رخصت مروی ہے، پھر انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول جو کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کی طرف رجوع کرلیا۔ (جامع ترمذی، ج2ص421)

3۔ سنن نسائی میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے خیبر والے دن متعہ نساء سے منع فرمادیا۔ (سنن نسائی، ج6ص126)

4۔ اولا غزوہ خیبر کے دن متعہ کو حرام قرار دیا گیا، پھر فتح مکہ کے موقعہ پر تین دن کے لیے پھر مباح ہوا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ کے لیے متعہ کو حرام فرمادیا۔

صحیح مسلم میں حدیث پاک ہے: رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر تین دن متعہ میں رخصت عطا فرمائی، پھر اس منع فرمادیا۔ (صحیح مسلم، ج2ص1023)

5۔ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث پاک میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو میں نے تمہیں پہلے عورتوں کے ساتھ متعہ کی اجازت دی تھی اور اب اللہ تعالی نے اس کو قیامت تک کے لیے حرام فرمادیا ہے۔ (صحیح مسلم، ج2ص1025)

6۔ سنن ابن ماجہ میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ المسلمین بنے تو انہوں نے خطبہ دیا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے

(فتح مکہ والے دن) ہمیں متعہ کی تین دن اجازت دی تھی پھر اسے حرام فرمادیا، اللہ کی قسم جس کو میں نے متعہ کرتے پایا اور وہ شخص محصن بھی ہوا تو میں اسے پتھروں سے رجم کروں گا سوائے اس کے کہ وہ چار گواہ اس بات پر لائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام کرنے کے بعد حلال فرمایا ہو۔ (سنن ابن ماجہ، ج ص 631)

7۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں رسول اللہ ﷺ کو رکن اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے یہ فرماتے سنا: اے لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی خبردار سن لو اللہ تعالی نے اسے قیامت تک حرام فرمادیا ہے، تو جس کے پاس ان (ممتوعہ عورتوں) میں سے کوئی ہو تو اس کو چھوڑ دے، اور جو تم نے انہیں دیا ہے اسے واپس مت لو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج 3 ص 551)

8۔ سنن ابی داؤد میں ہے: نبی کریم ﷺ نے عورتوں سے متعہ کو حرام فرمادیا۔ (سنن ابی داؤد، ج 2 ص 226)

9۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے متعہ کو حرام فرمادیا۔ (مصنف عبد الرزاق، ج 7 ص 502)

10۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے پاس کسی عورت سے متعہ کرنے والا مرد لایا گیا تو میں اسے رجم کروں گا اگر وہ محصن ہے اور اگر وہ محصن نہیں ہے تو میں اسے کوڑے ماروں گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج 3 ص 552)

11۔ حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے: رمضان نے تمام روزے منسوخ کر دیئے، زکوۃ نے ہر صدقہ منسوخ کر دیا، اور طلاق، عدت اور میراث نے متعہ کو منسوخ کر دیا۔ (مصنف عبد الرزاق، ج 7 ص 505)

12۔ جامع ترندی میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: متعہ صرف

اسلام کے شروع میں جائز تھا یہاں تک کہ یہ آیت پاک نازل ہوئی (اور متعہ منسوخ ہو گیا) آیت: صرف بیویوں اور کنیزوں سے قضاء شہوت کی اجازت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لہذا ان کے دو کے علاوہ فرج حرام ہے۔ (جامع ترمذی، ج2ص421)



13۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے متعہ کے بارے میں سوال ہوا تو ارشاد فرمایا: وہ تو زنا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق، ج7ص504)

14۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ سے روایت ہے: متعہ کی حلت صرف تین دن تھی، یہاں تک کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دے دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج3)

15۔ قاسم بن محمد رحمہ للہ علیہ فرماتے ہیں: میں متعہ کی تحریم قرآن مجید سے دیکھا سکتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کہاں؟ تو انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: فلاح پانے والے مؤمنین اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور اپنی کنیزوں کے۔

(مصنف عبدالرزاق، ج7ص502)

16۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ علیہ متعہ کے بارے میں فرماتے ہیں: متعہ کو میراث نے منسوخ کر دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج3)

17۔ شیعوں کی معتبر کتاب (الاستبصار) میں ہے: زید بن علی اپنے اباء سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے گھریلو گدھوں کے گوشت اور نکاح متعہ کو حرام فرمادیا۔

(الاستبصار، ج2ص77، دارالکتب الاسلامیہ، تھران)

**سوال:**

جن آیات میں نکاح کا ذکر ہے وہاں اس میں متعہ بھی شامل ہے۔

**جواب:**

یہ صرف وہم ہی ہے ورنہ نکاح اور متعہ دوالگ حقیقتوں کے نام ہیں، نکاح کی تعداد قرآن مجید نے چار بتائی ہے جبکہ متعہ کی تعداد مقرر نہیں ہزاروں عورتوں سے بھی ہو سکتا ہے، نکاح میں میراث جاری ہوتی ہے یہ بات قرآن مجید میں ہے جبکہ متعہ میں میراث جاری نہیں ہوتی، نکاح میں بیوی کا نفقہ سکنی (رہائش) شوہر پر لازم ہوتا ہے جبکہ متعہ میں نہ نفقہ ہے نہ سکنی۔ اس کے علاوہ نکاح کے دیگر احکام جیسا کہ نسب کا ثابت ہونا، ایلاء، ظہار اور طلاق یہ متعہ میں نہیں پائے جاتے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ نکاح اور متعہ کی حقیقت مختلف ہے، نکاح کے تفصیلی احکام قرآن مجید نے بیان فرمائے ہیں جبکہ وہ احکام متعہ میں نہیں پائے جاتے تو متعہ کو نکاح میں شامل کرنا ایک باطل دعوی ہے۔ شیعہ مذہب کی مشہور کتاب (الاستبصار) میں ہے، زرارہ کا بیان ہے کہ ابو عبداللہ سے پوچھا گیا کہ کیا متعہ صرف چار عورتوں کے ساتھ کیا جاسکتا ہے ؟ انہوں کے کہا: متعہ اجرت کے عوض ہوتا ہے خواہ ہزار عورتوں سے کر لو۔ (الاستبصار ج 3 ص 147)

اسی میں ہے: عمر بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ متعہ میں فریقین کے درمیان میراث نہیں ہوتی۔ (الاستبصار ج 3 ص 153، دار الکتب الاسلامیہ تھران)

شیعوں کی معتبر کتاب (الفروع من الکافی) میں ہے: ابو عمیر کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن سالم سے متعہ کا طریقہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تم یوں کہو اے اللہ کی بندی میں اتنے پیسوں کے عوض اتنے دنوں کے لیے تم سے متعہ کرتا ہوں، جب ایام گزر جائیں گے تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور اس کی کوئی عدت نہیں۔ (الفروع من الکافی، ج 5 ص 455,456)

خمینی نے لکھا: متعہ والی عورت اگرچہ حاملہ ہو جائے خرچ کا حق نہیں رکھتی۔ متعہ والی عورت (چار راتوں میں سے ایک رات) ایک بستر پر سونے اور شوہر سے ارث پائے اور شوہر بھی اس کا وارث بننے کا حق نہیں رکھتا۔ (توضیح المسائل، ص 368,369، مطبوعہ سازمان تبلیغات)

## فیصلہ کن بات:

اگر متعہ اتنا بہت بڑا فائدہ مند عمل ہے اور اس کا ثواب حج و دیگر عبادات سے بڑھ کر ہے تو شیعہ اپنے آپ کو ابن متعہ (متعہ کی اولاد) کہلوانے سے کیوں جھجکتا ہے، اور فقیر انعام پیش کرنے کو تیار ہے کسی ایک مشہور اخبار یا سوشل میڈیا میں ایک بار اپنے آپ کو متعہ کی اولاد کا اعلان کرے، شیعہ پارٹی خود سوچے کہ جب متعہ ثواب کا کام ہے تو پھر اس سے عار و ننگ کیوں؟ معلوم ہوا کہ متعہ زنا کا دوسرا نام ہے۔

## 9۔ لفظ مولا، حدیث غدیر اور عید غدیر کی حقیقت:

### لفظ مولا کی حقیقت:

نبی کریم ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں اور تمام انبیا علیہم السلام کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہر ایک پر قیامت تک فضیلت کلی حاصل اور باقی صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ان کے مراتب و شان کے مطابق جزوی فضیلت اور حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" میں مولی سے مراد خلافت بلافصل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے ہرگز مراد نہیں اور نہ ہی اس جگہ خلافت بلافصل والا معنی مراد ہے۔

### مقدمہ اول:

حدیث میں حضرت سیدنا مولی علی مشکل کشاء شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان میں آقا کریم ﷺ نے لفظ مولی سے ارشاد فرمایا تو لفظ مولی سے کیا مراد ہے تو یاد رکھیں لفظ مولی کے بہت سارے معانی ہیں لغت عرب میں علامہ ابن عربی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

1-المولی المالک: یعنی مولی کا معنی مالک بھی ہے اور اس سے مراد اللہ تعالی کی ذات مقدسہ ہے۔

2المولی ابن العم: یعنی چچازاد بھائی کو بھی مولی کہتے ہیں۔

3-المولی المعتق: یعنی آزاد کرنے والے کو بھی مولی کہتے ہیں۔

4-المولی المعتق: یعنی جس غلام کو آزاد کیا جائے تو اس کو بھی مولی کہتے ہیں۔

5-المولی الجار: یعنی ساتھ والے ہمسائے کو بھی مولی کہتے ہیں۔

6-المولی الشریک: یعنی دو چیزوں میں شراکت کو بھی مولی کہتے ہیں۔

7-المولی الحلیف: یعنی مددگار کو بھی مولی کہتے ہیں۔

8-المولی المحب: یعنی محبت کرنے والے کو بھی مولی کہتے ہیں۔

9-المولی اللوی: یعنی با اثر دوست کو بھی مولی کہتے ہیں۔

10-المولی الوی: یعنی دوستی کرنے والے کو بھی مولی کہتے ہیں۔

## مقدمہ ثانی:



جب ایک لفظ کے بہت سارے معانی ہوں اور ہر ایک معنی کی وضع بھی الگ الگ ہو تو اس لفظ کو مشترک کہتے ہیں۔ یعنی مشترک اسے کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں یا پھر الگ الگ معانی ہوں جن کی حقیقتیں مختلف ہوں۔ تو اب تعریف کا ماحاصل یہ ہوا کہ جس ایک لفظ کے بہت سارے معانی ہوں اور ہر معنی کی حقیقت مختلف ہو تو اس کو مشترک کہتے ہیں جس طرح لفظ مولی ایک ہے لیکن اس کے معانی بہت ہیں۔

## مشترک لفظ کا حکم:

جب تک کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس وقت تک مشترک کے بہت سارے معانی میں سے کوئی معنی بھی نہیں چن سکتے۔

(شرح فتح القدیر، ج4ص443)(فتح القدیر لکمال بن الھمام، ج10ص67)

یعنی بغیر قرینہ کے اور سیاق وسباق کو دیکھے بغیر مشترک لفظ کے بہت سارے معانی میں سے کوئی بھی ایک معنی منتخب کرنا ہر گز جائز نہیں ہے۔

لہذا مولی کا معنی خلیفہ لینا حدیث مبارکہ کے بالکل سیاق وسباق اور حدیث کے شان نزول کے منافی ہے۔

## تیسرا مقدمہ:

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی شان میں لفظ مولی کب فرمایا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے مکہ معظمہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو مقام غدیر خم پر جلوہ گر ہوئے اور قیام فرمایا اور اسی جگہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ مبارک پکڑ کر ارشاد فرمایا:

(من کنت مولاہ فعلی مولاہ)۔(بیان المشکل الاثار الطحاوی، ج4ص213)

## چوتھا مقدمہ:

لفظ کی تاویل دلیل شرعی اور سیاق وسباق اور قرینہ سے کر دی جائے تو وہ لفظ مؤول ہو جاتا ہے اور مؤول کی تعریف علماء نے یوں کی ہے: جب غالب رائے کے ذریعے مشترک معانی میں سے کسی ایک بھی معنی کو منتخب جائے تو لفظ مؤول ہو جاتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر علم کرنا واجب ہوا کرتا ہے اگرچہ اس میں خطائے اجتہادی کا احتمال بھی موجود ہو۔

(اصول الشاشی، ص 30)

## پانچواں مقدمہ:

حدیث میں لفظ مولی سے پہلے اور بعد والے کلام کا پس منظر مولی سے پہلے یہ الفاظ ہیں:

یعنی حضرت امام احمد اس کی یوں سند بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے میرے والد نے کی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں فضل بن دکین نے بیان کی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بن ابی عیینتہ نے بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ روایت بیان کرتے ہیں حسن سے اور وہ روایت بیان کرتے ہیں سعید بن جبیر سے اور وہ بیان کرتے ہیں حضرت عباس سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت بریدہ سے (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یمن میں ایک غزوہ پر میں حضرت علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا تو کسی معاملہ مجھے آپ رضی اللہ عنہ سے شکواہ ہوا اور مجھے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تکلیف پہنچی تو جب میں آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ شکایت کی جو مجھے آپ کی طرف سے تکلیف پہنچی تو جیسے ہی آقا کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت سنی تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور ارشاد فرمایا اے بریدہ کیا میں تمام مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب نہیں ہوں۔ باالفاظ دیگر تمام مومن اپنی جانوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہیں کرتے میں نے عرض

کی یارسول اللہ ﷺ یہی تو حقیقت ہے۔ تو آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے قریب میں ہوں علی بھی اس کے قریب ہیں۔ باالفاظ دیگر میں جس سے محبت کرتا ہوں علی بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔



## چھٹا مقدمہ:

### لفظ مولی کے بعد والے الفاظ اور ان کا پس منظر:

یعنی آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے! میرے اللہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی کرے تو بھی اس سے دوستی کر اور جو حضرت علی سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی کر رکھ (رواہ مسند احمد)۔ دوسری روایت میں آتا ہے ان الفاظ کے اضافہ کے "یعنی اے اللہ جو علی رضی اللہ عنہ کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو علی کو، رسوا کرے تو بھی اس کو رسوا کر۔"

## ساتواں مقدمہ:

### اس حدیث مبارکہ کی ترکیبی صورت:

من کنت مولاہ یہ جملہ شرط ہے اور علی مولاہ یہ جملہ جزا ہے۔ اصول یہ ہے کہ شرط اور جزا ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہوتے ہیں جیسے (متی تجلس اجلس) یعنی جب تو بیٹھے گا تو میں بھی بیٹھوں گا جو معنی جملہ اول شرط میں مولی کا ہے وہی معنی جملہ جزا میں مولی کا ہوگا۔ اب اس اصول کے مطابق حدیث مبارک کے چند مفہوم یہ ہوں گے۔

**پہلا مفہوم۔** معنی یہ ہوگا جس کا میں مددگار ہوں علی بھی اس کے مددگار ہیں۔

**دوسرا مفہوم۔** جس کی میں چاہت ہوں علی بھی اس کی چاہت ہیں۔

**تیسرا مفہوم۔** علی کی چاہت میں میری چاہت ہے اور میری چاہت میں خدا کی چاہت ہے۔

### نتیجہ اس حدیث مبارک کا:

اگر فریق مخالف کے معنی کا اعتبار کیا جائے یعنی مولی سے مراد خلیفہ بلافصل لیا جائے تو معنی یہ

ہو گا جس کا میں جانشین ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے جانشین ہیں۔ جس کا میں نائب ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے نائب ہیں۔ تو یہ معنی عقلا و نقلا باطل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولایت کی نسبت اس مقام پر خلوق کی طرف ہے نہ کہ اللہ تعالی کی طرف اس صورت میں مفہوم یہ ہو گا کہ مخلوق میں سے جس کا میں جانشین ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے جانشین ہیں۔ یہ محال نہ ممکن ہے کہ آقا کریم ﷺ خلوق میں سے کسی کے جان نشین نہیں ہیں ۔ تو لا محالہ اس کا فصل ہونا لازم آئے گا۔ تو جب یہ معنی جملہ شرط میں نہیں کر سکتے یعنی (من کنت مولاہ) میں تو جزا جو شرط کو لازم ہے ہیں وہاں کیسے کر سکتے ہیں۔

فریق مخالف کے معنی کے باطل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شرط یعنی (من کنت مولاہ) میں جو معنی کیا جائے گا تو جزا کے اندر وہی معنی کیا جائے گا۔

اب دوسری روایت میں آقا کریم ﷺ نے ولایت کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی ہے تو لا محالہ میں وہاں بھی یہی معنی ہو گا، فریق مخالف کی سوچ کے موافق اب فریق کے مخالف کی بیان کردہ حدیث کا مفہوم یہ ہو گا کہ اے اللہ (والا من والاہ) تو اس کا جانشین بن جا جو علی کا جانشین ہو تو یہ معنی ذات باری تعالی میں باطل ہے۔

لہذا مولا کا معنی خلیفہ بلا فصل لینا کسی طرح اس مقام پر جائز نہیں۔

فرمان باری تعالی ہے: سو بے شک اللہ ہی ان کا دوست و مددگار ہے، اور جبرائیل و صالح مومنین بھی اور اس کے بعد سارے فرشتے ان کے مددگار ہیں۔ (پارہ 28، سورۃ تحریم، آیت 4)

مولا، ایک مستقل لفظ ہے جس کی جمع (موالی) ہے، لفظ (مولا) کے تقریبا 20 معانی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ (النہایہ) میں لفظ مولا کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(1) "رب" پرورش کرنے والا۔

(2) مالک، سردار۔

(3)انعام کرنے والا۔

(4)آزاد کرنے والا۔

(5)مددگار۔

(6)محبت کرنے والا۔

(7)"تابع" پیروی کرنے والا۔

(8)پڑوسی۔

(9)"ابن العم" چچازاد۔

(10)"حلیف" دوستی کا معاہدہ کرنے والا۔

(11)"عقید" معاہدہ کرنے والا۔

(12)"صہر" داماد، سسر۔

(13)غلام۔

(14)آزاد شدہ غلام۔

(15)جس پر انعام ہوا۔

(16)جو کسی چیز کا مختار ہو، کسی کام کا ذمہ دار ہو اسے مولا اور ولی کہا جاتا۔

(17)جس کے ہاتھ پر کوئی اسلام قبول کرے وہ اس کا مولا ہے یعنی اس کا وارث ہو گا وغیرہ۔

(ابن الشیر، النہایہ، ج 5 ص 228)

قرآن کریم میں بھی مولی کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، کبھی صرف تنہا اور کبھی متعدد ضمیروں کے ساتھ بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے سورۃ الحج آیت نمبر 78 میں دو جگہ مولی کا لفظ استعمال ہوا ہے ایک جگہ کم ضمیر کے ساتھ جبکہ دوسری مرتبہ بغیر ضمیر کے اور یہاں دونوں جگہ پر اللہ تعالی کی ذات مراد ہے۔ (پارہ 17 سورۃ نمبر 22)

قرآن مجید میں مولی کا لفظ دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوا ہے (سورۃ الدخان آیت نمبر 41) میں ہے "جس دن کوئی حمایتی کسی حمایتی کے ذرا بھی کام نہیں آئے گا اور ان میں سے کسی کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی" یہاں مولی اللہ تعالی کے لئے نہیں بلکہ دوست کے معنی میں ہے یعنی انسان کے لئے استعمال ہوا ہے۔



اور اسی طرح (سورۃ الحدید، آیت نمبر 15) میں ہے: "چنانچہ آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا تمہارا اٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہارا رکھوالا ہے اور یہ بہت برا انجام ہے۔"

(پارہ 27 سورۃ نمبر 57) اس میں لفظ مولی (کُمْ) ضمیر کے ساتھ جگہ یا ٹھکانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح (سورہ بقرہ آیت نمبر 286) میں (نا) ضمیر کے ساتھ دو جگہ استعمال ہوا ہے۔

(سورہ توبہ آیت نمبر 51) میں ضمیر (نا) کے ساتھ استعمال ہوا ہے (ھو مولنا) یہاں دونوں جگہ پر اللہ تعالی کی ذات مراد ہے۔

لفظ مولا، یا مولانا کا اطلاق جس طرح باری تعالی پر ہوا ہے، اسی طرح اس لفظ کا استعمال قرآن واحادیث میں دیگر مختلف معانی کے لئے بھی ہوا ہے، چنانچہ درج ذیل سطور میں اس کی صحیح تحقیق کا استعمال کس انداز اور کس کس معنی میں ہوا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

**(مولا) کا اطلاق اللہ تعالی پر قرآن کریم میں:**

اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا (البقرہ:286)

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ (آل عمران:150)

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ (انفال:40)

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ (الحج:78)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سورۃ محمد:11)

وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ (تحریم:2)

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ (توبہ:51)

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ (انعام:62)



اللہ تعالی نے خود قرآن میں یہ واضح کردیا کہ مولی کے متعدد معانی ہیں، مولانا ایک لفظ ہے اور اس کے ساتھ مختلف ضمیریں استعمال کی جاسکتی ہیں جیسے (مولائی، مولانا مولکم، مولاہ وغیرہ)۔

**لفظ مولی مفسرین، علماء واولیاء کی نظر میں:**

**مفسرین کے نزدیک (مولی) کے معنی:**

وہ تفاسیر جن میں مولا کے معنی مددگار لکھے ہیں: اس آیت مبارک میں وارد لفظ (مولی) کے معنی ولی اور ناصر (یعنی مددگار) لکھے ہیں۔

(تفسیر طبری، ج12ص154) (تفسیر قرطبیّ، ج18ص143) (تفسیر کبیر، ج10ص570) (تفسیر بغوی، ج4ص337) (تفسیر خازن، ج4ص286)

ان تفسیرات میں لفظ (مولی) کے معنی (ناصر) یعنی (مددگار) کئے گئے ہیں۔

(تفسیر جلالین ص465، تفسیر روح المعانی، ج28ص481 تفسیر بیضاوی، ج5ص356)

**(مولی) کا اطلاق اللہ تعالی کے علاوہ پر قرآن میں:**

(الحج:13) امام مجاہد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ اس آیت میں (مولی) بت کے معنی میں ہے (تفسیر ابن کثیر، ج3ص780)

(سورۃ دخان:41) علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: کہ کوئی رشتہ داری بھی رشتہ دار کو نفع نہیں پہنچائے گا۔ اس جگہ لفظ مولی کا اطلاق رشتہ دار پر ہوا ہے۔ تفسیر ابن کثیر، ج4ص183

(سورۃ الحدید 15) علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: کہ مولا کم سے مراد تمہارے لئے ہر منزل پر تمہارے کفر اور شک کی بناء پر جہنم ہے، اس جگہ مولی کا استعمال جہنم کے لئے ہوا ہے۔

(سورۃ قل 76) امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ وہ اپنے آقا پر بھاری اور بوجھ ہے۔ اس جگہ پر مولی کا اطلاق مالک اور آقا پر ہوا ہے۔ (تفسیر کبیر، ج2 ص77)

(سورۃ النساء: 33) اس آیت میں لفظ مولی کا اطلاق وارث پر ہوا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج1 ص638)

(سورۃ مریم: 5) امام مجاہد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ یہاں پر مولی کا اطلاق ان رشتہ داروں پر ہوا ہے جن کو اصطلاح شرع میں عصبہ کہا جاتا ہے جنہیں میت کے ترکہ میں سے ذوی المفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد بچا ہوا مال دیا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج3 ص150)

**(مولا) کا اطلاق اللہ تعالی پر احادیث میں:**

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو تم کہو کہ اللہ تعالی ہمارا مولی اور کارساز ہے نہ کہ تمہارا اور تمہارا کوئی مولی نہیں۔ (صحیح بخاری، 4043)

نبی کریم ﷺ کا فرمان: اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالی کے بارے میں میرا آقا اور میرا مولی کہے۔ (صحیح بخاری، 2552) (صیح مسلم، 2249)

**نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام سے انداز محبت:**

آقا کریم ﷺ کا نرالہ انداز مبارک اور لفظ مولا کے مختلف پہلو نبی کریم ﷺ کے اصحاب کرام علیہم الرضوان میں جب بھی کسی جلیل القدر صحابی پر کوئی دوسرے صحابہ اعتراض کرتے تو نبی کریم ﷺ اپنے صحابی کا بڑے اہتمام سے دفاع کرتے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے منبر پر تشریف لے جا کر خطبہ دیا اور فرمایا عباس مجھ سے ہے میں عباس سے ہوں۔ (مسند احمد، 2734)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی امارت کی مخالفت ہوئی تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور دفاع کیا اور فرمایا اس کا باپ اور یہ (زید) امارت کے حق دار ہیں اور مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارے ہیں۔( صحیح بخاری، 4250)

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہو گیا تو نبی کریم ﷺ جلال میں آ گئے اور بار بار فرمایا کیا تم میرے ساتھی کو چھوڑتے ہو؟ میں نے کہا تھا اے لوگوں! میں تم سب کی طرف اللہ تعالی کا رسول ہوں تم سب نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ابو بکر نے کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔( صحیح بخاری، 4640)

اسی طرح جب یمن کے کچھ لوگوں نے بار بار نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آ کر حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ جلال میں آ گئے اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یعنی جس کا میں ولی ہوں علی بھی اس کے ولی ہیں۔(جامع ترمذی، 3713)

**نوٹ:** ان چاروں واقعات سے یہ بخوبی واضح ہوا ہے کہ صرف مولا علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ کسی بھی جلیل القدر صحابی کی ناموس کا مسئلہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ اہتمام کے ساتھ دفاع کرتے تھے۔یہاں سے تفضیلیوں کی خیانت بھی پاش پاش ہو جاتی۔غدیر خم میں یوں اہتمام حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاصہ نہیں ہے بلکہ کئی اصحاب کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے محبت کا اظہار فرمایا اور دفاع کیا۔

## لفظ (مولا) محدثین و محققین علماء کی نظر میں:

نبی کریم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ زید تم ہمارے بھائی اور مولی ہو۔

(مشکوۃ شریف، ص 293)(بخاری، 2699 و مسلم باب بلوغ صغیر الفصل اول)

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: لفظ مولی کا اطلاق بہت سے معانی پر ہوتا ہے مثلا ولی، ناصر، وغیرہ لیکن لفظ مولی اور سید

مطابق بغیر کسی اضافت کے اللہ تعالی کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے اور لفظ (مولی) کا اطلاق اللہ تعالی کے علاوہ پر کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے (اس لئے کہ جب سید کا اطلاق اللہ تعالی کے علاوہ پر ہو سکتا ہے جبکہ اس میں ایک ہی معنی (سردار) پایا جاتا ہے تو مولی میں چوں کہ بہت سارے معنی پائے جاتے ہیں اس اعتبار سے اللہ تعالی کے علاوہ پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(فتح الباری، ج4 ص984)

علامہ محب اللہ طبری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: یعنی مولی کا معنی دوست ہوتا ہے جو دشمن کی ضد ہے

(الریاض النضرہ، ج1 ص227) (ضرب حیدری ص168)

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ حدیث موالات کی اگر سندی بھی ہو تو اس میں ولایت علی پر نص موجود نہیں۔ ہم نے اپنی کتاب الفضائل میں واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مقصود کیا تھا؟ بات تھی کہ آپ ﷺ نے یمن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو ساتھیوں نے ان کے خلاف کثرت سے شکایت کی، اور بغض کا اظہار کیا نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھ ان کے خصوصی تعلق اور ان سے محبت کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کے ذریعے آپ سے محبت اور دوستی رکھنے کی رغبت دلائی اور عداوت ترک کرنا چاہی۔

(ضرب حیدری، ص166)

علامہ جزری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ حدیث پاک میں لفظ (مولی) کا تذکرہ بکثرت آیا ہے اور لفظ (مولی) ایک ایسا نام ہیں جو بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ رب، مالک، آقا، احسان کرنے والا، آزاد کرنے والا، مدد کرنے والا محبت کرنے والا، الغرض ہر وہ شخص جو کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو اس پر (مولی) اور (ولی) کا اطلاق ہوتا ہے (من کنت مولاہ فعلی مولاہ)

(سنن ترندی، 3722)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کا میں ذمہ دار ہوں اس کے علی رضی اللہ عنہ بھی ذمہ دار ہیں

یا جس سے میں محبت کرتا ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تین لوگ مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے، وہ غلام جس نے اللہ تعالی کا حق ادا کیا اور اپنے آقا کا حق ادا کیا، اس حدیث میں بھی (مولی) آقا اور سردار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(سنن ترمذی، 1984)

امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ترجمہ: غلام کے لیے اپنے آقا کو مولا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ لفظ مولی سولہ معنی میں استعمال ہوتا ہے اس میں سے ایک مالک، اور ناصر بھی ہے۔ (شرح مسلم)

امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ اس حدیث کا معنی معتمد علماء کی معتمد تحقیق کے مطابق ہے جس کا میں مولی، ناصر تعلق والا، پیارا اور دلی دوست ہوں تو علی رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی ہیں۔

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے اس حدیث سے اسلامی محبت و بھائی چارہ مراد لیا ہے۔ (فتوی نوریہ ص 252)

امام بیہقی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حدیث (مولاہ) اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے (گویا کہ آپ علیہ الرحمہ کے نزدیک صحیح نہیں) تو بھی اس میں یہ دلیل نہیں کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی ولایت حضور ﷺ کے بعد ہے (پھر شان ورود بیان کیا جو اوپر ذکر ہوا اور فرمایا) نبی کریم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خصوصیت اور آپ سے محبت بیان کی جائے اور ابھارا جائے لوگوں کو کہ آپ سے محبت رکھیں اور دشمنی چھوڑ دیں، اس حدیث میں (ولا) سے مراد اسلامی بھائی چارہ اور محبت ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے محبت کریں، ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھیں۔ (الاعتقاد، ص 497)

الامام علی القاری حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے جس کو میں ولی بناؤں حضرت علی بھی

اس کو ولی بنائے گا، ولی دشمن کی ضد ہے (دشمن کی ضد دوست ہوتی آقا نہیں) یعنی جس کو میں پیار کرتا ہوں علی بھی اس سے پیار کرتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے اس کا معنی: جو مجھے دوست رکھے گا علی بھی اس کو دوست رکھے گا۔ (مرقاۃ، ج11ص252)



حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ولی کا معنی دوست محب اور مددگار ہے، چند صفحات بعد حدیث (مولاہ) پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مولا کا معنی حاکم، اور والی ہے بلکہ اس کا معنی محبوب اور مددگار ہے کیوں کہ لفظ (مولی) کئی معنی میں مشترک ہے، بعض معانی کو دلیل کے بغیر معین کرنا ناقابل اعتبار ہے۔ (جیسا کہ شیعہ اور نیم شیعہ کرتے ہیں) (اشعہ للمعات شرح مشکوۃ، ج7ص454، 462)

مزید آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ مشترک کے متعدد معانی سے کسی ایک معنی کی تخصیص یا تعین کے لئے دلیل درکار ہے اور بغیر دلیل کے اس کے متعدد معانی سے ایک معنی کی تعیین درست نہیں۔ ہم اہل سنت اور وہ اہل شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہمارے محبوب، ہمارے مددگار اور ہمارے سردار ہیں۔ اور حدیث کا سیاق بھی انہیں معانی کی تائید کرتا ہے کہ ان لوگوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر جو اعتراض کئے ہیں وہ بے معنی اور لغو ہیں۔ بلکہ آپ تو تمام مسلمانوں کے محبوب، مددگار، اور سردار ہیں۔ (مدارج النبوۃ، ج2ص402) (ضیاء النبی، ج4ص787)

**قرآنی فیصلہ اور نتیجہ لفظ مولی:**

اَلْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ کی نص قرآن میں موجود ہے یعنی تمام مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مولا ہیں تو یہاں روافض کے نزدیک کیا ہے کہ مرد عورتوں کے اور عورتیں مردوں کے خلیفہ ہیں؟

## چند سوال:

شیعہ کہتے ہیں کہ مولا بمعنی خلیفہ ہے اور اس حدیث سے لازم ہے کہ بجز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے خلیفہ کوئی نہیں آپ خلیفہ بلا فصل ہیں مگر یہ غلط ہے چند وجہ سے۔



(1) یہ کہ مولی بمعنی خلیفہ یا بمعنی اولی بالخلافہ کبھی نہیں آتا۔ بتاؤ، اللہ تعالی اور جبرائیل کس کے خلیفہ ہیں؟ حالانکہ قرآن مجید میں انہیں مولی فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ التحریم: 4)

(2) دوسرا یہ کہ نبی کریم ﷺ کسی کے خلیفہ نہیں پھر (من کنت مولاہ) کے کیا معنی ہوں گے؟

(3) یہ کہ حضرت مولی علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں خلیفہ تو نہیں تھے حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں فرمایا تھا تو پھر مولی بمعنی خلیفہ کیسے ہو گا؟

(4) یہ کہ اگر مان لو کہ مولی بمعنی خلیفہ ہی ہو تو بھی بلا فصل خلافت کیسے ثابت ہو گی؟ واقعی آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں مگر اپنے وقت اور موقعہ پر یعنی چوتھے نمبر پر۔

(5) یہ کہ اگر یہاں مولی بمعنی خلیفہ ہوتا تو جب سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: (الخلافۃ فی القریش) خلافت قریش میں ہے، تم لوگ چونکہ قریش نہیں لہذا تم امیر نہیں بن سکتے، وزیر بن سکتے ہو۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ لوگوں کو یاد کیوں نہ کروایا کہ نبی کریم ﷺ تو مجھے خلافت دے گئے، میرے سوا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا؟ بلکہ آپ رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور تینوں خلفاء کے ہاتھ پر باری باری بیعت کرتے رہے۔ معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نظر میں بھی یہاں مولی بمعنی خلیفہ نہ تھا۔

(6) یہ کہ نبی کریم ﷺ کے مرض وفات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مولی علی

المرتضی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چلو نبی کریم ﷺ سے خلافت اپنے لیے لے لو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا کہ میں نہیں مانگوں گا۔ اگر یہاں مولی بمعنی خلیفہ تھا تو یہ مشورہ کیسا؟

(7) یہ کہ خلافت کے لیے روافض کے پاس نص قطعی الثبوت او قطعی الدلالت چاہیے یہ حدیث نہ تو قطعی الثبوت ہے کہ حدیث واحد ہے نہ قطعی الدلالت کہ مولی کے بہت سارے معنی ہیں اور مولی بمعنی خلیفہ کہیں نہیں آیا۔ (مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج8ص425)



## اہل بیت کے نزدیک حدیث (من کنت مولاہ) کے معنی:

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹے حسن مثنی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حافظ ابن عساکر نے بہت سے فضیل ابن نرزوق کے طریق سے حضرت حسن بن مثنی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ ﷺ نے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" نہیں فرمایا: انہوں نے جوابا فرمایا۔ ہاں! مگر قسم اللہ کی رسول اللہ ﷺ کی مراد اس سے امارت اور حکومت ہر گز نہ تھی، اگر ان کی یہ مراد ہوتی تو آپ ﷺ مسلمانوں کیلئے وضاحت سے فرماتے کیونکہ آپ ﷺ مسلمانوں کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے، اگر ایسا ہوتا جیسا کہ بعض کی طرف سے کہا گیا ہے تو آپ ﷺ یوں فرماتے۔ اے لوگو! علی میرے بعد تمہارے اولی الامر اور خلیفہ قائم ہیں۔ ان کی سننا اور ان کی اطاعت کرنا قسم ہے، اللہ کی! اگر اللہ عزوجل ورسول ﷺ نے مولا علی رضی اللہ عنہ کو قائم بنایا تھا، تو پھر مولی علی رضی اللہ عنہ نے خدا اور سول کے حکم کو چھوڑ دیا تو علی رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ عزوجل، اور نبی کریم ﷺ کے حکم کو چھوڑ دیا۔

## حدیثِ غدیر خم اور عیدِ غدیر:

## خم غدیر کی حقیقت اور رافضیوں کے عقائد باطلہ کا رد:

قارئین کرام جیسا کہ آپ لفظ (مولی) کے معانی و مطالب اور معارف سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ کسی نے بھی لفظ مولی سے مراد (آقا، حاکم، خلیفہ) نہیں ثابت کیا۔ سب سے اول ہم غدیر خم کی وجہ تسمیہ اور اس میں چھپے عقائدہ باطلہ جو قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ اور اجماع امت کے خلاف ہیں ان کو واضح کریں گے، تاکہ باطل کا بطلان واضح ہو جائے اور سنی اس بطلان سے آشنا ہو کر اپنے آپ کو اس وائرس سے محفوظ رکھیں۔

## حدیث خم غدیر کا صحیح پس منظر:

عید غدیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ خم غدیر پر نبی کریم ﷺ نے تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مخاطب کر کے فرمایا "کیا تم نہیں جانتے کہ میں ایمان والوں سے بہ نسبت ان کے نفوس کے نزدیک تر اور دوست تر ہوں۔ یعنی میں مومنوں کا خیر خواہوں اور ان کو انہیں امور کی ہدایت کرتا ہوں جو ان کے لئے موجب فلاح و نجات و بہتر ہیں۔

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر یمن روانہ کیا تھا اور میں بھی اس لشکر میں تھا، فتح کے بعد جب شمس (مال غنیمت کا وہ حصہ جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لئے تھا) غنائم سے علیحدہ کیا گیا تو حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم نے قیدیوں سے ایک نہایت ہی خوب صورت لونڈی لیکر اپنی صحبت میں رکھ لی، ان کے ایسا کرنے سے میرے دل میں ان کی طرف سے کدورت اور انکار پیدا ہوا۔ میں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا تم نے دیکھا ہے مرد (علی) کیا کر رہے ہیں؟ اور حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے بھی میں نے کہا یا ابا الحسین آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جاریہ (لونڈی) قیدیوں کے خمس (پانچویں حصے)

اور مال غنیمت میں آئی۔ جو رسول اللہ ﷺ کے حصے میں سے علی کے حصے میں آگئی اور میں نے اسے اپنی صحبت میں رکھا ہے گویا نبی کریم ﷺ کے (خمس ذوی القربی) کے تقسیم کرنے کا اذن سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا۔



حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب واپسی پر میں خم غدیر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے وہاں بھی یہ ماجرا سنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے بریدہ شاید تو علی کو دشمن جانتا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اے بریدہ علی کو دشمن نہ سمجھ اور اگر تو پہلے علی سے محبت کچھ رکھتا تھا تو اب علی سے زیادہ محبت رکھ علی کا حصہ خمس میں سے اس لونڈی کے علاوہ اور بھی تھا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ میری بات سن کر نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

اے بریدہ علی کی طرف سے بدگمان نہ ہو۔ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ تمہارا مولا ہے کیوں کہ جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔

غدیر خم کے اس واقعہ سے صاف صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی شان اس وقت محبت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے لئے تھا نہ کہ خلافت بلا فصل کے لئے اور آپ ﷺ کا اس وقت یہ فرمانا (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی وجہ سے تھا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ مولا علی رضی اللہ عنہ سے دوستی اور محبت نبی کریم ﷺ کے ساتھ دوستی اور محبت ہے اور مولا علی سے عداوت آپ ﷺ کے ساتھ عداوت ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے سب صحابہ میں سے کسی کے ساتھ ایسی محبت نہ تھی جیسی محبت مولا علی رضی اللہ عنہ سے تھی (تصفیہ ما بین سنی و شیعہ، 33)

اور یہ بھی ہے کہ حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت یہ اعلان کیا اور کہا یا رسول اللہ

ﷺ میں علی کی محبت پر آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ مبارک پر بیعت کرتا ہوں۔

رافضیوں کا اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ کرنا کہ آقا ﷺ کے اس فرمان سے حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت بلا فصل ہے، اور آقا ﷺ نے مولا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنا جانشین و خلیفہ مقرر کیا ہے یہ عقیدہ بالکل غلط ہے اور رافضیوں کے اس باطل عقیدہ میں نیم رافضی تفضیلی بھی شامل ہیں جو ان باطل عقائد کی ترجمانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، میں ان لوگوں کی اصلاح کی خاطر یہ عرض کروں گا کہ آپ اپنے عقائد حقہ کو ان کے عقائد باطلہ سے ملا کر خراب نہ کریں، اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو آدمی مولا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ذکر کرے اس پر رافضی، شیعہ ہونے کا الزام لگا دیا جاتا ہے، میرے دوست میرے بھائی یہ بات غور سے سن لے، مولا علی کا ذکر کرنا رافضی ہونے کی علامت نہیں ہے، رافضی شیعہ ہونے کی علامت بغض صحابہ کرام ہے اور مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور تمام نبیوں سے افضل ماننے کا نام ہے، اسی طرح کی باطل تاویلات اس حدیث مبارکہ سے نکال کر اپنے باطل ہونے کا ثبوت دینے کا نام ہے (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) سے مولا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل ثابت ہے، یہ تھی اصل وجہ کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کا ازالہ فرمانا تھا۔

**نوٹ:** اگر لفظ (مولی) سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے لئے خاص ہے تو پھر یہ لفظ، دیگر حضرات کے لئے تو نہ بولیں، جیسے مولی حسن، مولی حسین، مولی زین العابدین، مولی امام باقر، مولی جعفر صادق علیہم السلام علی ھذا القیاس، اس سے کیا مراد ہو گا کہ یہ حضرات بھی نبی کریم ﷺ کے خلیفہ بلا فصل ہیں، روافض تو صرف مولی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ باقی گیارہ افراد کو امام مانتے ہیں۔ الحمد اللہ سنی نبی کریم ﷺ کی تمام اولاد اور علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد، امام حسن و حسین، اور امام حسن عسکری علیہم الرضوان کی تمام اولاد اطہار کو اپنا مولی اور امام

مانتے ہیں۔ رافضی گھوڑے کو بھی مولا کہتے ہیں اس سے کیا مراد لیا جائے گا؟

## کیا مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا عقیدہ بھی خلافت بلا فصل پر تھا؟

## خلافت بلا فصل پر خود مولی علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا اپنا موقف:



مولی علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا فرمان عالی شان ہے کہ اگر میری خلافت کا کوئی عہد لیا گیا ہوتا تو میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منبر کی ایک سیڑھی پر بھی نہ چڑھنے دیتا۔

حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کہ علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا، اگر رسول اللہ ﷺ نے میری بابت کوئی عہد لیا ہوتا۔ تو میں اس پر جھگڑا کرتا اور میں ابن ابی قحافہ (ابو بکر) کو اجازت نہ دیتا کہ وہ منبر رسول ﷺ پر ایک سیڑھی چڑھ جائے۔

(کنز العمال، ج 6 کتاب الفضائل، مقام سیدنا صدیق اکبر 54، سنی فاؤنڈیشن لاہور)

حضرت امام عالی مقام امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میرے بارے میں خلافت کی کوئی وصیت موجود نہیں تھی، اس مضمون کی مفصل روایت یہ ہے۔ ابن عساکر نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم بصرہ میں آئے تو انہیں ابن الکواء اور قیس بن عباد نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ آپ ہمیں اس سے خبر دیں گے جس پر آپ چل رہے ہیں کہ آپ امت پر ایک دوسرے سے ٹکرا کر حکومت کر رہیں۔ کیا آپ کو نبی ﷺ سے کوئی وصیت حاصل ہے، جو نبی کریم ﷺ نے آپ کے متعلق کی، آپ ہمیں بتائیں کیونکہ آپ نے جو بات سنی ہے اس میں آپ معتبر اور امین ہیں اس پر سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا" یہ بات کے میرے پاس نبی کریم ﷺ کی کوئی وصیت اس کے بارے میں (خلافت) ہو، سو اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہے۔ میں نے سب سے پہلے حضور ﷺ کی تصدیق کی ہے سو میں سب سے پہلے آپ ﷺ پر

جھوٹ بولنے والا نہیں ہو سکتا۔ اگر امر خلافت میں میرے پاس ﷺ کی کوئی وصیت ہوتی تو میں تمیم بن مرہ کے بھائی (ابو بکر) اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو اجازت نہ دیتا کہ وہ دونوں حضور ﷺ کے منبر پر کھڑے ہوں۔ البتہ (اس صورت میں) میں ان سے لڑ پڑتا خواہ میرے پاس صرف میری ایک چادر ہی ہوتی (میرا کوئی مددگار نہ ہوتا تو میں اکیلا ہی لڑ پڑتا) لیکن رسول کریم ﷺ نہ ہی قتل ہوئے اور نہ آپ کی اچانک وفات ہوئی ہے بلکہ ) آپ ﷺ کئی دن رات بیمار رہے ہیں۔ مؤذن آتا تو آپ ﷺ اسے نماز کی اجازت دیتے، پس حکم دیتے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ حالانکہ آپ ﷺ میرے مرتبہ کو جانتے تھے۔ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک نے آپ ﷺ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روکنا چاہا مگر آپ ﷺ نے انکار فرمایا اور غضبناک ہو کر فرمایا (تم عورتیں تو یوسف والیاں ہو) ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تو ہم نے اپنے معاملات میں غور کیا۔ پس ہم نے اپنی دنیا کے معاملات کیلئے اس شخص کو اختیار کر لیا جس پر نبی کریم ﷺ ہمارے دین کیلئے راضی تھے۔ اور نماز تو اسلام کا رکن ہے اور یہ رکن دین کا سردار اور دین کا محافظ ہے۔ پس ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور وہ اس لائق بھی تھے، انکی خلافت کے بارے میں ہم سے دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہیں ہوا اور نہ کسی نے کسی کے خلاف گواہی دی اور نہ اس سے بیزاری کا فیصلہ کیا۔ پس میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس کا حق ادا کیا اور اس کی فرمانبرداری کو پہچانا اور اس کے لشکروں میں شامل ہو کر اس کی حمایت میں لڑا۔ جب مجھے وہ کچھ دیتے تو میں لے لیتا اور جب مجھے لڑنے کیلئے بھیجتے تو میں چلا جاتا اور میں ان کے سامنے اپنے کوڑے سے شرعی حدود نافذ کرتا۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی مطبع محمدی، ص 120، مقام سیدنا صدیق اکبر، ص 48،
از مفتی علی احمد سندیلوی سنی فاؤنڈیشن لاہور)

حضرت سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس فیصلہ کن بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی خلافت بلافصل کیلئے کوئی وصیت نہ فرمائی تھی۔



## کیا غدیر خم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت تھی:

## ملا باقر مجلسی کی وضاحت:

چنانچہ ملا باقر مجلسی (شیعہ) نے باب اخبار غیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر یمن میں جہاد کیا۔ تو میں ایک سخت معاشرتی ناانصافی دیکھی جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے شکایت کرتے ہوئے اس کی تنقیص کی۔ میں نے نبی کریم ﷺ کے چہرے کو متغیر ہوتے دیکھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے بریدہ! کیا میں مومنین سے ان کی جانوں سے زیادہ پیارا نہیں ہوں؟ میں نے عرض کی جی ہاں! یارسول ﷺ تو آپ نے فرمایا جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کے دوست ہیں۔

(بحار الانوار، ج9 ص257، باب اخبار الغدیر، مقام سیدنا صدیق اکبر ص50)

## سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مشورہ دینا خلافت کے بارے میں:

شرح نہج البلاغہ ابن الحدید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس تھے جب کہ آپ ﷺ بیمار تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب لوگوں کے پاس آئے تو لوگوں نے آپ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں خیریت معلوم کی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الحمدللہ آپ اچھے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ہاتھ پکڑا اور کہا: اے علی تو تین دن کے بعد ڈنڈے کے ماتحت ہو جائے گا۔ میں قسم کھاتا ہوں میں نے نبی کریم ﷺ کے چہرے پر موت کو دیکھا ہے اور عبدالمطلب کی اولاد کے چہروں سے موت کو پہچان لیتا ہوں تو

رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ ﷺ سے اس امر (خلافت) کا ذکر کر کہ، اگر یہ امر ہم میں قائم ہونے والا ہے تو ہمیں بتا دیں، اگر ہمارے غیر میں ہونے والا ہے تو ہمیں وصیت کریں ۔اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا اگر نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس سے روک دیا (یعنی ہمارے حق میں وصیت خلافت نہ فرمائی) تو لوگ کبھی بھی ہمیں خلافت نہیں دیں گے۔

(شرح نہج البلاغہ لابن الحدید، ج 1 ص 75، مقام سیدنا صدیق اکبر ص 52، سنی فاؤنڈیشن لاہور)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس وقت تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی کریم ﷺ کی کوئی وصیت موجود نہ تھی، ورنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے پاس جا کر بھی وصیت کرنے کیلئے نہ کہتے اور نہ ہی سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ جواب دیتے کہ خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں روک دیا تو پھر لوگ ہمیں آپ ﷺ کے بعد خلافت نہیں دیں گے۔ بلکہ مولی علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ تو میرے حق میں غدیر اور غزوہ تبوک کے موقع پر خلافت کی وصیت کر چکے ہیں۔ مگر مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایسا نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) اور حدیث (انت منی بمنزلتہ ھارون من موسی) سے سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم نبی کریم ﷺ کے بعد اپنی خلافت کی وصیت نہیں سمجھتے تھے، اس مضمون کی حدیث حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے (صحیح بخاری، باب: نبی کریم ﷺ کی بیماری اور آپ ﷺ کی وفات کا بیان، حدیث 4447) میں درج ہے۔ گویا سنی وشیعہ لٹریچر میں یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

## عید غدیر کی ابتداء:

عید غدیر اہل تشیع کا تہوار ہے۔اہل تشیع کے نزدیک جس کی اصل بنیاد یوم غدیر میں نبی کریم ﷺ کا مولی علی رضی اللہ عنہ کو خلافت وامامت دینا ہے۔حالانکہ یہ سراسر جھوٹ اور فریب ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔اہل تشیع اس حدیث (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مولی بمعنی اولی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ جس شخص پر اولی بالتصرف میں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اولی بالتصرف ہیں۔اور جو اولی بالتصرف ہوتا ہے وہ امام معصوم ہوتا ہے اور اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔لہذا حضرت علی امام معصوم ہیں اور ان کی اطاعت فرض ہے اور جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام قرار دے دیا تو حضرت علی کی موجودگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت صحیح نہیں ہوئی۔

اہل تشیع کا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ مولی بمعنی اولی، یا بمعنی خلافت، یا بمعنی امامت کسی کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور اولی بالتصرف، یا خلافت، اور امامت مراد لینا بالکل قرآن و حدیث اور اہل لغت کے نزدیک بے بنیاد ہے اور اس عید غدیر میں بہت سارے خرافات جنم لیے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ سنی بھی اس زد میں ملبوث ہیں، یالا علمی کی وجہ سے یا رافضیوں کی محبت کی وجہ سے، دونوں گمراہی کے سبب ہیں۔اس دور میں رافضیت کی وبا نے بڑوں بڑوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، مسلک کے وفادار بلکہ ٹھیکیدار بننے والے بھی رافضی رنگ میں رنگ چکے ہیں تفضیلیت بھی در حقیقت رافضیت ہی ہے۔آج اہل سنت میں خود کو سنی کہنے والے بھی کئی مولوی رافضیت کی وبا میں آخری اسٹیج پر پہنچ چکے ہیں یہی لوگ مسلک کے غدار ہیں اور یہی غدار غدیر مناتے ہیں رافضیوں کے ساتھ مل کر اور ان غداروں نے مفسرین و محدثین اور فقہا اور اولیاء و علماء کا دامن چھوڑ دیا ہے۔اس وقت رافضیت زدہ ایک بھی مولوی ان بزرگوں سے عید غدیر ثابت نہیں کر سکتا۔اور وہ غدار مولوی یا وہ آستانے جن پر یہ عید غدیر کا جشن منایا جاتا ہے

رافضیت کی زد سے خالی نہیں۔

## عید غدیر کا بانی عراقی شیعہ:

اس عید غدیر کا بانی عراقی شیعہ حاکم معزوالدین احمد بن ابو یہ دیلمی ہے۔ سب سے پہلے اسی نے رافضیوں کے ساتھ 18، ذی الحجہ 352 ہجری کو بغداد میں عید غدیر منائی۔

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: سن 352 ہجری 18 ذی الحجہ کو معزالدولہ نے شہر بغداد سجانے اور رات کو عیدوں کی راتوں کی طرح بازار کھولنے کا حکم دیا۔ اور باجے اور بگل بجائے گئے اور حکام کے دروازوں اور فوجیوں کے پاس چراغاں کیا گیا عید غدیر کی خوشی میں تو وہ وقت عجیب اور دیکھنے کا دن تھا اور ظاہری بری بدعت کا دن تھا۔

(البدایہ النہایۃ لابن الکثیر 15/261)

اسی طرح کے قول کو امام ابن اثیر جزری نے (الکامل فی التاریخ، 246/7) میں اور امام ذہبی نے (العبر فی خبر من غبر، 90/2) میں ذکر کیا ہے۔

## شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر عید غدیر منا کر خوشی کا اظہار کرنا:

اس یوم کو عید غدیر منانے کی ایک وجہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے خوشی منانا بھی ہے 18 ذی الحجہ 35 ہجری کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا غضب شدہ حق مل گیا۔ گویا سبائیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے نام پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خوشی کے لئے یہ جشن (عید غدیر) ترتیب دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا آخری حج 10 ہجری میں ادا فرمایا تھا لیکن 350 ہجری تک اس جشن اور عید کا کسی کو خیال نہ آیا۔ چونکہ آل بو یہ انتہائی متعصب اور غالی شیعہ تھے اس لئے معزالدولہ دیلمی نے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت کو عید کا دن قرار دیا۔

شیعہ کی معتبر کتاب (تحفۃ العوام) میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جس کا عنوان ہے (باب

چودھواں: بارہ مہینوں کی تاریخہائے سعد و نحس میں) اس میں ماہ ذی الحج کی 18 تاریخ کے تحت لکھاہے کہ یہ تاریخ (نیک) یعنی سعد ہے۔ عید غدیر ہے، خلیفہ ثالث مقتول ہوئے۔

(شیعت تاریخ وافکار، ص320)



شیعہ تواس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خوشی میں (عید غدیر) مناتے ہیں لیکن سنی کی اس بغیرتی و بے حمیتی پر سخت حیرت ہے، بظاہر یہ کہا جاتاہے کہ اس تاریخ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ حدیث (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) ارشاد فرمائی گئی تھی لیکن اس کے درپردہ بہت سارے عقائد باطلہ موجود ہیں اس معلومات کے باوجود بھی کوئی سنی ان رافضیوں کے عقائد باطلہ میں ملوث ہو تو وہ اپنے آپ کے ساتھ ظلم عظیم کرے گا پھر وہ وقت دور نہیں کہ وہ رافضی زبان سے صحابہ کرام علیہم الرضوان سب و شتم کرے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت اور صحابیت کا منکر ہو جائے اور اپنی دنیا و آخرت دونوں خراب کر بیٹھے اور قرآن کا بھی منکر ہو جائے۔ اللہ تعالی ایسے عقائد باطلہ سے ہم سب کو محفوظ رکھیے آمین۔

واقع خم غدیر کے بعد نبی کریم ﷺ نے وصال مبارک تک مولی علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے منصب پر جلوہ گر نہیں فرمایا اور نہ ہی اس حدیث کی وضاحت فرمائی کہ جو اعلان غدیر خم میں ہوا اس کے منصب کے حقدار سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں سیدنا مولی علی رضی اللہ عنہ کو نہ ہی خلافت دی اور نہ ہی امامت کے لئے مختص فرمایا اور امامت کے لئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تاکیدا حکم فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤ، اور آپ ﷺ نے کئی بار فرمایا کہ میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔ مولی علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کا اس حدیث مبارکہ میں کوئی خلافت و امامت کا بیان نہیں ہے صرف آپ کی محبت کے لئے حکم فرمایا کہ لوگو جس طرح مجھے محبوب جانتے ہو اسی طرح علی کو بھی محبوب رکھو۔

# 10۔ باغ فدک

زمین کا وہ حصہ جو کفار نے مغلوب ہو کر بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا ان میں سے ایک فدک بھی تھا، جس کی آمدنی حضور سید عالم ﷺ اپنے اہل و عیال، ازواج مطہرات وغیرہ پر صرف فرماتے تھے، اور تمام بنی ہاشم کو بھی اس کی آمدنی سے کچھ مرحمت فرماتے تھے، مہمان اور باشاہوں کے سفرا کی مہمان نوازی بھی اس آمدنی سے ہوتی تھی، اس سے غریبوں اور یتیموں کی امداد بھی فرماتے تھے، جہاد کے سامان تلوار، اونٹ اور گھوڑے وغیرہ اس سے خریدے جاتے تھے، اور اصحاب صفہ کی حاجتیں بھی اس سے پوری فرماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ فدک اور اس قسم کی دوسری زمینوں کی آمدنی مذکورہ بالا تمام مصارف کے مقابلہ میں بہت کم تھی، اسی سبب سے بنی ہاشم کا جو وظیفہ حضور ﷺ نے مقرر فرمادیا تھا وہ زیادہ نہیں تھا اور سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جو حضور ﷺ کو حد سے زیادہ پیاری تھیں مگر آپ ان کی بھی پوری کفالت نہیں فرماتے تھے، جس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی زمینوں کی آمدنی مخصوص مدوں میں حضور صرف فرماتے تھے، اللہ تعالی کا مال اس کی راہ میں خرچ فرماتے تھے، آپ ﷺ نے ان کو ذاتی ملکیت نہیں قرار دیا تھا۔ پھر جب سرکار اقدس ﷺ کا وصال ہوا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی فدک کی آمدنی کو انہیں تمام مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور ﷺ خرچ فرمایا کرتے تھے، فدک کی آمدنی خلفائے اربعہ کے زمانہ تک اسی طرح صرف ہوتی رہی، یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت مولا علی سب نے فدک کی آمدنی کو انہیں مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور ﷺ خرچ کیا کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد باغ فدک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا، پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اختیار میں رہا، ان کے بعد علی بن حسین رضی اللہ عنہ اور حسن بن حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آیا، ان کے بعد زید بن حسن بن علی برادر حسن بن حسن کے تصرف

میں آیا، پھر مروان اور مروانیوں کے اختیار میں رہا، یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے باغ فدک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد کے قبضہ و تصرف میں دے دیا۔



باغ فدک کی اس تاریخ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ معاملہ کچھ بھی نہ تھا مگر لوگوں نے بلا وجہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر الزام لگا کر ان کو مطعون کیا۔

## حضور ﷺ نے باغ فدک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو نہیں دیا تھا:

یہ کہنا صحیح نہیں کہ باغ فدک حضور ﷺ نے سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو دے دیا تھا۔ یہ رافضیوں کا افترا ہے جس کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں۔ یعنی اہل سنت کی معتبر کتابوں سے باغ فدک کا دینا ثابت نہیں بلکہ ہماری کتابوں سے حضور ﷺ کا حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو باغ فدک کا نہ دینا ثابت ہے، جیسا کہ مشہور و معروف کتاب (ابو داؤد شریف) کی حدیث ہے:

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کا جب زمانہ آیا تو انہوں نے بنی مروان کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ فدک رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا جس کی آمدنی وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے تھے اور بنی ہاشم کے بچوں کو پہنچاتے تھے اور اس سے مجرد مرد و عورت کا نکاح بھی کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ فدک ان ہی کے لئے مقرر کر دیں تو حضور ﷺ نے انکار کر دیا، تو ایسے ہی آپ کی زندگی بھر رہا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی، پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فدک میں ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور ﷺ نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی رحلت فرما گئے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرما گئے، پھر مروان نے (اپنے دور میں) فدک کو اپنی جاگیر میں لے لیا یہاں تک کہ وہ عمر بن عبد العزیز کی جاگیر بنا، پس میں نے

دیکھا کہ جس چیز کو حضور ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو نہیں دیا اس پر میرا حق کیسے ہو سکتا ہے لہذا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی دستور پر واپس کر دیا جس دستور پر کہ وہ پہلے تھا یعنی حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارکہ میں۔(مشکوۃ شریف، ص356)



اس حدیث شریف سے حضور ﷺ کا حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو باغ فدک کا نہ دینا واضح طور پر ثابت ہے، بلکہ (شرح ابن الحدید) جو رافضیوں کی معتبر مذہبی کتاب نہج البلاغہ کی شرح ہے اس میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: جب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فدک طلب کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ میرے نزدیک صادقہ، امینہ ہیں۔ اگر حضور ﷺ نے آپ کے لئے فدک کی وصیت کی ہو یا وعدہ کیا ہو تو اسے میں تسلیم کرتا ہوں اور فدک آپ کے حوالے کر دیتا ہوں، تو سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ فدک کے معاملہ میں حضور ﷺ نے میرے لئے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو باغ فدک دینے کا جو افسانہ بنایا گیا ہے وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا خود فرما رہی ہیں کہ حضور ﷺ نے فدک کے لئے میرے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی ہے اور نہ وعدہ فرمایا ہے۔ لہذا جب حضور ﷺ نے باغ فدک حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو دیا نہیں اور دینے کا وعدہ بھی نہیں فرمایا اور نہ وصیت فرمائی تو پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غصب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو فدک ہبہ کر دیا تھا تو یہ مسئلہ رافضی و سنی دونوں کے یہاں متفقہ طور پر مسلم ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز پر تا وقتیکہ موہوب لہ یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے اس کا قبضہ و تصرف نہ ہو جائے وہ چیز موہوب لہ کی ملک نہیں ہو سکتی اور فدک بالاتفاق حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں بھی حضرت

سیدہ سلام اللہ علیہا کے قبضہ میں نہیں آیا بلکہ حضور ﷺ ہی کے اختیار میں رہا اور وہی اس میں مالکانہ تصرف فرماتے رہے۔



## حضور ﷺ نے کوئی وراثت نہیں چھوڑی:

اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو فدک نہیں دیا تھا ہم نے یہ تسلیم کر لیا لیکن جب وہ حضور ﷺ کی صاحبزادی تھیں تو فدک حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو وراثت میں ضرور ملنا چاہیے تھا کہ ہر شخص اپنے باپ کی جائداد کا وارث ہو اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا حضور ﷺ کی وارث نہ ہوں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ انتہا درجہ کے فیاض تھے، جو کچھ آتا تھا سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم فرما دیتے تھے، کچھ اپنے پاس باقی نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ حضور ﷺ ایک بار نماز عصر پڑھ کر فوراً اٹھے اور نہایت تیزی کے ساتھ گھر تشریف لے گئے، پھر علی الفور واپس آ گئے، لوگوں کو تعجب ہوا، تو فرمایا: مجھے خیال آیا کہ سونے کی ایک چیز گھر میں پڑی رہ گئی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑی رہ جائے، اس لئے میں اسے خیرات کرنے کہ لئے کہہ آیا ہوں۔ (رواہ البخاری مشکوۃ، ص166)

اور حدیث شریف میں ہے کہ آخری بیماری میں حضور ﷺ کی ملکیت میں چھ سات اشرفیاں تھیں، حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اسے خیرات کر دیں، مگر وہ مشغولیت کے سبب خیرات نہ کر سکیں تو حضور ﷺ نے ان اشرفیوں کو منگا کر خیرات کر دیا اور فرمایا: یعنی اللہ کا نبی خدائے تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اشرفیاں اس کے قبضہ میں ہوں تو یہ مقام نبوت کے منافی ہے۔ (رواہ احمد بشکوۃ، ص167) (اشعۃ اللمعات، ج2 ص48)

جب حضور ﷺ کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنی ذاتی ملکیت میں کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں تو ایسی صورت میں وراثت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لئے کہ وراثت اس چیز میں جاری ہوتی ہے

جو مورث کی ملکیت ہو اور سرکار اقدس ﷺ نے ایسا کوئی مال چھوڑا ہی نہیں، اور ازواج مطہرات جو اپنے حجروں کی مالک ہوئیں تو وہ بطور میراث ان کو نہیں ملے تھے بلکہ حضور ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں ایک ایک حجرہ بنوا کر ان کو ہبہ کر دیا تھا اور اس زمانہ میں ان لوگوں نے اپنے اپنے حجروں پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور ہبہ جب قبضہ کے ساتھ ہو تو ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، جیسے کہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لئے بھی گھر بنوا کر ان کے قبضہ میں دے دیا تھا جو ان کی ملکیت تھا، اور پھر فدک مال فے سے تھا، اسی لئے محدثین کرام فدک کی حدیث کو باب الفی میں لائے ہیں اور فے کسی کی ملکیت نہیں ہوتا، اس کے مصارف کو خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود بیان فرمایا ہے: جو فے دلایا اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول کی ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

(پارہ 28، ع4)

اور (مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج4 ص313) پر مغرب سے ہے: فے کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے۔

اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری تحریر فرماتے ہیں: فے کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے، اس میں خمس و تقسیم نہیں ہے اور اس کی تولیت حضور ﷺ کے لیے ہے

(اشعۃ اللمعات ج3، ص446)

معلوم ہوا مال فے وقف ہوتا ہے، کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اس لئے حضور ﷺ فدک کی آمدنی کو قرآن کی تصریح کے مطابق اپنی ذات پر، ازواج مطہرات اور بنی ہاشم پر، غریبوں مسکینوں اور مسافروں پر خرچ فرما دیتے تھے جو اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ فدک کسی کی ملکیت نہیں تھا بلکہ وقف تھا اور مال وقف میں میراث جاری ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

## انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ السلام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے:

اگر فدک کو حضور ﷺ کی ملکیت مان بھی لی جائے پھر بھی اس میں وراثت نہیں جاری ہو گی بلکہ وہ صدقہ ہے، جیسا کہ (بخاری و مسلم) میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم (گروہ انبیا) کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔



اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضور ﷺ کے وصال فرما جانے کے بعد ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی کے ذریعہ حضور ﷺ کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروائیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا حضور ﷺ نے نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔(مسلم شریف، ج2ص 91)

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات کو یہ حدیث شریف سنائی تو انہوں نے میراث طلب کرنے کا ارادہ ختم کر دیا۔اور حضرت عمرو بن الحارث م جو جویریہ زوجہ نبی سلام کے بھائی تھے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے وصال کے وقت درہم و دینار اور غلام و باندی کچھ نہیں چھوڑا، مگر ایک سفید خچر، اپنا ہتھیار اور کچھ زمین جس کو حضور ﷺ نے صدقہ کر دیا تھا۔(رواہ البخاری مشکوۃ، ص 55)

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے وارث ایک دینار بھی تقسیم نہیں کریں گے میں جو کچھ چھوڑ جاؤں میری ازواج کے مصارف اور عاملوں کا خرچ نکالنے کے بعد جو بچے وہ صدقہ ہے۔(مشکوۃ شریف، ص 55)

اور (بخاری و مسلم) میں حضرت مالک بن اوس سے مروی ہے کہ مجمع صحابہ جن میں حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام اور

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ موجود تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب کو قسم دے کر فرمایا: کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے؟ توسب نے اقرار کیا کہ ہاں، حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو خدائے تعالی کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے؟ توان لوگوں نے کہا: بے شک حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے، پھر وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں آپ دونوں کو خدائے پاک کی قسم دیتا ہوں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے؟ توان لوگوں نے بھی کہا کہ ہاں، حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے۔ (بخاری، ج2ص575)(مسلم، ج2ص90)

ان احادیث کریمہ کے صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت کا زمانہ آیا اور حضور ﷺ کا ترکہ خیبر اور فدک وغیرہ ان کے قبضہ میں ہوا اور پھر ان کے بعد حسنین کریمین وغیرہ کے اختیار میں رہا مگر ان میں سے کسی نے ازواج مطہرات، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو باغ فدک وغیرہ سے حصہ نہ دیا، لہذا ماننا پڑے گا کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی ورنہ یہ تمام بزرگوار جو رافضیوں کے نزدیک معصوم اور اہل سنت کے نزدیک محفوظ ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ازواج مطہرات کی حق تلفی جائز نہ رکھتے۔

ان تمام شواہد سے خوب واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام کے ترکہ میں دراثت نہیں جاری ہوتی، اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو باغ فدک نہیں دیا، نہ کہ بغض وعداوت کے سبب جیسا کہ رافضیوں کا الزام ہے، اس لئے کہ اگر حضرت سیدہ سلام اللہ

علیہا سے ان کو دشمنی تھی تو ازواج مطہرات کو حضور ﷺ کے ترکہ سے حصہ پہنچتا تو ان سے اوران کے باپ بھائی وغیرہ متعلقین سے کیا عداوت تھی کہ ان سب کو محروم المیراث کر دیا جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ ان کی صاحبزادی بھی ازواج مطہرات میں سے تھیں، بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ابتدائے خلافت سے مشیر ورفیق تھے جن کو تقریبا نصف ترکہ ملتا وہ کس دشمنی کے سبب وراثت سے محروم ہوئے؟ لہذا ماننا پڑے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد رسول ﷺ کے سبب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو فدک نہ دیا کہ حدیث پر عمل کرنا ان پر لازم تھا۔ اس لئے کہ کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو خوش کرنے کے لئے انہیں حدیث کو پس پشت ڈال دینا چاہیے تھا اور ارشاد رسول ﷺ پر انہیں عمل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث رسول ﷺ پر عمل کیا تو ان پر الزام کیا ہے جبکہ یہ روایت کہ حضرات انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے رافضیوں کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت ہے۔

جیسا کہ (اصول کافی باب العلم والمتعلم) میں ہے: ابو عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علمائے دین انبیائے کرام کے وارث ہیں، اس لئے کہ انبیائے کرام کسی شخص کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے، تو جس شخص نے علم دین حاصل کیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔

اور اسی کتاب (اصول کافی کے باب صفتہ العلم) میں ہے: حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علمائے کرام انبیائے عظام کے وارث ہیں اور یہ اس لئے کہ حضرات انبیائے کرام نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا،

انہوں نے تو صرف اپنی باتوں کا وارث بنایا، تو جس شخص نے ان کی باتوں کو حاصل کر لیا اس

نے بہت کچھ حاصل کیا۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ جو رافضیوں کے نزدیک معصوم ہیں اور اہل سنت کے نزدیک محفوظ ہیں ان کی روایتوں سے بھی ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی میراث صرف علم شریعت ہی ہے وہ درہم و دینار اور مال واسباب کا کسی کو وارث نہیں بناتے اور جب یہ بات رافضیوں کی روایات سے بھی ثابت ہے تو پھر سید الانبیا کی میراث تقسیم نہ کرنے کے سبب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر فدک کے غصب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور یہیں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ "وورث سلیمان داؤد" وغیرہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی انبیائے کرام کی وراثت کا ذکر ہے اس سے علم شریعت و نبوت مراد ہے نہ کہ درہم و دینار۔

اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کے ترکہ میں میراث نہ جاری ہوتی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضور کی تلوار، زرہ اور دلدل وغیرہ کیوں دیتے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضور ﷺ کی تلوار وغیرہ کا دینا ہی اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کے ترکہ میں میراث نہیں، اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور ﷺ کے وارث نہ تھے، اگر حضور ﷺ کے ترکہ کے وارث ہوتے تو صرف فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، ازواج مطہرات اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہوتے نہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مگر چونکہ حضور ﷺ کا مال وفات کے بعد عامہ مسلمین کے لئے وقف کا حکم رکھتا ہے اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو زیادہ لائق سمجھا تو ان کے لئے مخصوص کر دیا اور بعض چیزیں حضرت زبیر بن العوام اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو بھی دیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کے ترکہ میں میراث نہیں۔

## حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو نہیں ستایا:

بے شک جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے حضور کو ستایا اور جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے حضور ﷺ کو ایذا دی۔ اس مضمون کی حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں: سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے تو جو شخص اس کو غضب میں لایا مجھ کو غضب میں لایا۔



اور ایک روایت میں ہے: مجھ کو اضطراب میں ڈالتی ہے جو چیز فاطمہ کو اضطراب میں ڈالتی ہے اور مجھ کو تکلیف دیتی ہے جو چیز اس کو تکلیف دیتی ہے۔ (بخاری، مسلم مشکوۃ 568)

یہ حدیث شریف حق ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ سمجھنا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ستایا، یہ غلط ہے۔ ستانے کا مفہوم کیا ہے؟ جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے وہ حدیث شریف سنائی کہ جس کی تصدیق بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی کرتے ہیں تو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا خاموش ہو گئیں۔ کیا حدیث سنانا اور اس پر عمل کرنا سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ستانا ہے؟ کون مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث پر عمل کر کے مجھ کو ستایا گیا اور جب عام مسلمانوں کو حدیث رسول ﷺ پر عمل کرنے سے تکلیف نہیں پہنچ سکتی تو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جو حضور ﷺ کی لخت جگر اور نور نظر ہیں ان کو حضور ﷺ کی حدیث پر عمل کرنے سے کیوں کر تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو حدیث رسول ﷺ پر عمل کرنے کے سبب تکلیف پہنچی جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو خود حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا پر الزام آتا ہے کہ ان کو حدیث رسول ﷺ سے تکلیف پہنچی اور یہ بات سیدہ سلام اللہ علیہا کی ذات سے ناممکن ہے۔

ہاں، (بخاری شریف) کی بعض روایتوں میں حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اور حضرت ابو بکر رضی

اللہ عنہ کے سوال وجواب کو نقل کرنے کے بعد حدیث کے راوی نے اپنے خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے:

پس حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ناراض ہو گئیں اور انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حضور ﷺ کے بعد چھ ماہ باحیات رہیں۔



یہاں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہ الفاظ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زبان سے نہیں نکلے ہیں، بلکہ یہ حدیث کے راوی کا اپنا ذاتی خیال ہے جس کو انہوں نے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شکایت کسی روایت میں حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زبان سے ثابت نہیں ہے، نہ کوئی حدیث کا راوی یہ کہتا ہے کہ ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شکایت جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے سنی ہے اور چونکہ ناراضگی دل کا فعل ہے، اس لئے جب تک اس کو زبان سے ظاہر نہ کیا جائے دوسرے شخص کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی، البتہ آثار وقرائن سے دوسرے لوگ قیاس کر سکتے ہیں مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو جانے کا بہت امکان ہے، جیسے کہ ایک بار بہت سے صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی خلوت نشینی سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے، مگر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ طلاق نہیں دی ہے۔ اس طرح فدک کے معاملہ میں بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی خاموشی اور ترک کلام سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ناراض ہیں حالانکہ یہ بات نہیں کہ ناراضگی ہی ترک کلام کا سبب ہو بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے والد گرامی کی حدیث سن کر وہ مطمئن ہو گئی ہوں، اس لئے پھر کبھی انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فدک کے معاملہ میں گفتگو نہیں کی۔ اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے ناراض نہ ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ وہ برابر حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ سے گھر کے سارے اخراجات لیتی تھیں اور ان کی بیوی اسما بنت عمیس حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی تیمار داری کرتی تھیں، اگر واقعی حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ناراض ہوتیں تو ان کی اور ان کی بیوی کی خدمات وہ ہر گز قبول نہ فرماتیں۔

اور پھر حضور ﷺ نے یہ فرمایا: یعنی جو شخص اپنے قول یا فعل سے قصداً فاطمہ کو غضب میں لائے اس کے لیے وعید ہے۔

اس لئے کہ اغضاب کے معنی یہی ہیں اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا غضب میں لانے اور ایذا پہنچانے کا قصد ہر گز نہیں کیا، بلکہ وہ بار بامقام عذر میں فرماتے رہے: قسم ہے خدا کی اے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی! مجھے اپنی قرابت سے حضور ﷺ کی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی زیادہ محبوب ہے۔

اور اگر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا غضب میں ہونا بہ مقتضائے بشریت مان بھی لیا جائے تو یہ ان کا اپنا فعل ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر کوئی الزام نہیں اس لئے کہ اغضاب یعنی قصداً غضب میں لانے پر وعید ہے نہ کہ غضب پر۔

ہاں، اگر اس لفظ کے ساتھ وعید ہوتی کہ "یعنی جس پر فاطمہ سلام اللہ علیہا غصہ ہوں گی تو اس پر میں غصہ ہوں گا" تو اس صورت میں البتہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا۔ مگر اس طرح کے الزام سے پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی نہیں بچ سکتے۔ اس لئے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا بارہا ان پر غصہ ہوئی ہیں، جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب (جلاء العیون ص 186) پر ہے: ایک بار حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ناراض ہوئیں تو حسن و حسین اور ام کلثوم کو لے کر اپنے میکہ چلی گئیں۔

بلکہ بعض مرتبہ اس قدر غصہ ہوتی تھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو سخت وست بھی کہہ دیا کرتی تھیں، جیسا کہ رافضی مذہب کی مشہور کتاب (حق الیقین کے ص 233) پر ہے کہ

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ناراض ہو کر یہ جملہ کہہ دیا: (حمل کے بچہ کی طرح ماں کے پیٹ میں چھپ گئے اور نامرادوں کی طرح گھر میں بیٹھ گئے) (نعوذ باللہ)

خلاصہ یہ ہے کہ رافضی اور سنی دونوں کی معتبر کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس سے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر ناراض ہونا ثابت ہوتا ہے، لیکن اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ان کی ناراضگی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے وقتی اور عارضی ہوتی تھی، پھر اس کے بعد آپ راضی بھی ہو جاتی تھیں، تو ہم کہتے ہیں: اول تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زبان سے ناراض ہونا ہی ثابت نہیں، اور اگر حدیث شریف کے راوی کے خیال کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ ناراضگی بھی عارضی اور وقتی تھی، جیسا کہ رافضی اور سنی دونوں کی روایتوں سے ثابت ہے کہ مطالبہ فدک کے بعد حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بولنا چھوڑ دیا، تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنا سفارشی بنایا، یہاں تک کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا آپ سے راضی ہو گئیں، جیسا کہ سنیوں کی کتاب (مدارج النبوۃ، کتاب الوفا، بیہقی اور شروح مشکوۃ) میں یہ روایت موجود ہے، بلکہ محدث کبیر حضرت شیخ عبد الحق دہلوی بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مطالبہ فدک کے بعد حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے گھر گئے اور دھوپ میں ان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ان سے راضی ہو گئیں۔

اور رافضیوں کی کتاب (محجاج السالکین) میں ہے:

بے شک جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا مجھ سے تنگ دل ہو گئیں اور چھوڑ دیا اور فدک کے بارے میں بات کرنا ترک کر دیا تو یہ ان پر بہت گراں ہوا انہوں نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو راضی کرنا چاہا تو ان کے پاس گئے اور کہا: اے رسول ﷺ کی

صاحبزادی! آپ نے جو کچھ دعوی کیا تھا سچا تھا، لیکن میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ وہ فدک کی آمدنی کو فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے، اس میں سے آپ کو اور فدک میں کام کرنے والوں کو دیتے تھے تو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے کہا کہ کرو جیسا کہ میرے باپ رسول خدا ﷺ کرتے تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے خدا کی میں آپ کے واسطے وہ کام کروں گا جو آپ کے والد گرامی کرتے تھے تو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے کہا قسم ہے خدا کی آپ ضرور ویسا ہی کریں گے، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم میں ضرور کروں گا۔ تو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے کہا: اے خدا! تو گواہ ہے پھر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا راضی ہو گئیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عہد لیا اور وہ فدک کی آمدنی سے پہلے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو دیتے تھے پھر باقی فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے۔

## حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناراض نہیں تھیں:

رافضی لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے وصیت کر دی تھی کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں، اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو رات ہی میں دفن کر دیا، جس سے معلوم ہوا کہ سیدہ سلام اللہ علیہا ان سے راضی نہیں ہوئی تھیں اور ان لوگوں کے مابین صلح صفائی نہیں ہوئی تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کی معتبر کتابوں سے یہ ہر گز ثابت نہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے یہ وصیت کی تھی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ یہ رافضیوں کا افتراء و بہتان ہے، اس لئے کہ وہ ایسی وصیت کیسے کر سکتی تھیں جبکہ نماز جنازہ پڑھانے کا حق بحیثیت امیر المومنین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو تھا، اس لئے امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے حاکم مروان بن حکم کو (اور ایک روایت کے مطابق سعید بن عاص کو) حضرت امام

حسن رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھانے سے نہیں روکا اور فرمایا کہ اگر شریعت کا حکم ایسا نہ ہوتا تو میں جنازہ کی نماز تمہیں نہ پڑھانے دیتا۔(اشعۃ اللمعات، ج3 ص454)

اور جب نماز جنازہ پڑھانے کا حق خلیفہ المسلمین ہی کو تھا تو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کسی کی حق تلفی کی وصیت ہر گز نہیں کر سکتیں۔



معلوم ہوا کہ اس قسم کی وصیت کی نسبت حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی جانب غلط ہے، البتہ انہوں نے مرض الموت میں یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد مجھے بے پردہ مردوں کے سامنے نہ نکالیں، اس لئے کہ اس زمانہ میں یہ رسم تھی کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی بے پردہ نکالتے تھے۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیوی اسما بنت عمیس نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے جنازہ کے لئے لکڑیوں کا ایک گہوارہ بنایا جس کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئیں، لہذا ان کی وصیت انتہائی شرم وحیا کے سبب سے تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے خاص بھی بلکہ عام تھی، اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو رات ہی میں دفن کر دیا۔ اور سیدہ سلام اللہ علیہا کے جنازہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شریک نہ ہونا بخاری یا صحاح کی کسی روایت سے ثابت نہیں بلکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے پڑھائی، جیسا کہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام نخعی سے دو روایتیں مروی ہیں: حضرت امام شعبی اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نماز جنازہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

اور اگر جنازہ میں شریک نہ ہونا مان بھی لیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لئے کسی کو نہ بھیجا ہو، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سمجھا ہو کہ اس میں کوئی مصلحت ہے، اس لئے شریک نہ ہوئے ہوں۔

اور حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ انتظار میں رہے ہوں کہ ان کو بلایا جائے گا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ خود آئیں گے اور رات کا وقت تھا، اس لئے ان کی شرکت کے بغیر تجہیز و تکفین کر دی گئی۔



اور اگر رافضی کسی بات کو نہ مانیں اور جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی وصیت ہی کو ٹھہرائیں تو پھر ان کے پاس اس کا کیا جواب ہو گا کہ سیدہ سلام اللہ علیہا کی نماز جنازہ صرف سات آدمیوں نے پڑھی، جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب (جلاءالعیون) میں کلینی سے روایت ہے کہ: امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صرف سات آدمیوں نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نماز جنازہ پڑھی؛ ابوذر، سلمان، عمار، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود، مقداد اور میں ان کا امام تھا۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صرف سات آدمیوں نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی نماز جنازہ پڑھی اور مندرجہ ذیل حضرات ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ۔ حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ۔

یہ تیرہ حضرات جن کو رافضی بھی مانتے ہیں اور یہ لوگ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے، ان کے بارے میں وہ کیا کہیں گے؟ کیا حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ان سے بھی ناراض تھیں؟ کیا انہوں

نے یہ بھی وصیت کردی تھی میرے جنازہ میں امام حسن وامام حسین بھی شریک نہ ہوں جوان کے لاڈلے اور چہیتے بیٹے تھے؟ لہذا ماننا پڑے گا کہ جنازہ میں شریک ہونے نہ ہونے کو رضامندی یا ناراضگی کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے، ورنہ حضرات حسنین کریمین کے بارے میں بھی کہنا پڑے گا کہ ان حضرات سے سیدہ سلام اللہ علیہا ناراض تھیں اور جنازہ میں شریک نہ ہونے کے لئے وصیت کر گئی تھیں۔



توثابت ہوا کہ اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی، تو اس کو آپ سے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی ناراضگی کی دلیل ٹھہرانا غلط ہے۔

**حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو اپنی پوری جائداد پیش کی:**

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت التجا کے ساتھ اپنی پوری جائیداد حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو پیش کی جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب (حق الیقین) میں ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا فاطمہ زہرا نے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حدیث رسول ﷺ سنانے کے بعد بہت معذرت کی اور کہا کہ میرے جملہ اموال واحوال میں آپ کو اختیار ہے، آپ جو چاہیں بلا روک ٹوک لے سکتی ہیں، آپ حضور ﷺ کی امت کی سردار ہیں اور آپ کے فرزندوں کے لیے شجرہ مبارکہ میں آپ کی فضیلت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور آپ کا حکم میرے تمام مالوں میں نافذ ہے لیکن مسلمانوں کے مالوں میں آپ کے والد ماجد سید عالم ﷺ کے فرمان کی مخالفت میں نہیں کر سکتا۔(حق الیقین، ملا مجلسی، 231)

رافضیوں کی اس مذہبی کتاب سے خوب واضح ہو گیا کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بہت محترم تھیں، وہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی بہت عزت کرتے تھے، ہرگز ہرگز ان کے دل میں حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے کوئی بغض وعناد نہ تھا، صرف حدیث رسول ﷺ کے سبب فدک ان کے حوالہ نہ کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دامن ہر طرح کے الزام سے پاک ہے، اور ان پر باغ فدک کے غصب اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی دشمنی کا الزام لگانا سراسر غلط ہے۔



اس مفصل جواب کا مقصد بحث و مناظرہ نہیں ہے، بلکہ اپنے مسلک کی وضاحت اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی واجب الاحترام ہستی پر جو طعن کیا جاتا ہے اس سے مدافعت مقصود ہے۔ خدائے تعالی سب کو حق بات قبول کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

## 11۔ خطائے اجتہادی صفتِ مدح ہے، صفتِ عیب نہیں:

### نسبت خطائے اجتہادی اور صحابہ کرام

اجتہاد وہ لوگ کرتے ہیں جو اس کے اہل ہوں صحابہ کرام کی جماعت میں کثیر تعداد ان حضرات کی تھی جو اجتہاد کے درجہ پر فائز تھے اور وہ بوقت ضرورت اجتہاد فرماتے تھے جو صحابہ کرام اجتہاد کے درجہ کو نہیں پہنچے تھے وہ تقلید فرماتے تھے۔

اجتہاد کرنے والا اپنے اجتہاد میں کبھی درستگی پر پہنچتا ہے اور کبھی خطا بھی واقع ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی عیب بھی نہیں ہے لہذا یہاں پر کچھ ایسی ہی مثالیں پیش کی جاتی ہیں کہ جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم کی جانب خطائے اجتہادی کی نسبت کی گئی ہے۔

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ممبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا خبردار ا تم میں سے کوئی بھی اپنی عورتوں کے مہروں میں زیادتی نہ کرے۔ تو ایک عورت کھڑی ہوئی اور کہا: اے ابن خطاب! اللہ تعالی ہمیں عطا فرماتا ہے اور تم منع کرتے ہو، اس آیت کو تلاوت کیا اور حضرت عمر نے فرمایا: لوگوں میں سے ہر ایک عمر سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتا ہے، اور مہر میں زیادتی کی کراہت سے رجوع فرمالیا۔

(تفسیر الرازی، ج10، ص13، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1420ھ)

ترجمہ: حضرت عمر نے فرمایا: عورت درستگی کو پہنچی اور عمر نے خطا کی۔

(تفسیر القرطبی، ج5، ص99، دار الکتب المصریہ، القاہرہ 1384ھ)

اور دوسری روایت میں یوں ہے:

ترجمہ: عورت درستگی کو پہنچی اور آدمی نے خطا کی۔ (ایضاً)

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ذکر فرمایا: ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آکر عرض کیا: میں اپنی بیوی

سے دو سال تک غائب رہا اس کے بعد اب آیا ہوں اور وہ حاملہ ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آپ کو مواخذہ اس عورت پر ہو بھی لیکن اس پر نہیں ہے جو اس کے پیٹ میں ہے تو آپ اس کو وضع حمل تک چھوڑ دیں۔ اس عورت کو چھوڑ دیا گیا، تو اس نے ایک بچے کو جنا جس کے سامنے کے دانت نکل آئے تھے، اس آدمی نے اس کو خود کے مشابہ پایا اور کہا: رب کعبہ کی قسم یہ میرا بیٹا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ترجمہ: دنیا کی تمام عورتیں معاذ کے مثل بچہ جننے سے عاجز ہیں (حضرت معاذ جیسا کوئی نہیں) اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

(السنن الکبری للبیھقی، باب ماجاء فی اکثر الحمل، ج 7، ص 29، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ایسے ہی ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا:

اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

(فیض القدیر، حرف العین، ج 4، ص 356، المکتبہ التجاریہ الکبری، مصر، 1356ھ)

تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی قدس سرہ رقم طراز ہیں:

خاتم الخلفاء الراشدین حضرت امیر المؤمنین (علی رضی اللہ تعالی عنہ) کے محاربین کے تین گروہ تھے جو کہ اس فتنے میں شامل تھے ان میں سے کسی بھی گروہ کو کافر نہیں کہا جا سکتا، بہر حال ان تین گروہوں میں فرق یہ ہے کہ جنگ جمل کے محاربین کے سربراہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہما تھے جو کہ عشرہ مبشرہ سے ہیں اور حضور ﷺ کی زوجہ محبوبہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا تھیں، ان کی غرض جب جدال و قتال نہ تھی بلکہ مسلمانوں کے حال کی اصلاح پیش نظر تھی لیکن اچانک جنگ چھڑ گئی۔ ان تینوں حضرات کا رجوع معتمد روایات سے ثابت ہے باوجود اس کے کہ خطائے اجتہادی ایک ثواب کی مستوجب ہے، پھر بھی ان حضرات

نے رجوع کیا۔
(صحیح العقیدہ فی باب امیر المعاویہ (اختلاف علی و معاویہ) ص 11، آل انڈیا اعلی حضرت تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں شریف، 1998)
اعلی حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں:
جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خطائے اجتہادی سے رجوع فرما کر دست حق پرست حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر تجدید بیعت چاہی ظالم کے ہاتھ سے زخمی ہو چکے تھے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ تک وصول کی طاقت نہ تھی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا ایک سپاہی گزرا اسے بلا کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ پر تجدید بیعت فرمائی اور روح اقدس جوار اقدس رحمت الہی میں پہنچی۔ (فتاوی رضویہ مترجم، ج21، ص493، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)
حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتی ہیں کہ وہ جھوٹے نہیں ہیں لیکن ان سے یا تو بھول ہوئی یا خطا ہوئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:
ترجمہ: عمرہ بنت عبد الرحمن روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے ہوئے سنا جب آپ کے پاس ذکر کیا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں: زندوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالی ابو عبد الرحمن کو معاف فرمائے وہ جھوٹے نہیں ہیں لیکن یا تو ان سے بھول ہو گئی یا خطا ہو گئی۔
(صحیح مسلم، باب المیت یعذب ببکاء أهله علیه، ج2، ص653، دار احیاء التراث العربی)
صاحب روح البیان نے صحابی رسول حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی جانب (خطا) کی نسبت فرمائی: ترجمہ: آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ بیشک مجتہد سے بھی خطا ہو جاتی ہے جیسا کہ

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔
(تفسیر روح البیان، ج2، ص264، دار الفکر بیروت 1127ھ)
محب رسول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی قدس سرہ [1319ھ) فرماتے ہیں:
جنگ صفین کے محاربین کے سربراہ حضرت معاویہ اور عمر بن عاص میں یہ دونوں حضرات بھی صحابہ کرام میں سے ہیں یہ بھی اشتباہ میں پڑے اور اپنی غلطی سے بار بار قتل و قتال پر اصرار کرتے رہے اس گروہ نے بھی خطا اجتہاد کی وجہ سے کی لیکن ان کی خط واجب الانکار ہے۔
( صحیح العقیدہ فی باب امیر المعاویہ (اختلاف علی و معاویہ) ص12، آل انڈیا علی حضرت تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف 1998ء)
ابو عبد الرحمن قرشی فریہاری ملتانی (1239ھ) تحریر فرماتے ہیں:
ترجمہ: جنگ کے معاملے میں چاروں صحابہ کرام اپنے اجتہاد میں خطا پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد مصیب تھے۔
(النہایہ عن طعن امیر المومنین معاویہ، ص7 مکتبہ الحقیقہ، ترکیا، 2004ء)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے دوسرے خلیفہ راشد ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے افضل ہیں بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے بلند رتبہ رکھتے ہیں اس کے باوجود متعدد مواقع پر خطائے اجتہادی کے سبب ان کے بلند و بالا مرتبہ پر کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ حق ظاہر ہونے کے بعد آپ نے بے دریغ کھلے لفظوں میں رجوع فرمالیا۔
علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
ترجمہ: معصوم ہونا یہ انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہے اور ان کے علاوہ سے کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ (راس الملھمین) ہیں اس کے باوجود بھی آپ نے (اجتہاد) سے ایسی

رائے قائم کی کہ صحابہ کرام نے ان کو اس کے خلاف پر مطلع فرمایا اور آپ نے اپنی رائے کو چھوڑ کر رجوع فرمالیا۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج 11، ص 345، دار المعرفہ بیروت، 1379ھ)



خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد سب سے بلند رتبہ باقی عشرہ مبشرہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم کا ہے ان حضرات میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے خطائے اجتہادی کا وقوع ہوا جیسا کہ گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محبوبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صداقت و پاک دامنی کا ذکر خدائے تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا ان سے بھی وقوع خطائے اجتہادی کا ذکر گزرا، اور ان تینوں حضرات کا رجوع بھی معتمد روایات سے ثابت ہے۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر، ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ و دیگر ازواج مطہرات اور اس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جانب خطائے اجتہادی کی نسبت کی گئی ہے لیکن ایسی نسبت کرنے والے علمائے کرام کو معاذ اللہ کافر و گمراہ اور ان نفوس قدسیہ کی بارگاہ کا گستاخ اور بے ادب نہیں کہا گیا کیوں کہ خطائے اجتہادی مجتہدین سے ہوتی ہے اور اجتہاد ایک بہت عظیم کام ہے جس کی اجازت بھی صرف ان شخصیات کو ہوتی ہے جو مثالی علم اور دیگر شرائط کے جامع ہوتے ہیں اور خطائے اجتہادی کی صورت میں بھی وہ ثواب کے حق دار بنتے ہیں۔

اگر معاذ اللہ خطائے اجتہادی کی نسبت اہل بیت اطہار کی جانب کرنا گستاخی و بے ادبی اور گمراہی ہوتی تو ایسی نسبت خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور ازواج مطہرات کی جانب بھی گستاخی و گمراہی قرار پاتی اور جب یہ نسبت ان نفوس قدسیہ کی بارگاہ میں گستاخی و بے ادبی ہوتی تو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی بارگاہ ذی جاہ میں بدرجہ اولی گستاخی و بے ادبی اور کفر قرار دی جاتی حالانکہ

ایسا نہیں ہے ورنہ تو نہ جانے خلف و سلف میں سے کتنوں پر معاذ اللہ حکم کفر اور گمراہی عائد ہو گا۔

اب اگر خطائے اجتہادی کی نسبت کو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام، خلفائے راشدین، ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ کرام کی بارگاہ میں گستاخی قرار نہ دیا جائے اور

خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی جانب منسوب کرنے کو گستاخی قرار دے دیا جائے تو یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ان کو معاذ اللہ ان تمام نفوس قدسیہ سے افضل واولی ثابت کر دیا جائے کہ معاذ اللہ خطائے اجتہادی ایک ایسا نقص ہے کہ جس سے یہ نفوس قدسیہ محفوظ نہ رہ سکے اور حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا ایسی محفوظ ہیں کہ ان کی طرف اس کی نسبت بھی گستاخی ہے۔



## حضرت خاتون جنت کی جانب خطائے اجتہادی کی نسبت کا حکم:

حضور سرور کائنات ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد خیر البشر بعد الانبیا امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے فدک کا مطالبہ کیا لیکن جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث شریف پیش فرمائی تو آپ نے اس کا مطالبہ ترک فرما دیا۔

اب باغ فدک کو طلب کرنے کے سبب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جانب خطائے اجتہادی کی نسبت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

مسلمانوں کے لیے دونوں شخصیات قابل احترام ہیں معاذ اللہ کسی ایک سے بھی بغض و عداوت شقاوت اور گمراہی ہے بلکہ بعض صورتوں میں کفر کا سبب ہے۔ دونوں میں سے کسی کی جانب بھی خطائے اجتہادی کی نسبت ہی نہ کی جائے بلکہ دونوں کو ہی حق پر مان لیا جائے تو یہ واقع کے خلاف ہے کیوں کہ موضع اختلاف میں خدائے تبارک و تعالی کے نزدیک صرف ایک حق پر ہوتا ہے اور دوسرا خطا پر لیکن خدائے تعالی کی رحمت سے وہ مجتہد بھی ایک اجر کا حق دار ہوتا ہے جس نے

درست حکم تک پہنچنے میں خطا کی ہے اس کے متعلق چند اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

(بنایہ، تبیین الحقائق، بدائع الصنائع، مبسوط سرخسی، توضیح اور حضرت امام ابن ہمام کمال الدین محمد [م 861ھ] کی فتح القدیر) میں ہے:

ترجمہ: ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اور حق اللہ تعالی کے نزدیک ایک ہوتا ہے۔

(فتح القدیر، ج 7، ص 347، دار الفکر، بیروت)

ابو العباس شہاب الدین احمد قسطلانی قتیبی مصری [م 923ھ] (شرح صحیح بخاری) میں تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ حق عند اللہ ایک ہوتا ہے، ہر واقعہ میں عند اللہ ایک حکم متعین ہوتا ہے جس نے اس کو پالیا وہ درستی کو پہنچ گیا جو نہیں پاسکا اس نے خطا کی۔

(شرح القسطلانی، ج 10، ص 343، المطبعہ الکبری الأمیریہ، مصر 1323ھ)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب (المنار) کی شرح میں ملا احمد جیون حنفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (1130ھ) تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: مجتہد صحیح فیصلہ بھی کرتا ہے اور غلط بھی، اگرچہ نفس الامر میں مطابق واقعہ ایک ہی ہوگا

(نور الانوار، مبحث الاجتہاد، ص 251)

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ دونوں میں سے کوئی ایک ہی واقع میں مصیب ہوگا، جس نے اس حکم کو پالیا ہوگا جو عند اللہ حق ہے اور دوسرے سے دلیل میں خفا کے سبب خطا ہوئی ہوگی۔

## حضرت صدیق اکبر کے موقف کی صحت پر اجماع:

گذشتہ باتیں ٹھیک سے پڑھنے کے بعد اب غور کیجیے کہ اگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے موقف کو اس معاملہ میں حق پر مانا جائے تو خلیفہ راشد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ضرور یہ ماننا پڑے گا کہ آپ سے اپنے موقف میں خطائے اجتہادی ہوئی حالانکہ

معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس معاملہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق پر ہونے کو تمام صحابہ کرام، حضرت علی اور خود حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ علیہم اجمعین نے قبول فرمایا جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے:

ترجمہ: حضرت فاطمہ پر سلامتی ہو بیشک وہ اس مباحثہ کے بعد حضرت صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موقف کی صحت پر اجماع منعقد ہو گیا۔

(تفسیر الرازی، ج9، ص514، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1420ھ)

اسی وجہ سے حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے حدیث پر واقفیت حاصل ہو جانے کے بعد مطالبہ بھی چھوڑ دیا اور کبھی اس کے متعلق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کلام بھی نہیں فرمایا۔

بعض لوگوں نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی جانب سے مطالبہ فدک کو اجتہاد پر محمول کرنے سے ہی انکار کر دیا ہے کہ جب اجتہاد ہی نہیں مانیں گے تو خطائے اجتہادی کیسے ہو گی اس سے متعلق علمائے کرام کے مختلف اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن کثیر قرشی بصری ثم دمشقی (م774ھ) کو تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور وہ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) انسانوں میں سے ہی ایک عورت ہیں دوسروں کی طرح افسوس بھی کرتی ہیں اور آپ واجب العصمۃ (معصوم) نہیں جب کہ ان کے خلاف نص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موجود ہے۔

(البدیہ والنہایہ، ج5، ص289، دار الفکر، بیروت، 1407ھ)

اس میں ہے: ترجمہ: اور ان (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کو اس نص پر اطلاع نہیں تھی جو انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہے کہ ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جب یہ نص مختص ان تک پہنچی تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ ان کے شوہر کو اس صدقہ کی دیکھ

بھال کرنے والا مقرر کر دیا جائے آپ نے منع فرما دیا۔

(البدیہ والنہایہ، ج 7، ص 225، دار الفکر، بیروت، 1407ھ)

اسی میں ہے: ترجمہ: ہم نے روایت کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے قیاس اور آیت کریمہ کے عموم سے استدلال فرمایا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نص کے ذریعہ جواب دیا کہ حضور ﷺ کے ساتھ یہاں پر منع خاص ہے۔

(البدیہ والنہایہ، ج 5، ص 289، دار الفکر، بیروت، 1407ھ)

## عمومِ آیت سے استدلال:

مذکورہ دونوں عبارتوں میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) شہزادی رسول حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے عموم آیت سے استدلال فرمایا۔

(۲) شہزادي رسول حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے قیاس سے استدلال فرمایا۔

(۳) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نص مختص سے جواب دیا جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کے مال کو وارثوں میں تقسیم کرنا ممنوع ہے۔

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر پھر اگر نری لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی تو اس کا آدھا (ہے)۔

(النساء: 4، آیت: 11) (کنز الایمان)

شہزای رسول حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے نص مختص (لا نورث ما ترکنا صدقہ) پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ آیت مبارکہ کے عموم سے استدلال فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں حکم عام ہے لہذا حضور ﷺ کی وراثت بھی اس کے ضمن میں آئے گی اور

"وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ" کے اعتبار سے حضور ﷺ کی ورثہ سے نصف کی حق دار ہوں گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نص مختص (لا نورث ما ترکنا صدقہ) سے واقف تو تھیں لیکن آپ

نے سوچا کہ یہ خبر واحد ہے، اور کتاب اللہ کے حکم عام کی تخصیص خبر واحد یا قیاس سے جائز نہیں ہے اسی لیے آپ نے مطالبہ فرمایا۔

جیسا کہ علامہ ابن حجر ہیتمی سعدی [م 974ھ) فرماتے ہیں:

ترجمہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا معذور ہونا حدیث شریف میں ان کے متعلق روایت کے باوجود تو احتمال یہ کہ انہوں نے دیکھا کہ خبر واحد کے ذریعہ قرآن میں تخصیص نہیں کی جا سکتی جیسا کہ کہا گیا ہے تو اس کو منع کر کے میراث کے مطالبہ کے متعلق آپ کا معذور ہونا واضح ہو گیا تو اب کوئی اعتراض نہیں ہو گا، غور کیجیے کیوں کہ یہ بہت اہم ہے۔

(الصواعق المحرقہ علی أہل الرفض والضلال والزندقہ، ج 1، ص 94، مؤسستہ الرسالہ، لبنان، 1417ھ)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خبر واحد سے کتاب اللہ کے حکم عام پر زیادتی جائز نہیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا استدلال اس روایت سے کیوں کر درست ہوا؟

اس کا جواب قاضی ثناءاللہ مظہری پانی پتی (م 1225ھ) نے اس مضمون کے ساتھ دیا ہے

ترجمہ: بیشک حدیث اگرچہ ہماری طرف نسبت کرتے ہوئے آحاد سے ہے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے اپنے کانوں سے سنا ان کے لیے یہ متواتر سے بھی اعلی درجہ کی ہے، کیوں کہ محسوسات کا درجہ متواترات سے اوپر ہے۔

(التفسیر المظہری، ج 2، ص 44، مکتبہ الرشیدیہ الباکستان، 1412ھ)

## حدیث میراث میں صدیق اکبر کی جانب تفرد کی حقیقت:

مذکورہ اقتباس سے واضح ہو گیا کہ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ یہ حدیث تنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو اپنے کانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سنا تھا تو اب اس کا مقام صرف خبر واحد کا

نہیں بلکہ متواتر سے بھی اعلی ہو گیا کیونکہ یہ حدیث محسوسات کے قبیل سے ہوئی اور محسوسات کا مقام متواترات سے ارفع و اعلی ہے۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس روایت کو بیان کرنے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منفرد ہیں بلکہ یہ حدیث صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے جن میں آٹھ صحابہ کرام عشرہ مبشرہ سے بھی شامل ہیں اس کو سمجھنے کے لیے بخاری شریف کی ایک طویل حدیث ملاحظہ فرمائیں: ترجمہ: ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ محمد بن جبیر نے مالک بن اوس بن حدثان کی اس حدیث کا تذکرہ مجھ سے کیا تھا، پھر میں مالک بن اوس کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس حدیث کو ان سے پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے گھر والوں میں بیٹھا ہوا تھا اور دن چڑھ چکا تھا کہ حضرت عمر بن خطاب کا ایک بلانے والا میرے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنین کے یہاں چلو، اس کے ساتھ چل کر حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عمر کھجور سے بنی ہوئی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر کوئی بچھونا نہیں تھا اور چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے ان کو سلام کیا اور بیٹھ گیا، فرمایا: اے مالک تمہاری قوم کے گھر والے میرے پاس آئے تھے میں نے انہیں کچھ مال دینے کا حکم دے دیا ہے اسے لے جاؤ اور ان میں تقسیم کر دو، میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین اگر میرے علاوہ یہ کام کسی اور کے سپرد کرتے تو اچھا ہوتا، فرمایا: اے شخص اسے لے جا، میں ان کی خدمت میں بیٹھا ہی تھا کہ ان کے دربان یرفا حاضر ہوئے اور عرض کیا: عثمان، عبدالرحمن بن عوف، زبیر اور سعد بن وقاص اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں کیا آپ اجازت دیتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، دربان نے ان حضرات کو مطلع کیا، یہ لوگ اندر آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ یرفا تھوڑی ہی دیر بیٹھے ہوں گے کہ پھر حاضر ہو کر عرض کیا: کیا آپ علی اور عباس کو اندر آنے کی اجازت دیتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، یرفا نے ان حضرات کو اندر آنے کی اجازت کی خبر دی، تو یہ دونوں حضرات اندر آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ اب عباس نے کہا: اے امیر المومنین میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرمائیں، ان دونوں

حضرات کا تنازع بنی نضیر کی اس زمین کے بارے میں تھا جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بنی نضیر کے اموال میں سے (خمس کے طور پر) عطا فرمائی تھی، حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کے پورے گروہ نے کہا اے امیر المومنین ان کے درمیان تصفیہ فرمادیں اور ایک کو دوسرے سے راحت میں کردیں، اب حضرت عمر نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ٹھہرو، میں تم لوگوں کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ (ہم سے) رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات مراد لی تھی۔ سب نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں آپ دونوں صاحبان کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ لوگ یہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ فرمایا ہے؟ ان دونوں حضرات نے اقرار کیا کہ ہاں وہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا: میں اس معاملہ کو آپ لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہوں، بیشک اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اس مال غنیمت میں کچھ ایسا خاص فرمادیا تھا کہ ان کے علاوہ کسی کو نہیں عطا فرمایا، پھر انہوں نے سورہ حشر کی یہ آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ سے قَدِيْرٌ (6) تک تلاوت فرمائی۔

اس آیت کی روشنی میں یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص رہا اور واللہ حضور ﷺ نے تمہارے علاوہ کسی کو اس میں سے کچھ نہیں دیا تمہیں لوگوں کو عطا فرمایا، تم میں بانٹا، یہاں تک کہ اس میں سے یہ مال بچا، رسول اللہ ﷺ اس مال غنیمت میں سے اپنے اہل کے سال بھر کا نفقہ نکال دیتے، پھر جو بچتا اسے خالص اللہ کے مال کی جگہ صرف فرماتے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات ظاہری بھر اسی پر عمل فرمایا۔

میں آپ لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ لوگ اسے جانتے ہو؟ ان سب نے کہا ہاں ہم جانتے ہیں۔ پھر حضرت علی اور حضرت عباس سے فرمایا: میں آپ لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں

کیا آپ لوگ بھی یہ جانتے ہیں؟ (توان دونوں حضرات نے کہاہاں ہم لوگ بھی جانتے ہیں)

حضرت عمر نے فرمایا: پھر اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے یہاں اٹھالیا تو حضرت ابو بکر نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہوں اور انہوں نے اسے اپنے قبضہ میں لیا اور رسول اللہ ﷺ اس مال میں جو کرتے تھے وہی انہوں نے بھی کیا اور بلا شبہ وہ اس میں سچے، نیکو کار، ہدایت پر چلنے والے اور حق کے تابع تھے، پھر ان کا وصال ہو گیا، تو میں ابو بکر کا جانشین ہوا اور میں نے اسے اپنی تحویل میں اپنی خلافت کے دو سال رکھا اور رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر کے طریقے کے مطابق کار بند رہا اور خدا جانتا ہے کہ میں اس میں ضرور سچا نیکو کار، ہدایت پر کار بند اور حق کا تابع ہوں، پھر آپ دونوں حضرات تشریف لائے اور آپ لوگوں کی بولی ایک تھی اور معاملہ بھی ایک۔ اے عباس آپ تشریف لائے اور اپنے بھائی کے صاحبزادے کے ترکہ میں سے اپنا حصہ مانگنے لگے اور یہ یعنی حضرت علی آئے اور اپنی بیوی کا حصہ ان کے والد کے مال میں سے چاہتے تھے تو میں نے آپ لوگوں سے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ہمارا کوئی وارث نہیں، ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے، بعد میں جب میں نے مناسب جانا کہ آپ لوگوں کی تحویل میں دے دوں؟

تو میں نے آپ لوگوں سے کہا: اگر آپ لوگ چاہیں تو آپ لوگوں کی تحویل میں دے دوں، اس شرط پر کہ آپ لوگوں پر اللہ کا عہد اور میثاق ہے کہ ان اموال میں وہی کریں گے جو اللہ کے رسول ﷺ اور ابو بکر کرتے تھے اور اپنی خلافت سے اب تک جو میں کرتا تھا، یہ سن کر آپ لوگوں نے کہا ہمیں منظور ہے، ہماری تحویل میں دے دیجئے، تو اس شرط پر میں نے آپ لوگوں کو دیا۔ میں آپ لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا میں نے ان لوگوں کو اسی شرط پر نہیں دیا ہے؟

پورے گروہ نے کہا: ہاں یہی بات ہے۔ پھر حضرت علی اور حضرت عباس کی طرف رخ فرمایا اور کہا: میں آپ لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا میں نے اسی شرط پر آپ لوگوں کو نہیں دیا ہے؟

دونوں نے کہا: ہاں، اب فرمایا: آپ لوگ مجھ سے اس کے علاوہ اور کچھ فیصلہ کرانا چاہتے ہو؟ قسم

ہے اس اللہ کی جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، اب اگر آپ لوگ اس سے عاجز ہیں تو مجھے لوٹا دیں میں ان کی دیکھ بھال کر لوں گا۔



## کن صحابۂ کرام نے حدیث میراث کو روایت فرمایا؟

مذکورہ حدیث شریف کے مطابق (لانورث ماترکنا صدقۃ) کے راوی سات صحابۂ کرام ہو گئے حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، حضرت مولا علی، حضرت عباس، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم۔اس کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق،ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

قاضی ثناءاللہ مظہری پانی پتی (م 1225ھ) فرماتے ہیں:

ترجمہ: اس حدیث کی روایت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تفرد کا جو قول کیا گیا ہے وہ باطل ہے بلکہ اس کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت ابودردا، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہم شامل ہیں۔(التفسیر المظہری، ج2، ص44، مکتبہ الرشیدیہ الباکستان، 1412ھ)

یہ حدیث تواتر کے ساتھ مروی ہے اور کوئی دوسری ایسی دلیل بھی نہیں ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو کو حضور ﷺ نے اس حکم کو واپس لیا ہو تو اس سے کتاب اللہ کے حکم عام میں تخصیص جائز ہو گی کیوں کہ کتاب اللہ کے حکم عام میں خبر واحد یا قیاس سے تخصیص جائز نہیں ہوتی ہے لیکن حدیث مشہور و متواتر سے تخصیص جائز ہوا کرتی ہے۔

## قیاس سے استدلال:

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے قیاس سے استدلال فرمایا جیسا کہ (سنن ترمذی، السنن الکبری للبیہقی، مسند امام احمد بن حنبل اور شرح معانی الآثار) کی روایت سے ظاہر ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں روایت ہے: ترجمہ: ابو سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کا وارث کون ہو گا؟ فرمایا: میری اولاد اور میرے گھر والے، حضرت فاطمہ نے کہا: ہم حضور ﷺ کے وارث کیوں نہیں ہوں گے؟ حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ (مسند الامام أحمد بن حنبل، ج1، ص266، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، 1421ھ)

شرح معانی الآثار کی روایت اس طرح ہے: ترجمہ: حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا: اے ابو بکر آپ کے وصال کے بعد آپ کا وارث کون ہو گا؟ فرمایا: میری اولاد اور میرے گھر والے حضرت فاطمہ نے کہا: تو آپ حضور ﷺ کا وارث میرے علاوہ کو کیوں بناتے ہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا: اے شہزادی رسول ﷺ آپ کے والد محترم نے گھر، سونا اور غلام وراثت میں نہیں چھوڑے۔

(شرح معانی الآثار، ج3، ص308، عالم الکتب الطبعہ المدینہ المنورۃ 1414ھ)

امام ابو عیسی ترمذی [م 279ھ] روایت فرماتے ہیں: ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر کے پاس آئیں، کہا: آپ کا وارث کون ہو گا؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا: میرے گھر والے اور میری اولاد، حضرت فاطمہ نے فرمایا: میں اپنے والد کی وارث کیوں نہیں ہوں گی؟ تو حضرت ابو بکر نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ہمارا کوئی وارث نہیں ہو گا لیکن جن کی حضور ﷺ کفالت فرماتے تھے میں ان کا خرچہ اٹھاؤں گا۔ (سنن الترمذی، ج3، ص209، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر کے پاس آئیں، کہا: آپ کا وارث کون ہو گا؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا: میرے گھر والے اور میری اولاد، حضرت فاطمہ نے فرمایا: تو میں حضور ﷺ کی وارث کیوں نہیں ہوں گی؟ تو حضرت ابو بکر نے

فرمایا: میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ہمارا کوئی وارث نہیں ہو گا لیکن جن کی حضور ﷺ کفالت فرماتے تھے میں ان کا خرچہ اٹھاؤں گا۔

(السنن الکبری للبیھقی، ج6، ص493، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ)



مذکورر روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا نے قیاس سے استدلال فرمایا تھا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ جب کسی بھی مومن مسلمان کا وصال ہوتا ہے تو اس کی وراثت اس کی اولاد اور اس کے گھر والوں پر تقسیم ہوتی ہے حتی کہ خلیفہ المسلمین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وراثت بھی ان کی اولاد اور ان کے گھر والوں پر ہی تقسیم ہو گی تو میرے والد محترم حضرت محمد مصطفی ﷺ کی وراثت بھی اسی طرح تقسیم ہونی چاہیے جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا لیکن جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تو آپ پر دلیل واضح ہو گئی اور اپنے موقف سے رجوع فرمالیا۔

البدایہ والنہایہ میں ہے: ترجمہ: اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے شکر رنجی کا سبب مجھے نہیں معلوم کیوں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو منع فرمایا جب انہوں نے میراث کا مطالبہ کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے ایسا عذر یعنی ان کے والد گرامی حضور ﷺ کی حدیث (لانورث ماترکنا صدقہ) کو پیش کیا کہ جس کا قبول کرنا لازم تھا تو انہوں نے شارع علیہ السلام کی نص کو تسلیم کیا جو ان پر میراث کے مطالبہ سے پہلے مخفی تھی جس طرح سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن سے مخفی تھی۔

(البدایہ والنہایہ، ج5، ص286، دار الفکر، بیروت، 1407ھ)

وہ حضرات ان عبارتوں پر غور فرمائیں جو سرے سے اس معاملہ میں اجتہاد ہی کا انکار کرتے ہیں، کیا ذکر کی گئی ان عبارات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس معاملہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اجتہاد فرمایا تھا، خاص کر اخیر کی دونوں عبارتوں میں تو صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے قیاس اور عموم آیت سے احتجاج فرمایا یہی اجتہاد تھا اور جس دلیل سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا وہ آپ پر مخفی تھی لیکن جب آپ پر دلیل واضح ہو گئی تو آپ نے اس حکم کو تسلیم فرمالیا اور مطالبہ باغ فدک کو ترک فرمادیا۔

اب نہ جانے جو لوگ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اجتہاد کا انکار کرتے ہیں ان کے پاس اس انکار کی کیا وجہ ہے ورنہ علمائے کرام کے اقوال و عبارات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مطالبہ اجتہاد کر کے فرمایا تھا۔

علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین سہالوی لکھنوی (م 1225ھ) فرماتے ہیں:

ترجمہ: اہل بیت اطہار دیگر مجتہدین کی طرح ہیں ان سے اجتہاد میں خطا کا واقع ہو سکتی ہے، وہ درستگی کو بھی پہنچتے ہیں اور خطا بھی کرتے ہیں اور اسی طرح ان (اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم) سے لغزش کا ہونا جائز ہے، لغزش کہتے ہیں ان کا اپنے مرتبے کے اعتبار سے بغیر ارادہ کے کسی غیر مناسب امر میں واقع ہونا۔ جیسا کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کلام نہ کر کے لغزش ہوئی، جب وراثت میں ان کو باغ فدک دینے سے انکار کر دیا حالانکہ اس (لغزش) میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

(فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، الاصل الثالث /الإجماع، ج 2، ص 279)

یہاں پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جانب ترک کلام کی نسبت کی گئی ہے، حالانکہ علمائے کرام نے اس کی توجیہ فرمائی ہے جو عنقریب آرہی ہے۔ اس کے چند سطر بعد یوں تحریر فرماتے ہیں: ترجمہ: یہ اس بات کے ضروری علم کا فائدہ دیتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین میں سے مجتہدین بلکہ مقلدین بھی خطائے اجتہادی سے عدم عصمت کا علم رکھتے تھے۔ اس بات کے بھی ضروری علم کا فائدہ دیتا ہے کہ اہل بیت بھی اس خطائے اجتہادی سے خود کے غیر معصوم ہونے کا علم رکھتے تھے۔ مذکورہ دونوں عبارتوں میں سے پہلی عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ صاحب (فواتح

الرحموت)خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کے متعلق اس معاملہ میں وقوع لغزش کا موقف رکھتے تھے جس کو یہاں پرانہوں نے (زلہ) سے تعبیر کیا ہے اور خطائے اجتہادی کو (زلہ) سے تعبیر کیا جاتا ہے اس پر چند شواہد ملاحظہ ہوں۔

حضرت امام بغوی شافعی [م 510ھ] تحریر فرماتے ہیں: ترجمہ: تو شیطان نے ان دونوں کو لغزش دی یعنی حضرت آدم وحوا کو لغزش کی جانب بلایا۔

(معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ج 1، ص 106، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1420ھ)

اسی میں ہے: ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ شیطان نے ان کو لغزش پر ابھارا اور لغزش وہ خطائے اجتہادی ہے۔

امام جار اللہ زمخشری (538ھ) تحریر فرماتے ہیں: ترجمہ: تو شیطان نے اس کے سبب ان کو الغزش پر ابھارا۔

(تفسیر الزمخشری، ج 1، ص، 127، دار الکتب العربی، بیروت، 1407ھ)

ایسی ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں مثالیں مل جائیں گی کہ جہاں پر خطائے اجتہادی کو (زلہ) سے تعبیر کیا گیا یا جس چیز کو ایک محقق نے خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا دوسرے نے اس کو (زلہ) سے تعبیر کیا یا ایک ہی محقق نے ایک معاملہ کو ایک مقام پر خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا دوسرے مقام پر (زلہ) سے تعبیر کیا۔ لہذا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جن علمانے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب خطائے اجتہادی کی نسبت کی ہے ان کو گستاخ وبے ادب ہر گز نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی محض اس وجہ سے ان کی تضلیل تفسیق کی جائے گی بلکہ اس وجہ سے کسی عالم پر طعن وتشنیع اور اس کی تفصیل تفسیق اور تکفیر کرنے والے یا گالیاں بکنے والے ظالم کہلائیں گے۔

12

# 12۔ حدیث قرطاس

جوابات لکھنے سے پہلے ہم اس واقعہ سے متعلق دو روایتیں درج کرتے ہیں، تاکہ اصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد جوابات کے سمجھنے میں آسانی ہو:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعرات کے دن جب رسول اللہ ﷺ کو درد زیادہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس شانہ کی ہڈی لاؤ، میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تم لوگ کبھی نہ بہکو! تو لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا اور نبی ﷺ کے پاس اختلاف مناسب نہیں۔ تو کئی لوگوں نے کہا کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ کیا جدائی کا وقت قریب آ گیا ہے؟ آپ سے دریافت کر لو! بعض صحابہ نے لکھنے کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا شروع کیا، تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اس لئے کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم لوگ مجھے بلا رہے ہو۔ اور آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی: اول مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو! دوم ایلچیوں کو انعام دو جیسا کہ میں دیتا تھا، یہ کہہ کر تیسری وصیت سے خاموش ہو گئے یا راوی نے کہا کہ میں اس کو بھول گیا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ کے وصال کا وقت قریب آیا تو حجرۂ مبارکہ میں بہت سے لوگ موجود تھے، جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضور ﷺ نے فرمایا: آؤ میں تم لوگوں کے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تم نہ بہکو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس وقت حضور ﷺ کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے، تمہارے پاس قرآن ہے، وہی اللہ کی کتاب تمہارے لئے کافی ہے، تو حجرہ میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے اختلاف کیا، بعض لوگ کہتے تھے کہ حضور ﷺ کے پاس لکھنے کا سامان رکھ دو تاکہ وہ تمہارے لئے تحریر لکھ دیں، اور بعض لوگ وہی کہتے تھے جو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، جب لوگوں نے باتیں بڑھادیں اور اختلاف زیادہ پیدا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ! (بخاری، مسلم)



## اجمالی جواب:

حدیث شریف سے اصل واقعہ کی تفصیل کے بعد اجمالی جواب یہ ہے کہ یہ کام صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا، بلکہ دوسرے صحابہ بھی اس میں شریک ہیں، اس لئے کہ جتنے صحابہ اس وقت حضور ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں موجود تھے اس معاملہ میں وہ لوگ دو گروہ ہو گئے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت موجود تھے، تو اگر یہ دونوں حضرات لکھنے کا سامان نہ لانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کئے تو یہ سارے الزامات ان دونوں حضرات پر بھی عائد ہوتے ہیں اور اگر یہ لوگ لکھنے کا سامان لانے کی تائید میں تھے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کئے تو اس صورت میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں آواز بلند کرنے اور روکنے والوں کے سبب رک جانے یعنی لکھنے کا سامان حاضر نہ کرنے کا الزام ان دونوں حضرات پر بھی عائد ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے لکھنے کا سامان کیوں نہ پیش کر دیا۔ اور پھر یہ واقعہ جمعرات کا ہے اور حضور ﷺ کا وصال دوشنبہ مبارکہ پیر کو ہوا، تو فرصت کا موقع بہت تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس درمیان میں حضور ﷺ سے کیوں نہ لکھالیا، اور پھر حضور ﷺ کا حکم ان لفظوں کے ساتھ تھا: یعنی تم لوگ میرے پاس کاغذ لاؤ! تو یہ کم سب حاضرین سے تھا نہ کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، لہذا اگر حضور ﷺ کا یہ کم فرض یا واجب مانا جائے تو حاضرین میں سے ہر ایک کو گناہ گار تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور اگر فرض و واجب نہ مانا جائے تو ان میں سے کسی پر الزام عائد نہیں ہوتا اور یہی حق ہے۔ رافضیوں کے سارے اعتراضات باطل و غلط ہیں۔

ہر ایک کے تفصیلی جوابات نمبر وار درج ذیل ہیں:

## 1۔ حضور ﷺ کے قول کو حضرت عمر نے نہیں رد کیا:

یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے قول کو رد کر دیا، اس لئے کہ انہوں نے درد کی شدت میں حضور ﷺ کے آرام وراحت کا خیال کیا کہ حضور ﷺ محنت و مشقت میں نہ پڑیں، اور اسے رد نہیں کہتے، ہر شخص اپنے عزیز بیمار کو محنت و مشقت میں پڑنے سے بچاتا ہے، خاص کر بزرگ اگر کسی وقت شدت مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور حاضرین کے فائدہ کے لیے خود ہی کچھ اٹھانا چاہتا ہے تو کوئی بھی اسے گوارا نہیں کرتا، یہی سب لوگوں میں معمول ہے۔ لہذا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضور ﷺ امت کے فائدے کے لیے مشقت میں پڑنا چاہتے ہیں کہ خود لکھیں یا لکھائیں، بہر حال مضمون بتانا یا خود لکھنا شدت مرض میں تکلیف کا سبب ہو گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے از راہ محبت گوارا نہ کیا اور بلحاظ ادب حضور ﷺ کو خطاب نہ کیا بلکہ اور لوگوں کو کتاب اللہ کے اشارہ سے ثابت کیا کہ حضور ﷺ کو مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں، تاکہ حضور ﷺ کے کان مبارک تک یہ آواز پہنچے اور آپ جان لیں کہ شدت مرض میں ایسی مشقت اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اور اس معاملہ میں عقلمندوں کے نزدیک حقیقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باریک بینی ہے جو لائق صد تعریف ہے کہ تقریبا تین ماہ پہلے یہ آیہ کریمہ نازل ہو چکی تھی:

(ترجمہ) آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر تمام کر دیا۔ (پارہ 6، ع 5)

تو اس آیہ کریمہ نے نسخ و تبدیل اور دین کے احکام میں کمی بیشی کے دروازے کو بالکل بند کر کے اس پر مہر لگادی تھی، حضرت عمر نے قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یعنی اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ حضور ﷺ اس حالت میں کوئی ایسی نئی بات لکھانے

والے ہیں جو پہلے سے کتاب و شریعت میں نہیں آئی ہے تو آیہ کریمہ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کا جھٹلانالازم آتاہے اور یہ ذات اقدس ﷺ سے محال ہے، لہذا حضور ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ ان احکام کی تاکید فرمائیں جو پہلے مقرر فرما چکے ہیں تو شدت مرض میں حضور ﷺ کو مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں، بہتر ہے کہ وہ آرام فرمائیں، ہم کو خدائے تعالی کی کتاب اور اس کی تاکید کافی ہے۔اور اس بات پر حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ گواہ ہے کہ

(بے شک رسول اللہ ﷺ پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے، وہی اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے)۔

لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے حضور ﷺ کی بات رد کر دی، انتہائی نادانی و جہالت اور بغض و عداوت ہے کہ اس قسم کی مصلحت آمیز باتیں اور مشورے حضور ﷺ و صحابہ کے درمیان اکثر ہوا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خصوص میں سب سے زیادہ ممتاز تھے کہ منافقوں پر نماز پڑھنے، ازواج مطہرات کو پردہ نشین کرنے، جنگ بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے، مقام ابراہیم کو مصلی ٹھہرانے اور بشر منافق کے قتل وغیرہ بہت سے معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عرض و مشورے کے مطابق وحی نازل ہوئی اور اکثر واقعات میں ان کی بات اللہ و رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہوئی، اور اگر اس قسم کی مصلحت آمیز باتوں کے پیش کرنے کو حضور ﷺ کی بات کا رد کرنا یا وحی کا ٹھکرانا قرار دیا جائے، جیسا کہ رافضی لوگ کرتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی کئی معاملہ میں حضور کی بات کا رد کرنا یا وحی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہو جائے گا:

اول یہ کہ (بخاری شریف) میں متعدد طریقے سے مروی ہے کہ سرکار اقدس ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مکان پر رات کے وقت تشریف لے گئے، ان کو خواب گاہ سے اٹھایا اور نماز تہجد ادا کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

یعنی تم دونوں اٹھ کر نماز پڑھو! اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یعنی خدا کی قسم ہم فرض نماز سے زیادہ نہیں پڑھیں گے۔ تو حضور ﷺ ان کے گھر سے واپس ہو گئے اور فرمایا:

اور آدمی ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ (پارہ 15، ع 20)

کیا اس واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وحی کا ٹھکرانے والا کہا جائے گا؟ نہیں، ہر گز نہیں ،اسی لئے حضور ﷺ نے کچھ ان کی ملامت نہ فرمائی۔

دوسرا یہ کہ صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو صلح نامہ حضور ﷺ اور کافروں کے درمیان لکھا جارہا تھا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے نام کے ساتھ لفظ "رسول اللہ لکھا"، تو مشرکین مکہ نے اس لفظ کے لکھنے پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم اگر رسول اللہ مانتے تو پھر آپ سے کیوں لڑتے؟ تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یعنی رسول اللہ کا لفظ مٹادو!

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم خدا کی ہم ہر گز نہیں مٹائیں گے، تو حضور ﷺ نے صلح نامہ ان کے ہاتھ سے لے کر خود مٹایا۔

کیا اس واقعہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی بات رد کرنے والا اور وحی کا ٹھکرانے والا قرار دیا جائے گا؟ نہیں، ہر گز نہیں، بلکہ حد درجہ ان کو حضور ﷺ سے محبت کرنے والا قرار دیا جائے گا، تو پھر از راہ محبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ درد کی شدت میں حضور ﷺ کا مشقت میں پڑنا گوارانہ فرمایا، تو ان کو وحی کا ٹھکرانے والا کیوں قرار دیا جائے گا؟ اگر رافضی ایسی باتوں کو بھی پیغمبر کے قول کا رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا کہیں گے تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے، اس لئے کہ رافضی کی معتبر کتابوں میں بھی اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ جیسا کہ شریف مرتضی نے جس کا لقب امامیہ کے نزدیک (علم الہدی) ہے، اپنی کتاب (درر غرر) میں محمد بن حنفیہ سے

روایت کی اور انہوں نے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ماں حضرت ماریہ قبطیہ کی تہمت کے بارے میں لوگوں نے بہت باتیں کیں، اس لئے کہ ان کا چچازاد بھائی ان سے بھی بھی ملنے کے لئے آیا کرتا تھا تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یعنی اس تلوار کو لے کر جاؤ اور ماریہ کے پاس اگر اس مرد کو پاؤ تو قتل کردو!

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے حکم کے مطابق اس مرد کی طرف متوجہ ہوا، تو اس نے جان لیا کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں تو وہ میرے پاس آکر کھجور کے درخت پر چڑھتے ہوئے اپنے آپ کو پیٹھ کے بل گرادیا اور دونوں پاؤں کو اٹھادیا، تو میں نے دیکھا کہ وہ مجبوب ہے یعنی "مقطوع الذکر والخصیتین" ہے، اس کے پاس مردوں کے جیسا کچھ نہیں ہے، تو میں نے اپنی تلوار میان میں کرلی اور واپس آکر حضور سے اس کا سارا حال بیان کیا تو حضور نے فرمایا: خدائے پاک کا شکر ہے کہ وہ ہمارے جملہ اہل بیت کو گندگی سے بچاتا ہے۔

اور محمد بن بابویہ نے امالی میں و دیلمی نے (ارشاد القلوب) میں روایت کی ہے:

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو سات درہم عطا فرمائے اور حکم دیا کہ یہ درہم علی رضی اللہ عنہ کو دے کر کہہ دو کہ وہ اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خرید لائیں کہ ان پر بھوک غالب ہو رہی ہے، تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے وہ درہم علی رضی اللہ عنہ کو دئے اور کہا: بے شک حضور ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے واسطے کھانا خرید لائیں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ درہم لے کر اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خریدنے کے لئے گھر سے نکلے، راستہ میں سنا، ایک شخص کہتا ہے کہ کون ایسا آدمی ہے جو سچے وعدہ پر ہم کو قرض دے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ درہم اس کو دے دیے۔

اس واقعہ میں حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت بھی ہے اور غیر کے مال میں بلا اجازت تصرف

بھی اور اپنے اہل و عیال کے حق کا تلف کرنا بھی اور حضور ﷺ کی اولاد کو بھوکا رکھ کر ان کو تکلیف پہنچانا بھی مگر یہ سب انہوں نے اللہ واسطے کیا اور ایثار کیا جو قابل تعریف و تحسین ہے، حضور ﷺ کے حکم کا رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ ہمارے اس فعل سے حضور ﷺ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حسنین سبھی راضی ہوں گے۔

ان تمام واقعات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ کا ہر قول وحی الہی نہیں ہے، ورنہ لفظ رسول اللہ ﷺ کے مٹانے قبطی مرد کے قتل کرنے، کھانا خریدنے اور تہجد کی نماز پڑھنے کا حکم سب وحی الہی ہوتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وحی الہی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہوتا۔ اور جنگ تبوک کے موقع پر جبکہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل و عیال میں رہنے کا حکم دیا تو ان کا یہ کہنا ہر گز نہ ہوتا: یعنی کیا آپ ہم کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑ جاتے ہیں۔ بلکہ ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ رافضی سنی دونوں کے نزدیک حکم الہی کے خلاف مصلحت کو پیش کرنا اور مشقت کو ٹالنے کے لئے بار بار اصرار کرنا بھی وحی الہی کو ٹھکرانا نہیں، جیسا کہ سرکار اقدس ﷺ شب معراج حضرت موسی کے مشورہ سے نو بار خدائے تعالی کی بارگاہ میں لوٹ لوٹ کر گئے اور عرض کیا: یا الہ العالمین! میری امت اتنی نمازوں کا بوجھ نہ اٹھا سکے گی۔ اگر معاذ اللہ رب العالمین۔ یہ وحی کا رد کرنا اور ٹھکرانا ہوتا تو سید الانبیا سرکار مصطفی ﷺ سے اس کا صدور ہر گز نہ ہوتا اور نہ حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام ایسا مشورہ دیتے۔

اور قرآن مجید سورۂ شعرا (پارہ 19، ع6) میں ہے:

اور یاد کرو! جب تمہارے رب نے موسی علیہ الصلوۃ والسلام کو ندا فرمائی کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ جو فرعون کی قوم ہے، کیا وہ نہیں ڈریں گے؟ عرض کیا: اے میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی، لہذا تو ہارون کو بھی رسول

کراور اس قوم کا مجھ پر ایک الزام ہے، تو میں ڈرتا ہوں کہیں مجھ کو قتل کر دیں۔ فرمایا یوں نہیں، تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ، بے شک ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔

ان آیات مبارکہ سے بھی واضح ہو گیا کہ خدائے تعالی کے حکم کے مقابلہ میں مصلحت کو پیش کرنا وحی الہی کا رد نہیں ہے، ورنہ حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام جو اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں ہر گز اس کے مرتکب نہ ہوتے۔

اور پھر رافضی سنی دونوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کا ہر حکم وجوب کا مقتضی نہیں ہوتا بلکہ مستحب ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے، جیسا کہ سنیوں کی کتاب "نور الانوار" اور رافضیوں کی کتاب "درر غرر" میں مذکور ہے۔ لہذا جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعض حکم کو مستحب سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا اور مورد الزام نہ ہوئے اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کے حکم کو مستحب ٹھہرا کر درد کی شدت میں آپ کو مشقت میں ڈالنا ضروری نہ سمجھا تو وہ بھی مورد الزام نہ ہوئے۔

**2۔ حضور ﷺ کی طرف حضرت عمر نے ہذیان کی نسبت نہیں کی:**

اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکار اقدس ﷺ کی طرف ہذیان کی نسبت کی ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف کا یہ جملہ (کیا حضور نے پریشان بات کہی ان سے پوچھو!) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے کہا یقین کے ساتھ ہر گز ثابت نہیں کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی اکثر روایتوں میں یوں ہے:

لوگوں نے کہا: حضور ﷺ کا کیا حال ہے، کیا انہوں نے پریشان بات کہی، ان سے پھر پوچھو۔

مطلب یہ ہے کہ ہجر کے معنی پریشان و ہذیان اور بے ہودہ بکنے کے بھی ہیں، یہ تو تسلیم ہے، مگر ہو سکتا ہے کہ کلام میں استفہام انکاری ہو، جیسے پارۂ اول رکوع دوم میں ہے کہ منافقوں نے کہا: یعنی کیا ہم ایمان لائیں جیسے کہ بے وقوف لوگ ایمان لائے؟ یعنی ہم ایمان نہیں لائیں گے۔

تو اسی طرح جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کی تائید میں تھے ہو سکتا ہے انہی لوگوں نے کہا ہو: کیا حضور ﷺ نے ہجر کیا یعنی ہذیان نہیں کیا ہے لکھنے کا سامان لانا چاہیے ان سے پھر پوچھو!



اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کے مخالف تھے انہی لوگوں نے استفہام انکاری کے طور پر کہا ہو: حضور ﷺ کو ہذیان تو ہوا نہیں، اس لئے کہ نبی اس سے محفوظ ہوتے ہیں، تو آپ کا کلام ہماری سمجھ میں نہیں آتا، کون سی ایسی ضروری چیز ہے جسے حضور شدت درد میں لکھنا چاہتے ہیں، پھر سے پوچھو۔

اور نہ سمجھنے کی وجہ بالکل ظاہر تھی اس لئے کہ حضور ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ احکام کو خدائے تعالی کی طرف منسوب فرماتے تھے اور اس موقع پر یہ نہیں فرمایا کہ: بے شک اللہ نے مجھ کو فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے ایک کتاب لکھ دوں تا کہ تم گمراہ نہ ہو۔

لہذا جو لوگ لکھنے کا سامان نہ لانے کی تائید میں تھے ان کو شبہ پیدا ہوا کہ حضور ﷺ نے تو عادت کے مطابق ہی فرمایا ہو گا مگر ہم نہیں سمجھے، پھر سے پوچھو۔ اور صحابہ کرام خوب جانتے تھے کہ حضور ﷺ دفع تہمت کے لئے بھی لکھتے نہ تھے۔

قرآن مجید (پارہ 21 رکوع 1) میں ہے۔

اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔

مگر اس موقع پر حضور نے خود لکھنے کو فرمایا، اس لئے صحابہ کو دوبارہ سمجھنے کی ضرورت پیش آئی۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ (ھجر ھجر و ھجران) سے مشتق ہو، جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں اور لفظ (الحیاۃ) مفعول مقدر ہو، تو اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کیا حضور ﷺ نے ظاہری زندگی چھوڑ دی؟ معلوم کرو! جیسا کہ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد جگہ چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، مثلا (پارہ 16 رکوع 6) میں ہے: یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے چچا آزر نے ان سے کہا کہ تم مجھے زمانۂ دراز تک چھوڑ دو!

اور (سورہ مزمل) میں ہے: یعنی انہیں اچھی طرح چھوڑ دو۔

اور بعض روایتوں میں جو ہمزہ استفہام نہیں ہے تو مقدر ہے، جیسے (پارہ 7 رکوع 15) میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے قول: (ھذا ربی) کے شروع میں بہت سے مفسرین کے نزدیک ہمزہ استفہام مقدر ہے۔



حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری نے تحریر فرماتے ہیں: اگر بعض روایتوں میں حرف استفہام مذکور نہیں ہے تو مقدر ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ج4 ص610)

اور اگر ہجر کے معنی اختلاط کلام ہی کے لئے جائیں تو اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ اختلاط جو بالاتفاق انبیائے کرام کو ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قوت گویائی کے اعضا کمزور ہو جائیں یا آواز بیٹھ جائے یا زبان پر خشکی کا غلبہ ہو جن کے سبب الفاظ اچھی طرح سننے میں نہ آئیں، تو یہ حالتیں انبیا کو لاحق ہو سکتی ہیں، جیسا کہ حدیث شریف کی صحیح کتابوں میں موجود ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو آخری بیماری میں آواز بیٹھنے کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔

اور اختلاط کلام کی دوسری قسم کا عارضہ غشی کے سبب یا دماغ پر بخارات کے چڑھ جانے سے سخت بخار میں ہوتا ہے کہ اکثر اس حالت میں مقصد کے خلاف کلام زبان پر جاری ہو جاتے ہیں

اختلاط کلام کی یہ قسم انبیا کو ہو سکتی ہے یا نہیں؟ علما کو اس میں اختلاف ہے، جو لوگ اسے جنون کی قسم قرار دیتے ہیں وہ انبیائے کرام کے لیے اسے جائز نہیں ٹھہراتے۔ اور بعض لوگ اسے غشی و بے ہوشی کے مثل قرار دیتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے اس طرح کا عارضہ لاحق ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے، جیسا کہ پارہ 9 رکوع 2 میں ہے: یعنی موسی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اور (پارہ 24 رکوع 2) میں ہے: اور صور پھونکا جائے تو جسے اللہ چاہے گا اس کے علاوہ جتنے زمین اور آسمان میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ سب دیکھتے

ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔
اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تو پہلے جس کو ہوش ہو گا وہ میں ہوں گا اور موسی علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں ثابت ہوا کہ انبیائے کرام پر غشی و بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور یہ ان کی شان کے خلاف نہیں۔
اور خوب ظاہر ہے کہ اس حالت کو جنون پر قیاس نہیں کر سکتے، اس لئے کہ جنون میں پہلے قوائے مدرکہ کی روح میں خلل واقع ہوتا ہے اور ہمیشہ رہتا ہے، لیکن اس حالت میں روح کے اندر ہر گز خلل نہیں ہوتا، بلکہ کچھ وقت کے لئے جسم کے صرف اعضا مرض کے سبب قابو میں نہیں رہتے، مگر خدائے تعالی اپنے انبیائے کرام کو اس حالت میں بھی اپنی مرضی کے خلاف کچھ کرنے اور کہنے سے بچائے رکھتا ہے۔ لہذا اگر بعض حاضرین کو وہم پیدا ہو کہ حضور ﷺ کا حکم اختلاط کلام کی قسم سے ہے جو ایسے مرضوں میں ظاہر ہوتا ہے تو کچھ بعید بھی نہیں کہ درد سر کی شدت کے ساتھ اس وقت حضور ﷺ پر بخار بھی بہت زور کئے ہوئے تھا، مگر اس کے باوجود کہنے والے نے بلحاظ ادب قطعی طور پر بات نہ کہی، بلکہ بطریق تردد کہا: یعنی ان کا کیا حال ہے، کیا اختلاط کلام ہوا ہے یا ہم سمجھے نہیں، دوبارہ پوچھو! واضح فرمائیں اگر حکم ہو لکھنے کا سامان لائیں ورنہ جانے دیں کہ درد کی شدت میں مشقت اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں۔
اور یہ سب باتیں اس صورت پر ہیں جبکہ اختلاط کلام سے آخری قسم مراد ہو اور اگر قسم اول مراد ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ اس مضمون کو ہم حضور ﷺ کی عادت کے خلاف دیکھتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ آپ کی قوت گویائی میں کمزوری پیدا ہو گئی ہو اس سبب سے ہم آپ کے کلام کو بخوبی نہیں سمجھ سکے، لہذا دوبارہ پوچھو تاکہ ظاہر فرمائیں اور ہم یقین کے ساتھ جان لیں کہ حضور ﷺ لکھنے کا سامان طلب فرما رہے ہیں تو ہم اسے حاضر کریں۔ اور اس صورت میں بھی کسی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

## 3۔ حضور ﷺ کی آواز پر کسی نے آواز اونچی نہیں کی:



بے شک سید عالم ﷺ کی آواز پر آواز کو اونچی کرنا سب نیکیوں کو برباد کرنا ہے اور حضور ﷺ کی آواز پر آواز کو بلند کرنا سخت گناہ ہے۔ مگر اس واقعہ میں کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور نہ کسی دوسرے صحابی نے۔ البتہ آپس کی گفتگو میں حضور کے سامنے ان لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ صحابہ کرام آپس کی بحثوں اور جھگڑوں میں حضور ﷺ کے سامنے ایک دوسرے پر آوازیں بلند کرتے تھے، نعرے لگاتے تھے اور حضور ﷺ منع نہیں فرماتے تھے، بلکہ اس قسم کی بحثوں کے جائز ہونے کا قرآن کریم سے بھی دو طرح اشارہ ملتا ہے۔

اول یہ کہ قرآن کریم نے ان لفظوں کے ساتھ حضور ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنے کو منع فرمایا ہے: نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو! (پارہ 26، رکوع 13)

اور اس طرح منع نہیں فرمایا: نبی کے پاس اپنی آوازوں کو آپس میں بلند نہ کرو!

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنا منع ہے، مگر حضور ﷺ کے سامنے آپس میں ایک دوسرے پر آواز بلند کرنا جائز ہے۔

دوسرا قرآن مجید نے یہ فرمایا: یعنی جس طرح کہ ایک دوسرے پر آواز بلند کرتے ہو۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کا ایک دوسرے پر آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ حضور ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنا بربادی اعمال کا سبب ہے اور پھر یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز بلند کی؟ پہلے ان کا آواز بلند کرنا ثابت کیا جائے پھر اعتراض کیا جائے، بہت ممکن ہے کہ مجموعی طور پر ایسا ہوا ہو، اس لئے کہ جب بہت سے صحابہ حجرہ مبارکہ میں حاضر تھے تو سب کی گفتگو سے آواز بلند ہونا یقینی ہے اور یہ گناہ نہیں اور یہ بھی گناہ ہو تو سب حاضرین یہاں تک کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی یہ گناہ عائد ہو گا۔ اور حضور

ﷺ کا ارشاد گرامی: یعنی میرے پاس جھگڑنا مناسب نہیں، اس بات کی تائید کر رہا ہے کہ یہ گناہ نہیں بلکہ خلاف اولی ہے، اس لئے کہ زنا جو بربادی اعمال کا سبب نہیں ہے اس سے منع کرنے لئے بھی یوں نہیں کہا جاتا کہ زنا مناسب نہیں ہے۔ اور جو حضور ﷺ نے فرمایا: یعنی تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ!



تو یہ کلام ان اقسام میں سے ہے جو مرض کے سبب مریض سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذرا سی گفت وشنید کو برداشت نہیں کرتا اور پھر یہ خطاب تو سب حاضرین سے تھا جس میں لکھنے کا سامان لانے کی تائید کرنے والے اور مخالفت کرنے والے دونوں شامل تھے، تو صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں پر کیوں نہیں کیا جاتا؟

## 4۔ مسلمانوں کی حق تلفی نہیں ہوئی

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لکھنے کا سامان نہ دینے کے سبب مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی، اس لئے کہ حق تلفی اس صورت میں ہوتی جبکہ خدائے تعالی کی جانب سے کوئی نئی بات آئی ہوتی اور امت کے لئے نفع بخش ہوتی۔

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر دی۔ (پارہ 6 رکوع 5)

یہ آیت کریمہ جو تقریباً تین ماہ پہلے نازل ہو چکی تھی اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ کوئی نیا حکم نہیں تھا، بلکہ کوئی امر دینی بھی نہیں تھا، بلکہ صرف ملکی مصلحتوں کا ارشاد اور نیک مشورہ تھا کہ وہ وقت اسی قسم کی وصیتوں کا تھا، کوئی عقل منداسے ہرگز نہیں مان سکتا کہ 23 برس کی مدت جو حضور ﷺ کی ظاہری نبوت کا زمانہ تھا اور آپ اپنی امت پر بے حد مہربان تھے اس مدت میں پورا قرآن ان کو پڑھایا اور بے شمار حدیثیں ارشاد فرمائیں مگر ایک اہم بات کہنے سے رہ گئی تھی جو

اختلاف دفع کرنے کے لئے تریاق مجرب تھی، حضور ﷺ اسے لکھتے یا لکھاتے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے اسے نہیں لکھایا اور اہل بیت کی ہر وقت آمد ورفت رہتی تھی مگر ان سے زبانی بھی نہیں فرمایا، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں ہر وقت موجود بھی نہیں رہتے تھے۔ ذات اقدس ﷺ پر یہ بہت بڑا بہتان ہے اور اس بے ہودہ خیال کے باطل ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کو تحریر لکھنے کا حکم اگر خدائے تعالی کی طرف سے قطعی تھا تو جمعرات سے دوشنبہ پیر تک نہ لکھنے کے سبب حضور ﷺ پر تساہلی کا الزام عائد ہوتا ہے جو شان رسالت کے سراسر خلاف اور باطل ہے۔ خدائے تعالی کا ارشاد ہے: اے رسول! تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے تو اسے پہنچادے، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس کا پیغام تو نے پہنچایا ہی نہیں۔ اور اللہ لوگوں کے شر سے تجھ کو محفوظ رکھے گا۔ (پارہ 6 رکوع 14)

کیا اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے جبکہ ظاہری حیات کے آخری ایام تھے حضور ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر گئے اور خدائے تعالی کے وعدہ پر کہ وہ لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھے گا، حضور نے یقین نہ کیا؟ معاذ اللہ من ذالک۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ خدائے تعالی کا حکم نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ اپنی طرف سے لکھوانا چاہتے تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اس خیال سے رجوع فرمایا کہ نہیں؟ اگر جواب دیا جائے کہ رجوع فرمالیا تو اس صورت میں سارا اعتراض ہی ختم ہو گیا اور اس واقعہ نے بھی موافقات عمری میں سے ہو کر ان کی عزت کو اور چار چاند لگا دیا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ نے رجوع نہیں فرمایا تو امت کی نفع بخش چیز کا چھوڑ دینا حضور ﷺ پر لازم آیا اور یہ باطل ہے۔

اس لئے کہ خدائے تعالی کا ارشاد گرامی ہے: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر بڑے ہی شفیق و مہربان۔ (پارہ 11 رکوع 5)

اور دوسری دلیل اس خیال کے باطل ہونے پر یہ ہے کہ جو بات آپ لکھنا چاہتے تھے وہ یا تو کوئی نئی بات تھی جو تبلیغ سابق پر زائد تھی یا تبلیغ سابق کو منسوخ کرنے والی اور اس کے مخالف تھی اور یا تبلیغ سابق کی تاکید تھی۔ پہلی اور دوسری صورت باطل ہے، اس لیے کہ آیت کریمہ "الیوم اکملت لکم دینکم" کی تکذیب لازم آتی، اور تیسری صورت میں امت کی کوئی حق تلفی نہ ہوئی، اس لئے کہ حضور ﷺ کی تاکید خدائے تعالی کی تاکید سے بڑھ کر نہیں ہے۔ تو جن لوگوں کو خدائے تعالی کی تاکید کا لحاظ نہیں ہوگا ان کو حضور کی تاکید سے بھی کچھ فائدہ نہ پہنچے گا۔

اور حدیث شریف سے اس بے ہودہ خیال کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابتدائے جواب میں لکھی گئی ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بولنے سے پہلے حاضرین نے آپس میں جھگڑا کیا اور جو کچھ کہنا تھا کہا پھر حضور ﷺ سے دوبارہ پوچھا، مگر حضور ﷺ نے قلم و دوات منگانے اور لکھنے لکھانے سے خاموشی اختیار فرمائی۔ اگر یہ بات قطعی ہوتی تو آپ ہرگز خاموش نہ ہوتے اور اگر اس وقت خاموش ہو گئے تھے تو اس کے بعد پانچ روز ظاہری حیات کے ساتھ موجود رہے جس کا اقرار رافضی لوگوں کو بھی ہے تو اس درمیان میں اسے ضرور لکھا دیتے۔

لہذا معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں سے کسی چیز کا لکھنا منظور نہ تھا بلکہ دنیوی معاملات میں کچھ کہنا تھا جس کی وصیت فرمائی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور ایلچیوں کی خاطر مدارات کرو اور تیسری چیز کہ جس سے اس حدیث شریف میں سکوت کا ذکر ہے غالبا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی درستگی ہے، جیسا کہ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس بات پر کہ وہ دینی معاملہ نہ تھا دلیل یہ ہے کہ جب دوسری بار صحابہ کرام نے قلم دوات وغیرہ لانے کے بارے پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو کہ میں اپنے باطن سے مشاہدہ حق میں

مشغول ہوں اور یہ حالت اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم بلا رہے ہو۔ اگر کوئی دینی معاملہ یا تبلیغ کا پہنچانا منظور ہوتا تو بہتری کا معنی کیسے درست ہوتا؟ اس لئے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام کے حق میں وحی پہنچانے اور دینی احکام جاری کرنے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اور اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب سرکار اقدس ﷺ نے دوسری بار اس عالم سے بے تعلقی کا جواب ارشاد فرمایا تو حاضرین کو حسرت و یاس دامن گیر ہوئی اور ناامید ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کے اس جواب سے تم لوگ مایوس نہ ہو، تمہاری تعلیم اور تمہارے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔



لہذا معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کلام اس گفتگو کے بعد صحابہ کرام کی تسلی کے لئے فرمایا، نہ کے تحریر سے منع کرنے لئے۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس واقعہ کے وقت حاضر تھے، اس پر رافضی سنی دونوں کا اتفاق ہے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یا حاضرین مجلس میں سے کسی پر کہ جن لوگوں نے تحریر کی مخالفت کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی پر انکار یا افسوس ہر گز منقول نہیں، نہ آپ کے زمانہ خلافت میں، نہ آپ کی پوری زندگی میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد۔ لہذا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں خطاوار ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کام کی تائید میں ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کہ جو اس وقت کم سن تھے کسی کا افسوس اور کسی کی حسرت کسی پر ہر گز منقول نہیں ہوئی، اگر کوئی بہت بڑی چیز فوت ہو گئی ہوتی تو بڑے بڑے صحابہ اور کم از کم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر یقینا حسرت و افسوس ظاہر کرتے اور تحریر سے روکنے والوں کی شکایت زبان پر ضرور لاتے۔

اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب کسی اہم بات کا لکھنا منظور نہ تھا تو حضور ﷺ نے یہ کیوں فرمایا: یعنی تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ دین کے بارے میں کوئی اہم بات تھی اس لئے کہ دین میں خلل پڑنا ہی گمراہی کے معنی ہیں۔اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ ضلال عرب کی بولی میں جیسا کہ دین کی گمراہی کے معنی میں آتا ہے دنیا کے معاملات میں بدتربیری کے معنی میں بھی بہت بولا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے بھائیوں کا قول حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں قرآن مجید میں منقول ہے: یعنی بے شک ہمارے باپ صریح غلطی پر ہیں۔

(پارہ 12، رکوع 12)

اور اسی سورۃ یوسف میں دوسری جگہ ہے: یعنی بے شک آپ اپنی اسی پرانی غلطی پر ہیں۔

(پار 13، رکوع 5)

ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے بھائی کافر نہ تھے کہ اپنے باپ یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو گمراہ سمجھتے (معاذ اللہ)۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ دنیوی معاملات میں آپ بے تدبیری برتتے ہیں کہ ہم لوگوں سے جو ہر طرح کی خدمتیں کرتے ہیں الفت کم رکھتے ہیں اور جو لوگ چھوٹے ہیں اور خدمت کرنے میں قاصر ہیں ان سے عشق کی حد تک محبت کرتے ہیں۔

لہذا اسی طرح یہاں بھی مراد ملک کی تدبیر میں خطا ہے نہ کہ دین کی گمراہی۔اور واضح دلیل اس پر یہ ہے کہ 23 برس کی مدت میں قرآن کا نزول اور احادیث کریمہ کا ارشاد ان کی گمراہی کے دفع کرنے کے لیے اگر کافی نہ ہو تو چند سطروں کی تحریر اس کام کے لیے کیسے کافی ہو سکتی ہے۔اور بعض لوگوں کے دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ شاید حضور ﷺ خلافت کا معاملہ لکھنا چاہتے تھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روک دینے سے یہ اہم معاملہ رہ گیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ لکھنا ہرگز منظور نہ تھا، اس لئے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی خلافت کے متعلق حضور ﷺ نے اس مرض میں ارادہ فرمایا تھا، جیسا کہ (مسلم شریف ج 2

ص273) میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا: اپنے باپ ابو بکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تا کہ میں ان کے لئے وصیت نامہ لکھ دوں، اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں افضل ہوں حالانکہ خدا اور مومنین علاوہ ابو بکر کے کسی کو قبول نہ کریں گے۔ مگر ایسا ارادہ فرمانے کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کی ممانعت کے بغیر حضور ﷺ نے خود بخود لکھنا موقوف کر دیا۔ اور پھر اگر خلافت کے لئے وصیت ہی کرنی تھی تو اس کے لئے لکھنا ضروری نہ تھا بلکہ جو لوگ حجرہ مبارکہ میں موجود تھے ان کے سامنے زبانی وصیت کر دینا ہی کافی تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ کو کسی نے لکھنے سے منع نہیں کیا اور اگر منع کرنا فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے امت کی کوئی حق تلفی ہر گز نہیں ہوئی۔ یہ رافضیوں کا وسوسہ ہے اور وسوسہ کا کوئی علاج نہیں۔

# 13۔شان امیر معاویہ کتب شیعہ کی روشنی میں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی:1۔ حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک اور ناخن مبارک میرے منہ اور ناک میں رکھے جائیں اور آپ کی چادر مبارک اور قمیض مبارک بھی میرے ساتھ دفن کی جائے۔(ناسخ التواریخ،ج1ص309)

2۔وحی، خطوط اور معاہدے لکھنے والوں میں حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت معاویہ تھے (تاریخ یعقوبی،ج2ص80کتاب النبی)

3۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقام کو مد نظر رکھنے کی وصیت فرمائی۔(جلاء العیون،ج2)

4۔حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قیساریہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور حضرت معاویہ نے اسے 18ھ میں فتح کیا۔

(کتاب البلدان جند فلسطین، ص85،از احمد بن واضح یعقوبی)

5۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوٹوک کہا اور بہر حال (حضرت علی سے) ہم خلافت کا مطالبہ نہیں کرتے۔(وقعۃ الصفین، ص70،کتاب معاویۃ وعمر والی اھل المدینہ)

6۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک میں عثمان رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی ہوں اور میں ان کے خون کا مطالبہ کرتا ہوں اور ان کا معامہ میرے ذمہ ہے۔

(کتاب سلیم بن قیس، ص153)

7۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص اصحاب میں سے ضرار صدائی شہادت علوی کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے آپ نے انہیں فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان بیان کرو،انہوں نے کہا: آپ مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا فرمایا: اللہ کی قسم اسے ضرور بیان کرو تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کئے جنہیں سن کر

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی یاد میں اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی۔

(درہ نجفیہ، ص360، شرح ابن میثیم، ج5ص267، شرح ابن ابی حدید ج4ص374، 375)



8۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بخارہ فتح ہوا اس مہم میں سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نگران تھے۔ (کتاب البلدان، ص45تا50، از یعقوبی)

9۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی مثل قرار دیا ہے:

آپ نے فرمایا کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، نبی ایک ہے۔ دعوت اسلام ایک ہے، نہ تو ہم اللہ پر ایمان لانے اور رسول کی تصدیق کرنے میں ان سے کسی بڑائی کے دعویدار ہیں اور نہ ہی اس معاملہ میں وہ ہم پر کچھ بڑائی جتاتے ہیں۔ ہمارا معاملہ بالکل ایک جیسا ہے اور اصل اختلاف تو صرف (خون عثمان رضی اللہ عنہ ) کے متعلق پیدا ہوا ہے (اور ہمارا موقف ہے کہ ) ہم اس سے بری ہیں۔

(نہج البلاغہ عربی ج2ص114، شرح این میثم ج5، 194 خطبہ نمبر 57، الدرۃ النجفیہ ص344، شرح ابن ابی حدید، نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ 363، نہج البلاغہ مترجم ص822 مکتوب نمبر 58 مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور، نہج البلاغہ ص783، ترجمہ و حاشیہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ امامیہ پبلیکیشنز لاہور)

10۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں پر طعن اور گالی گلوچ کرنے سے منع فرمایا۔ (نہج البلاغہ، ص322)(اخبار الطوال، ص165)

11۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہماری بات نہیں مانی۔

(قرب الاسناد 45)

12۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔(رجال کشی، ص102)

(احتجاج طبرسی، ج2ص9۔از، ابو منصور احمد بن علی الطبرسی)

(منتہی الآمال، ج1ص232۔از، عباس القمی)

(جلاء العیون، ج1ص403۔از، محمد باقر بن محمد نقی المجلسی)

(مروج الذہب، ج3ص7۔از، ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی)

(مقتل ابی مخنف، ص302۔از، ابو مخنف لوط بن یحیی)

(اخبار الطوال، ج1ص204۔از، احمد بن داؤد الدینوری)

(فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ، از، علی نقی)

(کشف الغمہ، ج1ص571۔از، علی بن عیسی الاربلی)

(بہار الانوار، ج1ص164۔از، باقر بن محمد مجلسی)

13۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس بیعت کے متعلق خود فرمایا: تحقیق ہم بیعت کر چکے اور باہمی عہد کر چکے۔ لہذا ہمارے اس بیعت کو توڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

(الاخبار الطوال، ص220)

14۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نہ تو ہم ان (معاویہ) سے اس لئے لڑے کہ وہ ہمیں کافر کہتے تھے اور نہ ہم ان سے اس لئے لڑے کہ ہم ان کو کافر سمجھتے ہیں بلکہ (وہ ایک بات تھی جس میں) ہم سمجھتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ حق پر ہیں۔(قرب الاسناد، 45)

15۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دوران کہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پاس منبر پر چڑھ گئے تو آپ نے انہیں سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے

گروہوں میں صلح کرادے گا۔(کشف الغمہ، ص546، مطبوع تبریز)

یہاں یہ بھی جان لیں کہ یہ دونوں گروہ کون سے تھے؟ جن کے درمیان حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کرائی اور جنہیں مسلمان کہا گیا ہے؟ ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے دونوں میں صلح کرادی۔

16۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چوتھے دادا حضرت عبد مناف حضور اکرم ﷺ کے تیسرے دادا ہیں۔(تاریخ یعقوبی)

17۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔(منتخب التواریخ، ج1 ص22، از، محمد ہاشم الخراسانی)

(تاریخ یعقوبی، ج1 ص22۔ از، احمد بن ابو یعقوب بن جعفر العباسی)

(مناقب ابن شہر آشوب، ج1 ص160)(تاریخ ائمہ، ص150)

18۔ اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی ہمشیرہ حضرت قریبہ صغری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہی ہیں۔(کتاب المحبر، 102)

گویا ایک طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امت کے روحانی ماموں اور دوسری طرف حضور ﷺ کے برادر نسبتی ہیں۔

19۔ حضرت امیر معاویہ کی سگی بہن حضرت ہند بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی نوفل بن حارث بن عبد المطلب کے بیٹے حضرت حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب کے نکاح میں تھیں۔(شرح ابن ابی حدید، ج4 ص20)

20۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ حضرت ام سعید رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔(منتخب التواریخ، ج1 ص122)

21۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت لیلہ بنت ابو مرہ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بھانجی حضرت میمونہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔

(منتخب التواریخ، ج 1 ص 122) (منتھی الآمال، ص 541۔ از، عباس قمی)

(مقاتل الطالبین، ص 70۔ از، ابو الفرج علی بن الحسین الصبہانی)



تو گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن میمونہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ساس اور حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی نانی ہیں۔ شہدائے کربلا کی محبت کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کو ان حقائق پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔

22۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پوتی لبابہ بن عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

(حاشیہ عمدۃ الطالب، ص 10)

23۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر طیار بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی پوتی رملہ بنت محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دوسرے بھتیجے ابو القاسم بن ولید بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ (کتاب المحبر، ص 449)

24۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی حضرت نفیسہ بنت زید بن حسن بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک اور بھتیجے ولید بن عبد المالک بن مروان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ (عمدۃ الطالب، 80)

25۔ حضرت قثم بن عباس بن عبد المطلب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے والی رہے حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت قثم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سمرقند کے علاقہ میں شہید ہوئے۔ (شرح نہج البلاغہ لابن میثم ج 5 ص 72 من کتاب قثم بن عباس الخ، تاریخ یعقوبی ج 2 ص 237 حالات امیر معاویہ)

25۔مذکورہ باب میں یعقوبی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف ممالک مفتوحہ سے خراج اور جزیہ کی آمدن کی تفصیلات درج کی ہیں۔

(تاریخ یعقوبی،ج2ص234،233)

مزید لکھا ہے: کہ مصر کے علاقہ سے حاصل ہونے والے ٹیکس کی مقدار پچاس لاکھ دینار ہے۔(کتاب البلدان الیعقوبی،ص93)

26۔عہد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں قاضی اور فقیہہ یعنی فتوی اور فیصلہ سنانے والے حضرات میں درج ذیل نام بھی ملتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر۔(تاریخ یعقوبی،ج2ص240،241،وفات الحسن بن علی)

27۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف شعبہ جات کے لئے الگ الگ دفاتر قائم ہوئے اور سرکاری خطوط اور شاہی فرامین کی نقول رکھنے کا نظام قائم ہوا۔

(تاریخ یعقوبی،ج2ص234،احوال زیاد بن عبداللہ)

28۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بردبار زیرک اور مال کی سخاوت کرنے والے تھے۔

(تاریخ یعقوبی،ج2ص238،وفات الحسن بن علی)

29۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق و معمولات درج ذیل ہیں: آپ دن رات میں پانچ مرتبہ لوگوں کو ملاقات کا موقع دیتے، نماز فجر کے بعد قاص (حالات کی نگرانی کرنے والے) کو تمام واقعات سنانے کا حکم دیتے، پھر اپنی خاص منزل میں جاتے تو قرآن شریف پیش کیا جاتا آپ اس کے ایک جزء کی تلاوت کرتے، پھر گھر میں جاتے اور اوامر ونوای بجالاتے، پھر چار رکعت ادا فرما کر باہر تشریف لاتے، خاص لوگوں سے ملاقات اور ضروری گفتگو ہوتی پھر آپ کے وزراء حاضر ہو کر ضروری امور میں گفتگو کرتے اور ہدایات لیتے۔

(مروج الذہب،ج3ص39ذکر جمل من اخلاقہ وسیاست)

30۔ مسعودی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر طویل گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ آپ کی عادات کریمہ میں لوگوں کی دادرسی اور مظلوموں کی فریادرسی اور حاجت مندوں کی حاجت روائی فرمانا ہے۔(مروج الذہب، ج3ص39ذکر جمل من اخلاق وسیاست)



31۔ مسعودی نے آپ کی طبیعت، عادت، اخلاق اور ملکی نظم ونسق پر سیر حاصل بحث کی ہے۔(مروج الذہب، ج3ص40،39)

31۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتراف یوں کیا جو فضیلت وشرف اسلام میں آپ کو حاصل ہے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کو جو قرب حاصل ہے اور بنو ہاشم میں جو آپ کا مقام ہے میں اس کو رد نہیں کرتا۔(بلکہ مانتا ہوں)۔

(درنجفیہ، ص102من کلام لہ علیہ السلام وقد اشار علیہ اصحابہ۔الخ)

(شرح نہج البلاغہ لابن میثم ج2ص111)

32۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر معاویہ میرے حق میں ان لوگوں سے بہتر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم تیرے شیعہ ہیں مگر انہوں نے مجھے مار ڈالنے کا ارادہ کیا میرا اثاثہ لوٹ لیا اور میرا مال چھین لیا۔ خدا کی قسم! اگر میں حضرت امیر معاویہ سے عہد کر لوں جس سے میرا خون بچ جائے اور میرے گھر والے لوگ امن حاصل کر لیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ شیعہ مجھے مار ڈالیں اور میرا گھرانہ برباد ہو جائے، خدا کی قسم اگر میں حضرت امیر معاویہ سے جنگ کروں تو یہی شیعہ میری گردن دبوچ کر مجھے حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دیں۔(ناسخ التواریخ، ج1ص213،احتجاج طبرسی ج2ص10)

33۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں وہ عہد توڑوں جو میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے آپ (حضرت امیر معاویہ) سے کیا تھا۔

(مقتل ابی مخنف، ص6)یعنی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت سونپ دی۔

34۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہ صرف یہ کہ خود بیعت کی بلکہ اپنے چھوٹے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی حکم فرمایا کہ اے حسین! اٹھواوران کی بیعت کرو، بے شک وہ میرا امام اور میرا امیر ہے تو حضرت امام حسین اور جناب قیس نے بھی بیعت کرلی۔(رجال کشی، ج2ص325، جلاء العیون 260)

35۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت علی جنگ جمل میں شریک کسی کو بھی مشرک اور منافق نہ سمجھتے تھے۔(قرب الاسناد، ج1ص45)

لیکن آج کے (شیعان علی) کہلانے والے حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کے مؤقف کے برخلاف جنگ جمل میں شریک ہونے والوں (اور آپ سے اختلاف کرنے والوں مثلا: حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وغیرہ) پر فتوی لگا کر (بغض علی) کا ثبوت کیوں دیتے ہیں؟

**حضرت امیر معاویہ پر چند اعتراضات کے جواب:**

**اعتراض:** ایک دفعہ امیر معاویہ اپنے کندھے پر یزید مردود کو لئے جارہے تھے تو سرکار ﷺ نے فرمایا کہ جنتی پر جنتی جارہا ہے معلوم ہوا کہ یزید بھی دوزخی ہے اور امیر معاویہ بھی۔ (نعوذ باللہ)

**جواب:** ماشاء اللہ یہ ہے آپ کی تاریخ دانی اور یہ ہے تواریخ کا حال جناب، یزید پلید کی پیدائش خلافت عثمانی میں ہوئی دیکھو (جامع ابن اثیر اور کتاب الناہیہ) وغیرہ۔ حضور ﷺ کے زمانہ شریف میں یزید، امیر معاویہ کے کندھے پر کیا عالم ارواح سے کود کر آگیا۔ لاحول والا قوۃ

**اعتراض:** ترمذی شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تین قبیلوں کو ناپسند فرماتے تھے، ثقیف، بنی حنیفہ، بنی امیہ اور امیر معاویہ بنی امیہ میں سے ہیں تو یہ بھی حضور ﷺ کو ناپسند ہوئے۔

**جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی، الزامی جواب تو یہ ہے کہ عثمان غنی رضی

اللہ عنہ اور عمر بن عبد العزیز بھی بنی امیہ میں سے ہیں تو اگر معاذ اللہ قبیلہ بنی امیہ کا ہر فرد بشر سرکار کو ناپسند ہے تو ان حضرات کے متعلق کیا کہو گے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جلیل القدر عظیم الشان صحابی اور دو صاحبزادیاں حضور ﷺ کی آپ کے نکاح میں آئیں کسی شخص کو بھی پیغمبر کی دو صاحبزادیاں نکاح میں میسر نہ ہوئیں۔اس لئے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔اور عمر ابن عبد العزیز جلیل القدر تابعین میں سے ہیں جن کی عظمت پر دنیائے اسلام متفق ہے۔



جواب تحقیق یہ ہے کہ کسی قبیلہ یا کسی شہر کے ناپسند ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کا ہر فرد بشر ناپسندیدہ ہے اور کسی شہر یا قبیلہ کے محبوب ہونے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس کا ہر فرد بشر محبوب ہے حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ پیارا تھا تو یہ مطلب نہیں کہ ابو جہل ابو لہب وغیرہ کفار مکہ بھی حضور ﷺ کو پیارے تھے یا حضور ﷺ کو مدینہ منورہ محبوب تھا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ مدینہ کے سارے منافق عبد اللہ ابن ابی وغیرہ بھی محبوب تھے اسی طرح نبی ﷺ کو نجد کا علاقہ ناپسند تھا، کہ اس کے لئے دعا نہ فرمائی تو یہ مطلب نہیں کہ علاقہ نجد کے مخلص مومن بھی مبغوض تھے۔چونکہ ان تینوں قبیلوں میں بعض بڑے مفسد پیدا ہوئے ان کی وجہ سے اس قبیلہ کو ناپسندگی کا تمغہ ملا، چنانچہ قبیلہ بنی ثقیف میں مختار ابن عبید اور حجاج بن یوسف جیسے ظالم ہوئے ،قبیلہ بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب اور اس کے تبعین مرتدین ہوئے ، بنی امیہ میں یزید پلید اور عبید اللہ ابن زیاد جیسے فاسق، فاجر، ظالم، مردود ہوئے، چونکہ یہ لوگ مبغوض بارگاہ اور مردود تھے اور ان قبیلوں میں تھے اس لیے ان قبائل کو ناپسند فرمایا اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جو ترمذی شریف میں اسی جگہ عبد اللہ ابن عمر سے نقل فرمائی، کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ قبیلہ ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک مہلک ہو گا، چنانچہ جھوٹا تو مختار ابن ابی عبید ہوا اور مہلک ظالم حجاج ابن یوسف ہوا۔

**اعتراض:** حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب تم معاویہ کو میرے ممبر پر دیکھو تو انہیں قتل کر دو،

اس حدیث کو امام ذہبی نے نقل کیا اور صحیح بتایا، اس سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہ لائق گردن زدنی تھے۔

جواب: اس کا جواب اس کے سوا کیا دیا جائے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کسی جھوٹے نے حضور ﷺ پر بہتان باندھا اور امام ذہبی پر افترا کیا، سرکار ﷺ فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر دیدہ دانستہ جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے، خدا کا خوف چاہئے امام ذہبی نے تردید کے لئے یہ حدیث اپنی تاریخ میں نقل فرمائی، اور وہاں ساتھ ہی فرمادیا، کہ یہ موضوع یعنی گھڑی ہوئی ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ حضور ﷺ کو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی ،خود ہی اپنے زمانہ میں قتل کرادیا ہوتا، پھر تمام صحابہ اور تابعین اور اہل بیت نے یہ حدیث سنی مگر عمل کسی نے نہ کیا، بلکہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کرکے ان کیلئے ممبر رسول ﷺ کو بالکل خالی کر دیا اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم و عمل کی تعریفیں فرمائیں انہیں مجتہد فی الدین قرار دیا، انہیں کسی کو یہ حدیث نہ پہنچی، چودہ سو برس کے بعد تمہیں پہنچ گئی۔

## 14۔شان سیدنا صدیق اکبر کتب شیعہ کی روشنی میں:



1۔حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نمازیں پڑھتے تھے اور وہ ان کی امامت پر راضی تھے۔شیعہ عالم سلیم بن قیس لکھتا ہے: علی علیہ السلام نے فرمایا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو خالد بن ولید نے میرے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی جبکہ وہ تلوار لٹکائے ہوئے تھے۔(سلیم بن قیس،228)

2۔شیعہ عالم طبرسی لکھتا ہے: پھر علی علیہ السلام نماز کے لیے تیار ہوئے اور مسجد میں آئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی اور خالد بن ولید نے ان کے پہلو میں نماز ادا کی۔

(الاحتجاج،126/1)

3۔شیخ طوسی لکھتا ہے: یہ بات تسلیم شدہ ہے کیونکہ یہی ظاہری بات ہے۔

(تلخیص الشافی،354طبع ایران)

4۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی ﷺ کے بعد اس امت کے بہترین افراد ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

(الصوارم المہرقہ،333نمبر111)

5۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ "اگر میرے پاس ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے افضل قرار دیتا ہو تو میں اسے بہتان بازی کی سزا دوں گا۔

(العیون والمحاسن،122-123/2)

6۔جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت کرنے سبب معلوم کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اگر ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلافت کا اہل نہ سمجھتے تو ہم اسے خلیفہ نہ بننے دیتے۔(شرح نہج البلاغہ:45/2)

7۔جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی: کیا آپ وصیت نہیں کریں گے؟ انہوں

نے فرمایا: جو وصیت رسول اللہ ﷺ نے کی تھی میں بھی اسی کی وصیت کرتا ہوں۔ لیکن جب اللہ لوگوں کی خیر خواہی کرنا چاہتا ہے تو انہیں بہترین شخص کی حکومت تلے جمع کر دیتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ کے بعد انہیں امت کے بہترین شخص کی خلافت میں جمع کر دیا تھا۔

(الشافی فی الامامۃ، 171)

8۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے کے دوران میں فرمایا تھا: اے اللہ ہماری اسی طرح اصلاح فرما جیسی تم نے خلفائے راشدین کی اصلاح فرمائی تھی۔ ان سے پوچھا گیا وہ خلفاء کون ہیں؟ فرمایا وہ ابو بکر اور عمر ہیں جو ہدایت یافتہ امام تھے۔ جس نے ان کی اقتدا کی وہ بچ گیا اور جس نے ان کے نقش قدم کی پیروی کی وہ سیدھی راہ پا گیا۔

(الصراط المستقیم الی مستحقی التقدیم، 3/150-149 (فصل فی روایات)

9۔ ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق کا لقب رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے۔ (تفسیر البرہان، 2/125)

10۔ ابو جعفر الباقر سے تلوار کو سونے چاندی سے منقش کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں، ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو منقش کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا آپ انہیں صدیق کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں وہ صدیق ہیں ، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں۔ جو شخص صدیق نہ کہے اللہ دنیا اور آخرت میں اس کے کسی قول و اقرار کی تصدیق نہ فرمائے۔ (الصوام المہرقۃ، 235، نمبر 72)

11۔ کوفہ کے رؤسا اور معززین اور زید کی بیعت کرنے والے جمع ہوئے تو انہوں نے فرمایا "میں ان دونوں کے بارے میں کلمہ خیر ہی کہوں گا جیسا کہ میں نے اپنے اہل بیت سے ان کے بارے میں خیر ہی سنی ہے۔ ان دونوں نے ہم پر اور نہ کسی دوسرے پر کوئی ظلم کیا ہے۔ انہوں نے اللہ کی کتاب اور سنت رسول پر عمل کیا ہے۔" جب اہل کوفہ نے ان کا یہ کلام سنا تو ان کی

امامت کے منکر ہو گئے اور ان کے بھائی الباقر کے گرد جمع ہو گئے۔اس پر زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا آج انہوں نے ہمارا انکار کر دیا ہے اسی لیے اس جماعت کا نام رافضہ (امامت زید کے منکرین) پڑ گیا۔(ناسخ التواریخ،590/2،احوال الامام زین العابدین)

(اعیان الشیعۃ2/132، قسم نمبر:1)

12۔شیعہ عالم نشوان حمیری ان سے روایت کرتا ہے کہ انہوں نے جب زید رحمہ اللہ سے کہا: ابو بکر اور عمر سے برات کا اعلان کرو، وگرنہ ہم آپ کی امامت کا انکار کر دیں گے؟ تو زید نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے میرے والد محترم نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے علی علیہ السلام سے فرمایا:" بے شک عنقریب ایک قوم آئے گی جو ہماری محبت کا دعویٰ کرے گی، وہ اپنے برے لقب سے پہچانے جائیں گے۔ پھر جب تم ان سے ملو تو انہیں قتل کر دو کیونکہ وہ مشرک ہوں گے۔ جاؤ چلے جاؤ تم رافضہ ہو۔(الحور العین:185)

## شیعہ اپنے بڑوں کے منکر

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اہل بیت کی نظر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام ملاحظہ کیا اب ذرا شیعہ محدثین کا بھی عقیدہ ملاحظہ فرمائیں، شیعہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کفر و فسق اور لعن طعن کے فتوے علی الاعلان دیے ہیں اور اس سلسلے میں اپنے ائمہ کے موقف کو رد کر دیا ہے۔

1۔ابو بکر نے اپنی اکثر عمر بت پرستی میں گزاری۔(الصراط المستقیم،155/3)

2۔ابو بکر بت پرست تھے۔(بحار الأنوار،175/25 باب فی صفات الامام)

3۔ابو بکر کا ایمان یہود و نصاریٰ جیسا تھا۔(الکشکول:104)

4۔شیعہ عالم الجزائری لکھتا ہے کہ کچھ خصوصی روایات میں آیا ہے کہ ابو بکر، رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتا تو بت ان کی گردن میں لٹکا ہوتا تھا اور وہ اسے سجدہ کرتا۔

(الأنوار النعمانیہ، 53/1)

5۔شیعہ علماء نے حضرت ابو بکر کو مرتدین کے ساتھ جہاد کرنے کی وجہ سے اور ان کے اس فرمان کی وجہ سے کافر قرار دیا ہے کہ ''اگر (ان مرتدین نے) مجھے ایک رسی بھی دینا بند کی یا فرمایا اگر انہوں نے (زکوۃ کی ادائیگی میں) ایک میمنا بھی دینا بند کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے تو میں ان کے ساتھ قتال یا فرمایا جہاد کروں گا۔'' ان کا یہ فعل بہت برا اور ظلم عظیم تھا اور حد درجہ سرکشی تھی۔ یہ کلمات کہنے والا اللہ اور محمد ﷺ کے دین سے خارج ہے اور یہ بات ہر ذی فہم کو معلوم ہے اور اگر وہ انہیں ظالم کہیں تو ان کے لیے اتنی ہی رسوائی، کفر اور جہالت کافی ہے۔ (الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ، 7/1)

6۔شیعہ عالم نے ابو بکر کے مومن نہ ہونے کو پورے جزم سے بیان کیا ہے۔

(مراۃ العقول، 429-430/3)

7۔رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو غار میں ساتھ لے جانے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کیونکہ آپ کو ڈر تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مشرکین کو اطلاع کر دیں گے۔'' شیعہ عالم ابن طاؤس لکھتا ہے یہ بڑی نادر روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو اپنے ساتھ غار میں لے جانے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ آپ کو یہ خوف تھا کہ ابو بکر کافروں کو آپ کی اطلاع کر دیں گے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے علی علیہ السلام کو اپنے بستر پر سلایا اور ابن ابی قحافہ سے ڈرتے تھے کہ یہ کافروں کو بتا دیں گے اس لیے انہیں اپنے ساتھ غار میں لے گئے۔

(الطرائف فی معرفۃ مذہب الطوائف، 410)

8۔ابو بکر نے قرآن مجید میں آیات وراثت کا اضافہ کیا ہے۔ (کشف الاسرار، 126)

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کرنے والوں کو ہدایت عطاء فرمائے آمین۔

15

## 15۔شیعہ سے سوالات:

1۔کیاکسی امام نے شیعیت کی تبلیغ کی؟شیعہ بن کر زندگی گذاری؟

2۔آج کے شیعہ کس امام کی سیرت وسنت پر عمل کرتے ہیں؟

3۔کس امام نے شیعہ کا موجودہ کلمہ سکھلایا؟

4۔کس امام نے شیعہ کی موجودہ اذان تعلیم فرمائی؟

5۔کس امام نے متعہ کی تعلیم دی؟

6۔حضرت علی کی خلافت میں باغ فدک سیدہ پاک سلام اللہ علیہ کو کیوں نہیں دیا گیا؟

7۔کس امام نے پانچ وقت کے بجائے تین وقت نماز پڑھی؟

8۔کس امام نے ماتم کرکے دکھایا؟یا زنجیر زنی کی اور تعذیے نکالے؟

9۔کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ایک بار بھی ماتم کیا ہے؟

10۔کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ایک بار بھی ماتم کیا ہے؟

11۔کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ایک بار بھی ماتم کیا ہے؟

12۔شیعہ کی محبت اہل بیت کی بجائے صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کیوں ہے؟

13۔شیعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے فقط سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ہی کیوں عشق کرتے ہیں؟

اس بارے میں ایسی معلومات آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں کہ آپ دنگ رہ جائیں گے، مسلم دنیا کیلئے یہ کسی جھٹکے سے کم نہیں،اور بالخصوص عرب کے شیعوں کیلئے حیران کن۔

سوال کا جواب دینے سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے بارے میں جاننا ضروری ھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کے نام:

1۔حسن بن علی بن ابی طالب 2۔ حسین بن علی بن ابی طالب 3۔ محسن بن علی بن ابی طالب

4۔ عباس بن علی بن ابی طالب 5۔ ہلال بن علی بن ابی طالب 6۔ عبداللہ بن علی بن ابی طالب
7۔ جعفر بن علی بن ابی طالب 8۔ عثمان بن علی بن ابی طالب 9۔ عبیداللہ بن علی بن ابی طالب
10۔ أبو بکر بن علی بن ابی طالب 11۔ عمر بن علی بن ابی طالب



کیا آپ نے شیعہ کتب میں (یا حسن) لکھا دیکھا؟ یا (یا محسن) (یا ہلال)؟ کبھی علی رضی اللہ عنہ کا ماتم حسین رضی اللہ عنہ کی طرح کیا ہو؟ ہر گز نہیں۔!!! کیا وہ اہل بیت نہیں؟؟

کیوں صرف (یا حسین) ہی پکار کر پیٹا جاتا ھے؟ اور کیوں حسین رضی اللہ عنہ سے ہی مدد مانگی جاتی ہے؟ جبکہ یہ بھی علم میں ہے کہ حسن اور حسین دونوں بھائی ہیں ان کی ماں فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ ہیں اور انکے والد علی بن ابی طالب ہیں اور سب اہل بیت میں سے ہیں۔

اس سے پہلے کہ اس سوال کا جواب دوں، پہلے چونکا دینے والی معلومات پڑھیں۔

شیعوں کے 12 امام صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں؟

اور شیعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا احترام حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی بقیہ اولاد سے زیادہ کرتے ہیں کیونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شادی فارسی ایرانی عورت سے ہوئی جو ایران کے بادشاہ (یزدگرد) کی بیٹی تھی جس کا نام شہر بانو تھا، مسلمانوں نے فارسی ریاست کے زوال کے بعد کسری کے بادشاہ کو قتل کر دیا اور اسکی بیٹیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ تو پھر خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے کسری کی بیٹیوں میں ایک بیٹی (شہر بانو) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دے دی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے شادی کر لی اور یہی وہ سبب ہے جسکی بنیاد پہ شیعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور دیگر ائمہ سے زیادہ محبت کرتے ہیں کیونکہ یہ سارے شہر بانو کی اولاد میں سے ہیں اور اہل فارس ہیں اور شیعوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ اہل بیت سے محبت عرب کی بنیاد پہ کرتے ہیں، نہیں (بلکہ یہاں معاملہ اہل فارس کا ھے!) اور صحیح بات یہ ہے کہ شیعہ اس اہل بیت سے محبت کرتے ہیں جو کسری

کی اولاد میں سے اور ان 12 ائمہ سے محبت کرتے ہیں جو سب کے سب فارسی عورت کی نسل سے ہیں اور وہ اس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے دادا ہیں، نہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دادا نبی ﷺ ہیں۔



امام ابن کثیر نے (البدائیہ جلد 9) سن 61 ہجری میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں کہا ابن خلقان نے کہا ام سلمہ ایران کے بادشاہ (یزد گرد) کی بیٹی تھی جو فارس کا آخری بادشاہ تھا زمخشری نے کہا (یزد گرد) کی تین بیٹیاں تھیں (جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قیدی بنائی گئیں) جن میں سے ایک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ملیں جس سے بیٹا پیدا ہوا جسکا نام سالم تھا۔ دوسری محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ملی جس سے قاسم بیٹا پیدا ہوا۔ تیسری حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو ملی جس سے زین العابدین پیدا ہوئے۔ اور یہ سب آپس میں خالہ زاد ٹھہرے۔

اور شیعہ جن ائمہ کی تکریم کرتے ہیں اور جنھیں انبیاء سے اعلیٰ درجہ دیتے ہیں اور انہیں معصوم جانتے ہیں یہ سب صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اس بیوی سے ہیں جو فارسیہ تھیں۔

اور شیعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور 12 ائمہ سے اس لیئے محبت کرتے ہیں کیونکہ ان میں فارسی خون و پسینہ شامل ہے اور وہ کسری کے مالک ہیں۔

شعیہ اہل بیت کسری سے محبت کرتے ہیں نہ کہ اہل بیت النبی ﷺ سے۔

یہ خونی ماتم غم حسین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا بھی اک دھوکہ ہے۔

دراصل پیچھے بیٹھے سازشی دماغ لمبی منصوبہ بندی کے تحت اپنی قوم کو خونی مناظر کا عادی بنا کر اہل سنت سے جنگ اور انکی خوں ریزی کے لئے تیار کر رہے ہیں وقت آنے پر انکی قوم خون کو دیکھ کر گھبرا نہ جائے چنانچہ اس خونی دہشت گردی کا مظاہرہ یہ لوگ کئی جگہ کر چکے ہیں مثلاً راجہ بازار راولپنڈی، یمن، شام عراق و ایران وغیرہ۔

(عوام اہل تشیع کو اس منصوبے سے اندھیرے میں رکھ کر انہیں غم حسین رضی اللہ عنہ کی پٹی پڑھائی جاتی ہے مگر قیادت عوام کی سادگی سے انہیں بے وقوف بناتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپنے اس طبقے کے مالداروں وڈیروں، ذاکروں، اور مجتھدوں کو کبھی بھی خونی ماتم کرتے نہیں دیکھا ہوگا)۔

## 16۔روافض شیعہ کارد۔دلائل کی روشنی میں:



1۔نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی 4 بیٹیاں (شیعہ کتب کے حوالاجات)۔

https://www.youtube.com/watch?v=VLXdq_1bsyU

2۔حضرت مولاامام حسن پاک رضی اللہ عنہ کا قاتل کون؟

https://www.youtube.com/watch?v=VxC7HzQpzQk

3۔قاتلانِ حضرت مولاامام حسین پاک رضی اللہ عنہ کا سراغ مل گیا۔

https://www.youtube.com/watch?v=gvMmpol_10w

https://www.youtube.com/watch?v=IlJ0zUKML7c

4۔نوحہ خوانی، مرثیہ اور مولاامام حسین پاک رضی اللہ عنہ کی وصیت۔

https://www.youtube.com/watch?v=1Plh6UUGDek

5۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مولا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو گالیاں دلوانا حدیث صحیح یا ضعیف۔

https://www.youtube.com/watch?v=EvAQX3JMjRU

6۔خلیفہ بلافصل اور وصی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کون؟

https://www.youtube.com/watch?v=eYTrbGps32Q

7۔باغِ فدک کی تحقیق شیعہ/سُنی۔

https://www.youtube.com/watch?v=MMkO3NAE5HI

https://www.youtube.com/watch?v=4NCfXT4xEsA

https://www.youtube.com/watch?v=P5EL6KdKY04

https://www.youtube.com/watch?v=TdHixP3nmyE

8۔امام ابو حنیفہ شیعہ تھے؟شیعہ عالم کے مغالطے کا جواب۔

https://www.youtube.com/watch?v=mP9YhlCv9-Y

9۔حضرت حلیمہ سعدیہ کے گستاخ ذاکر کو جواب۔

https://www.youtube.com/watch?v=9mnjbdtkTWw

10۔شانِ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کتبِ شیعہ سے۔

https://www.youtube.com/watch?v=jBxcQYdXb6o

11۔حضرت مولا علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کا اصلی قاتل کون تھا؟

https://www.youtube.com/watch?v=usy9yIxWQx8

https://www.youtube.com/watch?v=robYJl3X58k

12۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ و مولا علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کی بدترین گستاخی۔

https://www.youtube.com/watch?v=VQr7H5GYKvI

13۔سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت یکم محرم۔

https://www.youtube.com/watch?v=4IpPbNvNL08

14۔ماتمِ حسین اور تعلیماتِ اہلبیت۔

https://www.youtube.com/watch?v=r0bH941d5mU

https://www.youtube.com/watch?v=p5FxEWzm5Xg

15۔ماتم اور نوحہ قرآن سے ثابت ہے؟ نقوی شیعہ کو کتبِ شیعہ سے جواب۔

https://www.youtube.com/watch?v=lL1LJhJE_3s

16۔حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بدترین گستاخی۔

https://www.youtube.com/watch?v=hZfWNfrfCVI

17۔سیدہ فاطمہ الزاہرہ سلام اللہ علیھا کا گھر کس نے جلایا؟

https://www.youtube.com/watch?v=ovD-wawRMoY

18۔نقوی شیعہ کے 40 حوالوں کی حقیقت۔

https://www.youtube.com/watch?v=Yscx3F9vLxE

19۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح یا بیعت۔

https://www.youtube.com/watch?v=CP23GvKb45w

20۔رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قاتل کون؟روافض کے اعتراض کا جواب۔
https://www.youtube.com/watch?v=JRc3XVsmpxo
21۔کیا22رجب کے کونڈے حرام؟
https://www.youtube.com/watch?v=NkS2ZaGLRjY
22۔قرآن کریم میں26آیات کی تحریف(نعوذ باللہ)کا جواب۔
https://www.youtube.com/watch?v=vG4hlb8-zkU
23۔مولا علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کا قاتل بھی رافضی نکلا۔
https://www.youtube.com/watch?v=_7bQxuG2VZk
24۔شیعہ کے متعہ کا تحقیقی جواب۔
https://www.youtube.com/watch?v=3_5EP3DlfbY
25۔متعہ کے فضائل شیعہ کتب سے۔
https://www.youtube.com/watch?v=Efw6XWTUVgg
26۔(73)فرقے جنتی کون مکمل تحقیق۔
https://www.youtube.com/watch?v=jE0jSBB24QM
27۔(18)ذوالحجہ کو سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت۔
https://www.youtube.com/watch?v=rpBHD0nKhYQ

28۔عیدِ غدیرِ خُم کی حقیقت۔
https://www.youtube.com/watch?v=G-yvBBpTphM
29۔ازواج مطہرات اہل بیت میں شامل نہیں؟ذاکر نقوی کو جواب۔
https://www.youtube.com/watch?v=HRoBTQl8PoY
30۔سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی پر جواب۔
https://www.youtube.com/watch?v=3jOiQ1hVRmk
31۔مولا علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کی منقبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں۔
https://www.youtube.com/watch?v=zvvZrdsIFuE
32۔مولا علی پاک اور حضرت امیر معاویہ کے اختلاف کی اصل وجہ۔
https://www.youtube.com/watch?v=2NrUrJqrOyE
33۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مولا علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کو گالیاں دلوانے کا الزام۔
https://www.youtube.com/watch?v=yNjMfQwWqB4
34۔مرزا جہلمی کو روافض کی شاباش۔
https://www.youtube.com/watch?v=14u-ZSX4EgI

35۔سیدہ فاطمہ الزاہرہ سلام اللہ علیھا پر اتنا ظلم ہوا تو مولا علی پاک نے بدلہ کیوں نہ لیا۔

شیعہ علماء جواب دیں۔

https://www.youtube.com/watch?v=5KWV3K_HrV0



36۔شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں گستاخی پر جواد نقوی شیعہ کو جواب۔

https://www.youtube.com/watch?v=anhuptVTN-8

37۔جنگِ جمل و صفین میں صحابہ کرام نے مولا علی پاک کا ساتھ کیوں نہ دیا؟

https://www.youtube.com/watch?v=qiXDubhlHJU

38۔شہادت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تین اشکالات کے جوابات۔

https://www.youtube.com/watch?v=_2ss6P8TsEg

39۔سیدہ زینب رضی اللہ عنہ کی بددعا شیعہ کو یا اہل سنت کو؟

https://www.youtube.com/watch?v=OhaQ8UoQ8Z4

40۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا مناظرہ۔

https://www.youtube.com/watch?v=BlVkPb6Fyek

41۔خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ الزاہرہ سلام اللہ علیھا کا قاتل کون؟

https://www.youtube.com/watch?v=JvUmLoJmuLc

42۔سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے منکر رافضی کو علمی جواب۔

https://www.youtube.com/watch?v=mdkzOssjwFk

43۔توہین صحابہ واہلِ بیت کی سزا میں اضافہ قابل منظور۔

https://www.youtube.com/watch?v=NIkq7VH81Oo

44۔ خمینی کی تعریف میں روافض اور رافضی نوازوں کا غلو۔

https://www.youtube.com/watch?v=f7xwUdERWPM

45۔کالا لباس دوزخیوں کا؟ شیعہ vs سنی عقیدہ۔

https://www.youtube.com/watch?v=lNlg6PIQJY4

46۔ہم معاویہ پر لعنت کرتے ہیں (نعوذ باللہ) شیعہ باقر نجفی۔

https://www.youtube.com/watch?v=UFe_KB2kb7A

# 17۔شیعہ کے باطل عقائد:

بندہ ناچیز نے یہ موضوع بہت مشکل تحریر کیا کیونکہ ان الفاظ کو لکھتے ہوئے مجھے بہت دکھ ہوا۔ کوئی بھی صحیح العقیدہ مسلمان اس طرح کی بات سوچ بھی نہیں سکتا جس طرح کی توہین آمیز اور تہمات پر مبنی عبارات روافض نے اپنی کتابوں میں تحریر کیں۔ میرا ان عبارات کو تحریر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ تمام احباب حق و باطل میں فرق کر سکیں اور حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔

اللہ کریم ہمیں نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان واہلِ بیت عظام سے صحیح معنوں میں محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

1۔(ترجمہ) بے شک معراج کی رات حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو 30 سالہ نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ بے شک اللہ کا ناف تک کا حصہ خالی تھا اور اس کے نیچے سخت ٹھوس۔ (نعوذ باللہ)۔(اصول کافی ص173ج1)

2۔(ترجمہ) اگر لوگ جان لیں کہ خدا کی جہالت کا اقرار کرنے میں کتنا ثواب ہے تو کبھی بھی اس عبادت سے غفلت نہ کریں۔(اصول کافی ص204ج1)

(ترجمہ) اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے شراب کی حرمت نہ بیان کی ہو اور اللہ کے لئے جہالت کا اقرار نہ کیا ہو۔(نعوذ باللہ)

(اصول کافی ص204ج1، کتاب الروضہ، ص165ج8، انوار نعمانیہ، ص241ج2)

3۔(ترجمہ) اللہ نے جبریل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا وہ غلطی سے حضور ﷺ کے پاس چلے گئے کیونکہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہم شکل تھے جیسا کہ ایک کوا دوسرے کوے کے ہم شکل (نعوذ باللہ)۔

(تذکرۃ الائمہ ص24، انوار نعمانیہ ص237، ج2)

4۔(ترجمہ) ہم اس خدا کی عبادت اور اس کو جانتے ہیں جس کے کام مضبوط اور عقل پر مبنی ہیں

اور وہ عقل کے فیصلے کے خلاف کچھ نہ کرے اور نہ ایسے خدا کو جو خدا پرستی اور انصاف اور دین داری کی عمارت بنوائے اور پھر خود ہی اسے برباد کرنے کی کوشش کرے اور یزید اور معاویہ اور عثمان جیسے بدقماشوں کو لوگوں کی سرداری ہے۔(کشف الاسرار ص107)مصنف خمینی



5۔موجود قرآن مجید اصل نہیں اصلی قرآن امام مہدی لائیں گے۔ ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو (قرآن میں) تغیر یہ لوگ کردیں تم اس کو اس کے حال پر ہنے دو اور تغیر کرنے والے (صحابہ کرام) کا عذاب کم نہ کرو، ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کردو قرآن مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر (امام مھدی علیہ السلام) حق ہے،

(ترجمہ مقبول ص479،اصول کافی ص632ج2،انوار نعمانیہ ص264ج2، تفسیر صافی، ص25ج1، تفسیر مرۃ الانوار ص36،بصائرالدرجات، ص213، فصل الخطاب ص237،احتجاج ص196ج1، حق الیقین ص198ج1)

6۔خود نبی ﷺ و علی رضی اللہ عنہ نے قرآن بمطابق تنزیل جمع کیا تھا مگر (اصحاب) ثلاثہ (ابو بکر و عمر و عثمان) کی کرم نوازی سے امت مرحومہ اس کے دیدار سے آج تک محروم ہے اور نہ معلوم کب تک محروم رہے گی۔(تجالیات صداقت ص209)

**اب شیعہ کتب کی بعض عبارات کا مفہوم درج کیا جاتا ہے۔**

- جو شخص قرآن کے مکمل جمع ہونے کا دعوی کرے وہ جھوٹا ہے۔(نعوذ باللہ)

(اصول کافی ص332ج1، تفسیر البرہان ص15ج1، لفصل الخطاب ص4، تفسیر صافی ص11ج1، مرأۃ الانوار ص37،بصائرالدرجات213)

- اصلی قرآن حضرت علی نے جمع کیا جو لوگوں (صحابہ) کی برائیوں سے بھرا ہوا تھا۔

(نعوذ باللہ)(تفسیر صافی ص27ج1،احتجاج طبرسی ص156،انوار نعمانیہ ص،364ج 2،تذکرۃ الائمہ ص14،بصائرالدرجات ص213،چودہ ستارے ص86)

- اصلی قرآن موجودہ قرآن سے تین گنا بڑا ہے۔(نعوذ باللہ)

(اصول کافی ص446ج4، مترجم فارسی، فصل الخطاب ص235)

- اصل قرآن میں موجودہ قرآن کا ایک حرف بھی نہیں۔(نعوذ باللہ)

(اصول کافی ص346ج1، حق الیقین ص34ج1، عین الحیوۃ ص113، بصائر الدرجات ص172)

- حضرت علی کا جمع کیا ہوا قرآن موجودہ قرآن سے بڑا ردوبدل سے پاک ہے۔

(نعوذ باللہ)(انوار نعمانیہ ص360ج2)

- اصل جامعہ (قرآن) ستر گز لمبا اور اونٹ کی ران کے برابر موٹا ہے۔(نعوذ باللہ)

(اصول کافی ص345ج1، احتجاج طبرسی ص372ج2، انوار نعمانیہ ص34ج1، بصائر الدرجات ص123، حق الیقین ص34ج1، عین الحیوۃ ص112، مناقب آل ابی طالب ص253ج1)

- موجودہ قرآن میں منافقین (صحابہ کرام) نے کفر کے ستوں کھڑے کردیئے۔

(نعوذ باللہ)(تفسیر صافی ص20ج1، احتجاج طبرسی ص256ج2، فصل الخطاب ص 131)

- موجودہ قرآن کے غلط اور محرف ہونے کا اقرار ضروریات دین میں سے ہے۔

(نعوذ باللہ)(مراۃ الانوار ص19، فصل الخطاب ص32)

- موجودہ قرآن کے غلط اور ردوبدل ہونے پر دوہزار احادیث دلیل ہیں۔(نعوذ باللہ)

(فصل الخطاب ص32)

7۔خوف طوالت سے اب صرف شیعہ کتب کے نام درج کرتا ہوں جن میں موجودہ قرآن میں ردوبدل کا ذکر ہے۔(نعوذ باللہ)

(تفسیر عیاشی ص13 ج1، لوامع التنزیل ص15، 14، تفسیر قمی ص36 ج1، حیات القلوب ص124 ج3، مفتاح القرآن ص6، ہزار تمہاری دس ہماری ص552، تفسیر فرات کوفی ص37، شیعہ اور تحریف قرآن ص62، فتوحات شیعہ ص129، حیلتہ المتقین ص29)



8۔ (ترجمہ) کفر کے تین اصول ہیں حرص، تکبر اور حسد حرص والا (کفر) حضرت آدم میں بھی موجود تھا۔ (نعوذ باللہ) (اصول کافی ص289 ج2)

9۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا نے اہل بیت سے حسد کیا تو جت سے نکال دیئے گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کی طرف دیکھا تو اہل بیت حضور علیہ السلام حضرت علی حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین نظر آئے۔ اللہ نے فرمایا کہ آدم ان کو حسد کی نظر سے نہ دیکھنا اور نہ ان کے مراتب کی خواہش کرنا مگر آدم علیہ السلام اور حضرت حوا پر شیطان غالب آیا انہوں نے ان اہل بیت کو حسد کی نظر سے دیکھا پس اللہ نے ان کو جنت سے نکال دیا۔

(نعوذ باللہ) (مفہوم عبارت)

(حیات القلوب ص49 ج1، انوار نعمانیہ ص243 ج1، تفسیر صافی ص80 ج1، معانی الاخبار ص109، بحار الانوار ص362 ج16، عیون الاخبار ص229 ج1)

10۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ نے تمام انبیاء پر میری ولایت کو پیش کیا جس نے انکار کیا اس کو سزا ملی، حضرت یونس علیہ السلام نے میری ولایت سے انکار کیا تو اللہ نے سزا کے طور پر ان کو مچھلی کے پیٹ میں قید دیا۔ (نعوذ باللہ) (مفہوم عبارت)

(حیات القلوب ص459 ج1، تفسیر البرہان، ص39 ج1)

11۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا مصیبت میں گرفتار ہونا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت میں شک کی وجہ سے تھا۔ (نعوذ باللہ) (مراۃ الانوار ص70)

12۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے نور نبوت سلب کر لیا گیا۔(نعوذ باللہ)

(تفسیر قمی ص356ج1،حیات القلوب ص191ج1،کتاب العلل الشرائع ص55ج1، ترجمہ مقبول ص491)



13۔(ترجمہ)اے رسول ﷺ پہنچادیں آپ وہ حکم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوا ہے اگر آپ نے نہ پہنچایا تو میں آپ کو سخت عذاب دوں گا۔(نعوذ باللہ)

(فصل الخطاب ص2222، مناقب ابن شہر آشوب ص107ج3)

14۔اللہ نے حضور ﷺ کو شیعان علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کا حکم دیا۔(نعوذ باللہ)

(تفسیر قمی ص210ج1، تفسیر البرھان ص540ج1)

15۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔(نعوذ باللہ)

(انوار نعمانیہ ص8ج1،حیات القلوب31ج3)

16۔امام مہدی حضرت عائشہ کو زندہ کر کے حد لگائیں گے سزا دیں گے۔(نعوذ باللہ)

(حیات القلوب ص611ج2، حق الیقین ص456ج2،انوار نعمانیہ ص161ج1، تفسیر صافی ص208ج1)

17۔ کفر و نفاق کی اصل بنیاد حضرت عائشہ کی عداوت۔(نعوذ باللہ)(انوار نعمانیہ ص8ج1)

18۔ حضرت عائشہ وحفصہ نے حضور ﷺ کو زہر دے کر شہید کیا۔(نعوذ باللہ)

(تفسیر عیاشی ص200ج1، تفسیر البرہان ص320ج2، کلید مناظر ص319، ترجمہ مقبول ص134، تفسیر صافی ص308ج1)

19۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ کو طلاق دی۔(نعوذ باللہ)(حلیۃ الابردار ص413،احتجاج طبرسی ص384ج1)

20۔ حضرت ابو بکر، عمر، عثمان فرعون، ہامان، قارون کی مثل تھے۔(نعوذ باللہ)

(حق الیقین ص253 ج2، حیات القلوب ص173 ج1)

21۔ حضرت ابو بکر و عمر و ستان کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ (نعوذ باللہ)

(حق الیقین ص372 ج2، جلاالعیون ص147، عین الحیواۃ ص376)

22۔ خلفا ثلاثہ منافق تھے۔ (نعوذ باللہ) (تجلیات صداقت ص172)

23۔ حضرت ابو بکر و عمر، عثمان مرتد ہو گئے تھے۔ (نعوذ باللہ)

(حیات القلوب ص118 ج3، تفسیر قمی ص308 ج2، مراۃ الانوار ص158، اصول کافی ص280 ج2، نورالثقلین 42 ج5)

24۔ ابو بکر و عمر شیطان سے زید و بد بخت۔ (نعوذ باللہ) (حق الیقین ص376 ج2)

25۔ امام مہدی ابو بکر و عمر کو زندہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

(انوار نعمانیہ ص85 ج2، حق الیقین ص432 ج2، مجمع المعارف ص47)

26۔ حضرت علی کی بزدلی پر حضرت فاطمہ نے سخت شرم دلائی۔ (نعوذ باللہ)

(حق الیقین ص152، احتجاج طبرسی ص107، تاریخ التواریخ ص129 ج3)

27۔ حضرت علی نے فرمایا عنقریب وہ تم کو حکم دے گا کہ تم مجھے گالی دو اور مجھ سے بیزاری کا اعلان کرد تم مجھے گالی دینا میرے لئے ذکوۃ تمہاری نجات ہو گی۔ (نعوذ باللہ)

(نہج البلاغہ ص92، اصول کافی ص310 ج3، امالی ص213 ج1، مناقب آل ابی طالب ص272 ج2)

28۔ حضرت فاطمہ نے حضرت علی کی پاک دامنی پر شک کیا۔ (نعوذ باللہ)

(جلاالعیون ص131، عین الحیواۃ ص526، انوار نعمانیہ ص79 ج1)

29۔ حضرت فاطمہ امام حسین کی پیدائش پر راضی نہ تھیں۔ (نعوذ باللہ)

(اصول کافی ص364 ج1، تفسیر صافی ص556 ج۲ 2، تفسیر قمی ص297 ج2، حیات

القلوب76ج3، جلاالعیون ص281، خلاصۃ المصائب378)

30۔شیعہ نے امام حسن کو زخمی کیا، کافر کہا مذل المؤمنین اور مسود الوجوہ کہا۔(نعوذ باللہ)

(جلاالعیون ص390، کشف الغمہ ص539ج1، مناقب ابن شہر آشوب ص32ج4)

31۔کوفی سب شیعہ تھے۔(امام حسین کے قاتل شیعہ)(مجالس المومنین ص56ج1)

32۔امام حسین کو کوفہ کی دعوت دینے والے شیعہ تھے۔(جلاالعیون ص518)

33۔ایک دفعہ متعہ کرنے سے امام حسین جتنادرجہ دو دفعہ سے امام حسن اور تین دفعہ سے حضرت علی اور چار دفعہ سے حضور کادرجہ مل جاتاہے۔(نعوذ باللہ)

(تفسیر منہج الصادقین ص493ج8، برہان المتعہ ص52)

طالب دعا : محمد ذیشان قادری حسنی (سلسلہ عالیہ قادریہ حسنیہ)